® Scanned PDF By HAMEEDI

انکا

(حصہ دوئم)

انوار صدیقی

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

Downloaded from Paksociety.com

"کل بدری نرائن جاپ میں کامیاب ہو جائے گا۔" میں نے کچھ توقف کے بعد بجھی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہی نظر آتا ہے مگر جمیل۔ تم سے بچھڑ کر مجھے شدید صدمہ ہوگا۔" انکا نے بسورتے ہوئے کہا۔ "اگر میں اپنے وجود پر قادر ہوتی تو خودکشی کر لیتی لیکن تمہاری جدائی گوارا نہ کرتی۔"

"وقت کا کھیل ہے انکا۔ ہم سب بے بس ہیں۔ تقدیر میں یہی لکھا تھا جو پورا ہوا۔"

"جمیل۔ تم خوش قسمت ہو کہ مالا رانی تمہیں مل گئی۔ تم اپنی دلبستگی کا سامان کر سکتے ہو۔ میں کس سے بات کروں گی؟ میری زندگی صرف اس کے لئے وقف ہے جو میرا مالک ہو۔ مجھے خود پر کوئی اختیار نہیں، ان پنڈتوں میں بہت کم مرتے ہیں کہ میں آزاد ہوتی ہوں۔"

"انکا میری جان۔ کیا تم میرا ایک آخری کام کر سکتی ہو؟" میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"کہو جمیل۔ کاش میں تم پر اپنا وجود نچھاور کر سکتی۔ اگر تمہاری انکا کے بس میں ہوا تو ضرور پورا ہوگا۔"

"مجھے مار ڈالو انکا۔ اپنے پنجے اتنی زور سے میرے سر میں چبھاؤ کہ ہر احساس فنا ہو جائے۔ یہ زندگی تمہارے بغیر بیکار ہے۔"

"میں یہ نہیں کر سکتی۔ مایوس کیوں ہوتے ہو؟" انکا تڑپ کر بولی۔ "تم نے بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کیا ہے۔ وقت کا انتظار کرو۔ مجھے یقین ہے تم ضرور کامیاب ہو گے۔"

آہ وہ دلخراش گفتگو، وہ جدائی کے لمحے، انکا مجھے بچوں کی طرح دلاسے دیتی رہی۔ میری آنکھوں کے پیچھے چھپا ہوا آنسوؤں کا سیلاب پھوٹ پڑا۔ میری انکا جا رہی تھی۔ ان کربناک لمحات کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ وہ لمحہ آ گیا جب انکا نے مجھ سے اجازت مانگی، الوداع کہا اور مجھے بدری نرائن کی کامیابی کا

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

مژدہ سنا کر حسرت و یاس سے میرے سر سے رینگ گئی۔ وہ کیا گئی میرا دل پہلو سے نکلنے کو بے تاب ہوا۔ اس روز میں کن کن کیفیتوں سے دوچار ہوا۔ کیسے کیسے دیوانگی کے دورے پڑے، اس کا احوال مجھے ان ملازمین سے معلوم ہوا جو میری نگرانی پر مامور تھے۔ میں انکا کی جدائی کے غم میں دیوانہ ہوگیا۔ میں نے اپنا سر دیواروں سے ٹکرایا۔ اگر اس جنون کے عالم میں محافظ دستے کے سپاہی مجھے جیل سے بروقت نہ نکالتے یا انہیں کچھ دیر ہو جاتی تو یہ تاریک کوٹھری مجھے اندھیروں میں ایسے سمیٹ لیتی کہ پھر کبھی میں روشنی میں نہ آسکتا۔ جیل کے ہسپتال میں مجھے ہوش آیا تو انکا کی یاد بے تابانہ آئی۔ مجبوراً ڈاکٹروں کو مجھے بے ہوشی کا انجکشن لگانا پڑا۔

ہسپتال میں میری حالت سنبھلتے سنبھلتے پندرہ دن لگ گئے۔ اس دوران ڈاکٹر اور نرسوں نے کئی بار مجھ سے میرے عزیز و اقارب کے بارے میں دریافت کیا مگر میں ہر بار ایک سرد آہ بھر کر چپ ہوگیا۔ اب کسی سے ملنے اور کسی کو دیکھنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ میں نے ان سے کہہ دیا کہ میں تنہا ہوں۔ ایک ماہ بعد مجھے ہسپتال سے جیل بھیج دیا گیا لیکن اس بار ڈاکٹر کی سفارش پر مجھ سے زیادہ محنت کا کام نہیں لیا گیا۔ میں دن رات اپنے انجام کے بارے میں سوچتا رہتا۔ سادھو جگدیو کی ناراضی نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ پنڈت بدری نرائن اب مجھ سے گن گن کر بدلے لے گا۔ اب ہر سو اندھیرا تھا۔

میری رہائی میں پانچ روز رہ گئے۔ مجھے اپنی بربادی صاف نظر آنے لگی۔ آزادی میری بربادی کی ابتدا ہوگی۔ ویرانیاں، مایوسیاں، ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ چار روز قبل میں ایک درخت کے نیچے بیٹھا تھا کہ ایک سپاہی نے مجھے آکر بتایا کہ جیلر نے بلایا ہے۔ میں خاموشی سے اٹھا اور محافظ کے ساتھ ہولیا۔ جب میں جیلر کے کمرے میں پہنچا تو برقع میں چھپی ہوئی مالا کو دیکھ کر میرے قدم لرز نے لگے اور مالا نے میری ناگفتہ بہ حالت دیکھی تو دہائی دینے لگی۔ نہ جانے کیوں مجھے مالا کی آمد ناگوار گزری۔ میں نے نگاہیں پھیر لیں۔ جیلر کی موجودگی میں مالا سے کوئی گفتگو مناسب نہیں تھی۔ البتہ اسے دیکھ کر جگدیو اور پریتم لال کا ایک معاملہ یاد آ گیا۔ ان لوگوں سے مجھے شدید نفرت ہوئی تھی۔ میں کچھ دیر چپ کھڑا رہا۔ جیلر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''تم اپنی بیوی سے اسی کمرے میں بات کر سکتے ہو۔ میں تمہیں دس منٹ کی مہلت دیتا ہوں۔''

جیلر اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا تو مالا بڑی تیزی سے میرے قریب آئی اور گلوگیر آواز میں بولی۔ ''آپ کی یہ کیا حالت ہوگئی؟ ہم لوگوں کو اطلاع تک نہ دی؟''

''اب کیوں آئی ہو؟ جاؤ چلی جاؤ۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ تمہارے مہاراج جگدیو نے مجھے اس حال تک پہنچایا ہے اور تمہیں میری آتما شانتی کی اطلاع تک نہ دی۔'' میں نے چلا کر کہا۔

''بھگوان کی سوگند، مجھے آ [illegible]

بنتی کر کے آپ کو بلوایا۔'' وہ آنسوؤں سے بولی۔

''اور کون آیا ہے تمہارے ساتھ؟'' میں نے بے رخی سے پوچھا۔

''میں اکیلی آئی ہوں۔ ابھی تک چچا جان یا کسی اور کو کوئی خبر نہیں۔'' مالا نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ ''جیلر کہہ رہا تھا۔ آپ چار روز میں رہا ہونے والے ہیں۔''

''اب رہائی میں کیا رکھا ہے؟ جگدیو مہاراج کی کرپا سے انکا میرے دشمن بدری نرائن کے قبضے میں جا چکی ہے۔ تمہارے بابا کی آتما نے بھی میری کوئی مدد نہیں کی۔ جو کچھ مجھ پر گزر رہی ہے وہ میں ہی جانتا ہوں۔ تم نے روانگی کے وقت غلط توقع قائم کی تھی کہ یہ گیانی دھیانی لوگ میری مدد کریں گے۔ اب کیا لینے آئی ہو؟ میں برباد ہو گیا ہوں۔ تمہیں میرے پاس نہیں آنا چاہیے تھا۔ جاؤ گھر جا کر میری بربادی کا سوگ مناؤ۔ سمجھ لو کہ میں ختم ہو گیا ہوں۔''

''آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں کچھ نہیں سمجھ رہی۔'' مالا نے حیرت سے دریافت کیا۔ مجھے اور غصہ آیا۔ اس نے کہا۔ ''آپ مجھے کیا سمجھ رہے ہیں؟ بھگوان کی سوگند میں آپ کے کارن جان بھی دے سکتی ہوں۔''

''انکا کی جدائی سے میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ تم میرے پاس سے چلی جاؤ۔ میرا کسی سے کوئی سمبندھ نہیں۔ گھر جاؤ۔ اب جو بھی مجھ سے اپنائیت کی باتیں کرتا ہے۔ مجھے اس سے نفرت ہو جاتی ہے۔ تم اس وقت یہاں نہ ٹھہرو ورنہ میرے منہ سے کچھ نکل جائے گا۔''

مالا کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ اس کا نقاب گیلا ہو گیا مگر میں خود سے بیزار تھا۔ مالا کی اشکباری سے کیا متاثر ہوتا۔ مجھے در و دیوار سے نفرت محسوس ہو رہی تھی، اپنے وجود سے گھن آ رہی تھی۔ ہر رشتہ بے اعتبار معلوم ہو رہا تھا۔ جیلر جب کمرے میں داخل ہوا تو روتی ہوئی مالا حسرت ناک نظروں سے مجھے دیکھتی ہوئی رخصت ہو گئی۔ مالا کے آنے سے میرے زخم دوبارہ ہرے ہو گئے۔ چار روز محض وحشت، جنون اور کرب میں گزرے، جب رہائی کا فیصلہ سنایا گیا تو میری آنکھیں جلنے لگیں۔ جیلر نے باہر نکلتے وقت مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے وشواش ہے کہ اب تم اپنی اوقات پہچان چکے ہو۔ تمہارے لیے یہی بہتر ہو گا کہ لکھنؤ سے باہر چلے جاؤ۔''

میں نمناک آنکھوں پر پلکوں کا پردہ ڈالے جیل کے بڑے پھاٹک سے باہر نکلا۔ باہر کی دنیا مجھے اجنبی لگ رہی تھی۔ کھلی فضا میں حبس کی کیفیت تھی۔ ایک موہوم سی امید تھی کہ مالا مجھے لینے آئے گی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ مالا کی غیر موجودگی سے دل پر اور چوٹ لگی۔ میں کدھر جاؤں؟ میری کوئی بھی منزل نہیں تھی۔ ہر جگہ مقتل ہر جگہ مذبح نظر آتی تھی۔ خاموشی سے ایک ایک طرف قدم بڑھانے لگا۔ بے سمت، بے ارادہ کہ اچانک کسی نے میرا نام لے کر پکارا

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ سادھو جگدیو میری پشت پر کھڑا معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں گہرائی اور چمک دیکھ کر میرا جسم غصے اور نفرت سے مرتعش ہونے لگا۔ اسے دیکھ کر سارا جسم درد کرنے لگا اور جیل کی تمام مشقتیں، صعوبتیں نظروں میں گھوم گئیں۔ اب وہ پھر سنجیدگی، ٹھہراؤ اور سکون سے میرے سامنے کھڑا تھا۔ میں نے ایک خطرناک فیصلہ کیا اور اپنی مٹھیاں بھینچتا ہوا اس کی طرف بڑھنے لگا۔ میرا اور اس کا درمیانی فیصلہ زیادہ نہیں تھا۔

میرے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ اب جب کہ سب کچھ لٹ چکا تھا۔ ہر مسرت میرے لیے ممنوع قرار دی جا چکی تھی اور میرے چاروں طرف تاریکیوں کا تسلط تھا میں کب تک زندگی کی آس لگائے بیٹھا رہتا۔ اس سے پہلے بھی کئی ایسے لمحات آئے جب میں نے اپنا وجود ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ میرا خیال ہے، زندگی میں کئی بار آدمی موت کے فیصلے کرتا ہے پھر جب وہ لمحۂ مرگ آجاتا ہے تو آدمی کو احساس ہوتا ہے کہ زندگی کس قدر قیمتی اور دلفریب ہے۔ جس شخص کی زندگی بار بار سخت حوادث سے دوچار ہوئی ہو اور قسمت نے اس کے ساتھ ہولناک مذاق کئے ہوں، وہ تو بار بار موت کی آرزو کرے گا۔ میں اپنی زندگی میں نہ جانے کتنی مرتبہ مر چکا تھا اور جب میں عرصہ مرگ میں ہوتا تھا تو سامنے کی کوئی چیز مجھے نظر نہیں آتی تھی۔ چنانچہ اس وقت سادھو جگدیو بھی مجھے نظر نہیں آیا۔ میں نے اس کے وجود میں اپنے سامنے ایک شیطان، ایک عفریت کھڑا ہوا دیکھا۔ میں نے سوچ لیا کہ چاہے کچھ بھی ہو۔ مجھے اس شخص سے ضرور انتقام لینا ہے جس نے انکا کو مجھ سے چھنوا دیا ہے، میں آگے بڑھا میرا اور اس کا درمیانی فاصلہ بہت کم ہوگیا لیکن اس سے قبل کہ میرا ہاتھ جگدیو کے گریبان تک پہنچتا اور میں اس بوڑھے کے ٹینٹوے سے خون پیتا، مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے قدم زمین میں گڑ گئے ہوں۔ میں نے آگے بڑھنے کی بہت کوشش کی لیکن میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکا۔ بظاہر میں آزاد نظر آ رہا تھا لیکن بباطن مجھے بہت سے ہاتھوں اور بہت سے جسموں نے جکڑ رکھا تھا۔ میری بے بسی دیکھ کر سادھو جگدیو کے چہرے پر حقارت کے آثار نمودار ہوئے۔ ”پاپی! تیرے من کا کھوٹ تجھے نشٹ کر دے گا۔ دیوتا تجھے کبھی شما نہیں کریں گے۔ تو نے جگدیو پر ہاتھ اٹھانے کا خیال کر کے اپنے لیے اور دکھ سمیٹ لیے ہیں۔“

”ہونہہ“ میں نے زمین پر تھوک کر کہا۔ ”جمیل احمد خان کو اب کسی دیوی دیوتا کی پروا نہیں، اگر تو تھوڑی دیر کے لئے اپنے پلید بیروں کو مجھ سے دور کر دے تو میں تجھے بتاؤں کہ میں کتنی دیر میں تجھے نشٹ کر سکتا ہوں۔“

”تو پاگل ہو گیا ہے۔“ جگدیو نے غضب ناک آواز میں کہا۔ ”تو اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا ہے۔ میں کہتا ہوں سنبھل جا۔ اپنی زبان قابو میں رکھو۔ اب تیرے پاس کون سی شکتی ہے، جس پر تو گھمنڈ کرتا ہے؟“

”تو سمجھتا ہے کہ شکتی وکتی کا نام لے کر اب مجھے مرعوب کر سکے گا کمینے۔ جس نے اس زندگی کا راز پالیا ہو اور جو موت کے لیے تیار بیٹھا ہو، وہ تیری گیدڑ بھبکیوں میں کیوں آئے گا؟ میرے پاس ابھی تک میرے شریر کی شکتی ہے جو تیرا جیون مٹی میں ملانے کے لئے بہت کافی ہے۔“ میں نے شرر بار لہجے میں کہا۔ ”میں اگر زندہ رہا تو تجھے تیزی عیاری و مکاری کی سزا ضرور دوں گا۔“

”تو......تو......“ یک لخت جگدیو کی آنکھوں سے شعلے پھوٹنے لگے۔ ”اپرادھی! تو نے بہت زبان چلالی۔ اگر مجھے مالا اور سورگباشی پریتم لال کا دھیان نہ ہوتا تو میں تجھے بتاتا کہ جگدیو کی نظروں سے نظریں ملا کر بات کرنے والے کا انجام کیسا ہوتا ہے۔ تیرے من کے کھوٹ نے تیرے وچار بھی پلید کر دیئے ہیں، تو کالے اور سفید کی پہچان کھو چکا ہے۔ تو نے مالا کا من دکھا کر پریتم لال کی آتما کو بھی دکھ دیا ہے۔ تو نے سادھو جگدیو کو ابھی تک نہیں پہچانا۔ تو نے انکا کو دیوی دیوتاؤں سے زیادہ مہان سمجھ کر بھول کی ہے۔ تجھے اس بھول کی سزا اوش بھگتنا پڑے گی۔“

”میں اب ہر بربادی برداشت کر سکتا ہوں جگدیو، میں ایک پٹھان بھی تو ہوں۔ چاہے حالات اور قسمت نے مجھے کتنا ہی بگاڑ دیا ہو لیکن میں ایک آدمی بھی تو ہوں۔“ میں نے جگدیو کو گھورتے ہوئے کہا۔ ”تو مجھے بد دعائیں دے رہا ہے۔ دے لے مجھے اس کی پروا نہیں ہے بدبخت، یہ کیوں نہیں سوچتا کہ میرے پاس اب باقی کیا بچا ہے؟ اور جو کچھ ہے۔ میں اسے بھی ختم کرنے کے درپے ہوں۔ میں تیری شکتی سے اب کیا خوفزدہ ہوں گا؟ اب تو میری زندگی کا ایک ہی مقصد ہے کہ جس طرح تو نے مجھے برباد کیا ہے اور جس طرح تو میرے راستے کا پتھر بنا ہے اسی طرح میں تجھے موت کے گھاٹ اتار کر تیری لاش پر قہقہے لگاؤں۔ میری گردن اب تیرے سامنے نہیں جھکے گی۔ تو اگر مہان شکتی کا مالک ہے تو اپنے بیروں کو حکم دے دے وہ مجھے جلا کر بھسم کر دیں لیکن اگر میں زندہ رہا تو تیرا کریا کرم اپنے ہاتھ سے کروں گا۔“

میں جو منہ میں آیا، بکتا رہا۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے اور کیا کچھ کہا۔ بہرحال جتنا غبار میں نکال سکتا تھا، نکال لیا۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ جب میری آتش نوائی سادھو جگدیو کی برداشت سے تجاوز کر گئی تو اس کی خوفناک آنکھوں میں بجلیاں سی کوندنے لگیں۔ نہ جانے کیوں، وہ اب تک صبر و تحمل سے میرا ہذیان سنتا رہا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ کسی ذہنی خلفشار میں مبتلا ہے۔ آخر اس نے قہر اگلتے ہوئے کہا۔ ”پاپی! کیا تیری انکا نے تجھے میرے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟ تو کس سے بات کر رہا ہے، یہ تو نہیں جانتا۔“

”انکا نے مجھے تیرے بارے میں جو بتایا تھا وہ مجھے یاد ہے لیکن اب میں تجھے اس سے زیادہ سمجھ چکا ہوں۔ تم سادھو پنڈت لوگ اپنے لوگوں سے کیسے جھگڑا کر سکتے ہو؟ تو نے بدری نرائن کا ساتھ دیا اور اپنے متر پریتم لال کی آتما کا بھی خیال نہ کیا“ میں نے تلملا کر کہا۔ ”تو نے بگلا بھگت بن کر مجھے فریب دیا ہے۔ اگر تو کھسکتے جاتے وقت میرے درمیان نہ آجاتا تو [illegible] ہوتے۔ نہ میں جیل میں صعوبتیں

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

جھیلتا، نہ انکا بدری نرائن کے قبضے میں جاتی یا تو میں بدری نرائن کو مار دیتا یا خود مر جاتا مگر مجھے یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔ تو نے میرے ساتھ دغا کی ہے۔''

''بکواس مت کر مورکھ، اپنی اوقات پہچان۔'' جگد یو گرج کر بولا۔ اس بار اس کی آواز میں کچھ ایسی گھن گرج تھی کہ تمام ہرزہ سرائی اور یاوہ گوئی کے باوجود میں سرتاپا مرتعش ہو گیا۔ میرا دل کسی اداس شام کی طرح اندھیرے میں ڈوبنے لگا۔ جگد یو کا قہر آلود لہجہ شعلے اگل رہا تھا۔ ''تو نے خود کو کھو دیا، اپرادھی! تو نہیں جانتا کہ میں اس سے تیرے پاس کیوں آیا تھا۔ تو کبھی نہیں جان سکتا۔ تو آدمی نہیں، جانور ہے۔ تیری آنکھیں اندھی، تیرے کان بہرے اور تیرا دماغ بے گودے کا ہے۔ میں جا رہا ہوں مورکھ، تجھے ابھی اور سزا ملنی چاہئے۔ سمے تجھے خود بتا دے گا کہ تو نے سادھو جگد یو کا اپمان کر کے کتنا برا کیا تھا۔ تو نے مجھ پر شبہ کیا ہے۔ مالا رانی کا دھیان مجھے روک رہا ہے۔ نہیں تو میرا ایک اشارہ تجھے نشٹ کر سکتا ہے۔ جا میری نظروں سے دور ہو جا۔''

جگد یو اپنا جملہ مکمل کر کے خود کسی چھلاوے کی طرح میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی میرا جکڑا ہوا جسم آزاد ہو گیا۔ کسی نے مجھے شکنجے سے آزاد کر دیا۔ میں اپنی جگہ گم صم کھڑا خلاؤں میں گھو رہا تھا۔ دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ جگد یو کے غضب ناک جملے میرے کانوں میں صدائے بازگشت بن کر گونج رہے تھے۔ انکا نے مجھے کئی بار بتایا تھا کہ جگد یو بے پناہ پُراسرار طاقتوں کا مالک ہے۔ میں خود اس کے کچھ کرشمے اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ جب مجھے ایک جگہ کھڑے کھڑے خاصی دیر ہو گئی اور میرے حواس واپس آئے اور میں کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہوا تو میں نے قدم آگے بڑھائے۔ میری کوئی منزل نہیں تھی۔ ذہن الجھ رہا تھا۔ آخر جگد یو نے مجھے گستاخی کی سزا کیوں نہیں دی؟ اس نے مجھے مار کیوں نہیں دیا؟ وہ اگر چاہتا تو مجھے اپنے پیروں کی مدد سے کسی چیونٹی کی طرح مسل سکتا تھا پھر بھی اس نے مجھے چھوڑ دیا؟ اور اس نے یہ تماشا کیوں کھیلا کہ ایک طرف مجھے کلکتے جانے سے روک کر پولیس کے مظالم کا نشانہ بنایا، دوسری طرف انکا کو بڑی آسانی سے میرے تصرف سے نکل جانے دیا اور مالا رانی کی طرف سے میرا دل میلا کر دیا۔ پریتم لال کی مہان شکتی کا بھی اس نے خیال نہیں کیا؟ پھر وہ جیل کے باہر میری بے بسی کا مذاق اڑانے چلا آیا۔ آخر ان باتوں کا کیا مقصد ہے؟ جگد یو نے یہ سب کچھ کیوں کیا؟ شاید اس لیے کہ اس نے مجھے دل سے مالا رانی کا شوہر تسلیم نہیں کیا ہے۔ بھلا ایک ہندو لڑکی میرے گھر میں کیوں ہے، شاید وہ درپردہ میری بربادی کے درپے ہے ورنہ وہ میری مدد ضرور کرتا۔

مگر ان باتوں پر غور کرنے سے کیا حاصل ہے؟ سادھو جگد یو کے جانے کے بعد بھی میرے ذہن کی سرکشی میں کمی نہیں آئی۔ میں اپنے دل میں اسے جتنا برا بھلا کہہ سکتا تھا، کہتا رہا اور اپنی قسمت پر آنسو بہاتا کسی نامعلوم منزل کی طرف

رہا۔ قدم بار بار چچا جان کے گھر کی طرف اٹھ جاتے تھے لیکن اب مجھ میں وہاں جانے کی ہمت نہیں تھی۔ مالا کی یاد آئی تو سینے پر ایک گھونسا سا لگا۔ میری حالت ایسی ابتر تھی کہ بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ سر اور داڑھی کے بال اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ میں خود اپنے لیے اجنبی بن گیا تھا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ کسی نے مجھے پہچانا نہیں ورنہ وہاں میرا جینا دوبھر ہو جاتا۔ جیب میں ایک پیسہ نہیں تھا۔ دن بھر گلیوں اور سڑکوں پر مارا مارا پھرتا۔ کوئی ترس کھا کر چند پیسے دے دیتا تو میری آنکھوں سے زار و قطار آنسو بہنے لگتے۔ بعض رحم دل لوگ کچھ زیادہ ہی غم زدہ جان کر میرے پاس کچھ اور پیسے پھینک جاتے۔ کیا ستم ظریفی تھی۔ انہی شاہراہوں پر جو شخص کل تک شان و شوکت اور جاہ و جلال سے گامزن ہوتا تھا، آج وہ مفلس تھا۔ اب یہی گلیاں اس کے لئے تنگ ہو گئی تھیں۔ رات آتی تو کسی فٹ پاتھ پر یا کسی دکان کے تختے پر پڑ رہتا۔ دل ہی بجھ گیا تو آرام و تکلیف کا کیا احساس ہوتا؟ صرف سانس باقی تھی۔ ہر چیز بے رونق، ہر شے بے جان نظر آتی تھی۔ انسان چلتے پھرتے لاشے تھے۔ کوئی میرا پُرسان حال نہ تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ پولیس والوں کی دوستی اچھی نہیں ہوتی۔ اس سے کبھی نہ کبھی ضرور نقصان پہنچتا ہے۔ میں کہتا ہوں، یہ ماورائی طاقتوں کے چکر، یہ نادیدہ قوتوں کے حصول کی طمع، ان معاملات میں پڑ کر آدمی کہیں کا نہیں رہتا۔ راحتیں جتنی تیزی سے آتی ہیں، اسی تیزی سے رخصت ہو جاتی ہیں اور جب رخصت ہو جاتی ہیں تو بڑا کرب ہوتا ہے۔ سادہ زندگی بڑی نعمت ہے۔ یہ لہو و لعب، خود غرضی، ہوس، اس دلدل میں جب کوئی پھنستا ہے تو پھر اس کا نکلنا محال ہو جاتا ہے۔ میری حالت پر غور کیجئے۔ میں زندگی سے فرار چاہتا تھا مگر میرے لیے فرار کے تمام راستے بند ہو چکے تھے۔

تیسرے روز میں نے فیصلہ کیا کہ لکھنؤ چھوڑ کر کسی اور طرف منہ کالا کروں۔ لکھنؤ میں رہ کر چچا جان، بہنوں اور مالا رانی کی یادیں پریشان کرتی تھیں۔ اتنے قریب رہ کر میں ان سے کتنا دور تھا۔ تیسرے روز میں نے رات اسٹیشن پر گزاری۔ میرا خیال تھا کہ صبح پہلی گاڑی سے روانہ ہو جاؤں گا اور جہاں قسمت لے جائے گی، چلا جاؤں گا۔ اس روز میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ نقاہت کی وجہ سے میرا برا حال تھا۔ بار بار چکر آ رہے تھے۔ پیٹ ہاتھ پھیلانے پر مجبور کرتا تھا۔ ضمیر اس سے روکتا تھا۔ میں اپنی تقدیر پر شاکر ہو کر ایک سائبان کے نیچے اندھیرے میں پڑ رہا۔ کچھ دیر تک بھوک کی شدت نے پریشان کیا پھر میری آنکھ لگ گئی۔

میں سوتا رہا کیونکہ میری قسمت سو رہی تھی۔ اٹھا اس وقت، جب میرے پاؤں پر کسی نے زور سے ٹھوکر ماری۔ میں نے آنکھ کھول کر دیکھا، کوئی شخص میرے قریب کھڑا تھا۔ اندھیرے اور غنودگی کے باعث میں اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا لیکن اس کے جسم پر محض ایک دھوتی دیکھ کر خیال گزرا کہ شاید وہ بھی میری

ممکن ہے میں نے اس کی جگہ پر قبضہ

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

جمالیا ہو۔ اس خیال سے میں آہستہ سے اٹھا اور سائبان کے باہر چلا گیا لیکن ابھی میں کچھ ہی دور گیا تھا کہ تعاقب کرتے ہوئے قدموں کی آہٹ نے پھر مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا۔ پلٹ کر دیکھا تو وہی شخص میرے پیچھے چلا آرہا تھا۔ میں رک گیا۔ مجھے حیرت تھی کہ آخر وہ میرا پیچھا کیوں کر رہا ہے؟ نووارد میرے قریب آکر دو قدم کے فاصلے پر رکا تو مجھے غصہ آ گیا۔ میں نے بیزاری اور درشتی سے اسے مخاطب کیا۔

''کون ہو تم؟ اور کیوں میرے پیچھے لگے ہو؟''

''تمہیں پہچاننے میں ذرا دیر لگے گی۔ میں تمہارا پرانا واقف کار ہوں، جمیل احمد خان! بہت پرانا۔'' نووارد نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

اس کی آواز کچھ مانوس ضرور تھی لیکن اس وقت میں چونکہ کچی نیند سے بیدار ہوا تھا اس لیے اسے پہچاننے سے قاصر تھا۔ یوں بھی میں اس حالت میں اپنی شناخت کرانے پر تیار نہیں تھا۔ میں نے اسے ٹالنے کے لئے کہا۔ ''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے بھائی۔ میرا نام جمیل احمد خان نہیں ہے۔''

''اچھا، تو پھر کیا نام ہے تمہارا؟'' نووارد نے ڈھٹائی سے پوچھا۔ مجھے بے چینی محسوس ہوئی۔ میں نے بگڑ کر کہا۔

''اپنی راہ لو، میاں! کیوں مجھے غریب کو تنگ کرتے ہو؟''

''خان صاحب! اپنے پرانے متروں کو بھی نہیں پہچانتے؟ بہت دنوں کے بعد آج تمہارے درشن ہوئے ہیں مگر تم کچھ بیاکل نظر آتے ہو، کہو تو کچھ سہائتا کروں۔ میں تمہارا متر ہوں خان صاحب!''

نووارد کے لہجے میں طنز کی آمیزش تھی۔ وہ میری باتیں یکسر نظر انداز کر گیا تھا۔

''میں کہتا ہوں، میں تمہیں نہیں جانتا۔'' میں نے جھلا کر کہا۔ ''میرا کوئی دوست نہیں۔ مجھے کسی کی مدد نہیں چاہیے۔ جاؤ دفع ہو جاؤ اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔''

''کیا کہتے ہو خان صاحب! تمہارے حال پر چھوڑ دوں؟ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ بہت دنوں کے بعد تو یہ دن آیا ہے مہاراج!'' اس بار اجنبی نے تلخی سے کہا۔ ''تم نے بھی تو مجھے میرے حال پر نہیں چھوڑا تھا۔ تم نے کون سی کسر چھوڑ دی تھی۔''

''تم...... تم؟'' الفاظ میرے حلق میں پھنسنے لگے۔ مجھے وہ آواز بدری نرائن کی لگی۔ بدری نرائن جو میرا سب سے بڑا دشمن تھا۔ جس نے مجھے اس حال کو پہنچا دیا تھا۔ وہ اب ایک عرصے کی تگ و دو کے بعد فتح مند ہو کر میرے سامنے کھڑا تھا اور مجھے تضحیک آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے حیرت سے سر اٹھایا پھر خوفزدہ لہجے میں اپنے شبے کی تصدیق کے لئے پوچھا۔ ''کیا پنڈت بدری نرائن ہو؟''

''بڑی کرپا ہے تمہاری جمیل احمد خان! جو تم نے مجھ ابھاگی کو پہچان لیا۔'' بدری نرائن نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''میرا تو خیال تھا کہ مجھے خود کو پہچنوانے کے لئے کچھ بیتی کہانیاں دہرانی پڑیں گی۔''

بدری نرائن کا جواب سن کر مجھ پر ایک لمحے کے لئے دہشت کا دورہ پڑا۔ وہ اپنے تمام حسابات چکانے کے لئے آخر میرے پاس آ گیا تھا۔ میرا دشمن میرے سامنے کھڑا تھا لیکن میں اس پر حملہ کرنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ انکا اس کے قبضے میں تھی۔ میں ایک بے دست و پا مجرم کی طرح اس کے قدموں میں پڑا تھا۔ اب مجھے اپنی موت کا یقین ہو چلا تھا۔ اس یقین سے مجھے کچھ سکون سا محسوس ہوا۔ اب صرف یہ اندیشہ لاحق تھا کہ وہ کم بخت مجھے ایک اشارے میں ہلاک کرتا ہے یا اذیتیں دے دے کر مارنا چاہتا ہے؟ بدری نرائن سے کسی رعایت کی توقع فضول تھی۔ میں آنے والے لمحوں کے بارے میں تیزی سے سوچ رہا تھا کہ اچانک بدری نرائن نے کہا۔ ''کس وچار میں گم ہو جمیل احمد خان؟ کچھ بولو، کچھ چہکو، خاموش کیوں ہو گئے؟''

''میرے پاس اب کہنے سننے کے لئے کچھ باقی نہیں رہا بدری نرائن!'' میں نے شکست خوردگی سے کہا۔ ''قسمت کا پانسا اب تمہارے حق میں پلٹا ہے۔ آج اپنے دل کے ارمان نکال لو۔ میں تمہارے سامنے موجود ہوں۔ مجھے معلوم ہے تم میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے۔ دیر نہ کرو، چلو اپنی حسرتیں پوری کر لو۔''

''چچ۔ چچ...... '' بدری نرائن نے مضحکہ خیز انداز میں کہا۔ ''بہت نراش ہو گئے خان صاحب؟ ٹوٹ سے گئے ہو۔ وہ تمہاری تیزی، وہ سینہ تان کر چلنے والی ادا کہاں گئی؟ تم تو بہت بڑھ چڑھ کر باتیں کیا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے، ایک بار تم نے کالی کے پوتر مندر کے تہ خانے میں گھس کر مجھے بھسم کرنے کی کوشش کی تھی۔ تمہیں بھی یاد ہو گا۔ کیوں؟''

بدری نرائن کے تیر و نشتر برداشت کرنے اور خون کے گھونٹ پی کر چپ ہو جانے کے سوا میرے پاس کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں نے گردن جھکا کر اسے زبان کے ذریعے دل کی بھڑاس نکالنے کا خوب موقع دیا۔ وہ مجھے مطعون و ذلیل کرتا رہا۔ میں خود کو ایک ایسا بوڑھا شخص لگ رہا تھا، جس کی ساری توانائی زائل ہو چکی ہو۔

''تم نے بڑی مہان شکتی حاصل کی تھی جمیل احمد خان۔ مالا رانی جیسی سندر ناری تمہارے پاس تھی اور ہاں...... وہ انکا بھی تو تھی، یاد ہے تمہیں؟ تم نے مجھے وچن دیا تھا کہ اگر میں بنتی کروں گا تو تم انکا کی شکتی میرے حوالے کر دو گے، پرنتو تمہیں اپنے وچن کا پاس نہیں رہا تھا۔ تم مکر گئے تھے۔'' بدری نرائن نے گزری ہوئی باتیں ایک ایک کر کے دہرانی شروع کر دیں۔ ''تمہاری انکا دیوی آج کل کہاں ہے؟ جس پر تمہیں بڑا ناز تھا۔''

''انکا کے بارے میں پوچھ کر کیوں میرا مذاق اڑاتے ہو بدری نرائن؟'' میں نے بجھی ہوئی آواز میں کہا۔

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

”نراش مت ہو بالک، انکا کا کیا ہے، وہ آج یہاں، کل وہاں، کہو تو میں ابھی اسے کچھ دیر کے لئے تمہارے سر پر بھیج دوں۔“ بدری نرائن زہر خند سے بولا۔ ”مجھے تمہاری حالت دیکھ کر دکھ ہو رہا ہے۔“

بدری نرائن شاید طے کر کے آیا تھا کہ وہ مدتوں کا سارا کینہ آج ہی نکال کر رہے گا۔ کافی دیر تک تو میں اس کی زہریلی باتیں برداشت کرتا رہا۔ میں نے سوچا کہ جمیل احمد خان! یہ کمینہ اپنے ارادوں سے باز نہیں آئے گا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ خوف کے بجائے ہمت اور حوصلے سے کام لینا چاہیے۔ چنانچہ تمام احتیاط بالائے طاق رکھ کر میں نے بدری نرائن کو قہر آلود نظروں سے گھورا اور گرج کر کہا۔ ”بدری نرائن! تم انکا کی شکتی پراپت کر کے اور مہان شکتی کے مالک بن چکے ہو لیکن تمہارے اندر شکتی پوروک لوگوں کا انداز نہیں آیا۔ جن کم ظرفوں کو تھوڑی بہت چیز مل جاتی ہے، وہ اپنے آپے میں نہیں رہتے۔ یہ لونڈھیار پنے کی باتیں بند کرو۔ تم بھول رہے ہو کہ اس سے تم جمیل احمد خان سے بات کر رہے ہو جس کی زندگی میں بڑے نشیب و فراز آئے ہیں۔ میں ان باتوں کا عادی ہو چکا ہوں۔ سب کچھ چلا گیا تو کیا ہوا؟ غیرت تو ابھی باقی ہے۔ اس زنانہ پن سے باز آؤ۔ جو کرنا ہے کرو۔ بیکا وقت ضائع نہ کرو۔“

”ارے مہاراج! ناراض ہو گئے؟ شما کر دو۔ میں بھول گیا تھا کہ تم ایک بیوقوف آدمی بھی ہو۔“ بدری نرائن نے ہنس کر کہا۔

”او کمینے پنڈت، اپنی زبان کو لگام دے۔ نہیں تو میں تیری چٹیا پکڑ کر تیرا سر زمین سے رگڑ دوں گا۔“ میں نے غضب ناک لہجے میں کہا۔ جس کی زندگی کا چراغ ٹمٹما رہا ہو، وہ ایسی ہی باتیں کرتا ہے۔ میں نے سوچا، اس آخری وقت میں ذلت کی موت کیوں مرا جائے۔

بدری نرائن میرا جواب سن کر ہکا بکا رہ گیا۔ اس کی آنکھیں ایک لمحے کو پٹ پٹائیں، پھر ان میں غصے کی سرخی چھا گئی۔ اس نے حقارت سے مجھے دیکھا اور سرد آواز میں بولا۔ ”جمیل احمد خان! میں تمہیں اتنی آسانی سے نہیں ماروں گا۔ میں تمہیں تڑپا تڑپا کر کتوں سے بدتر موت ماروں گا۔ ابھی تمہارا ایک ہاتھ ٹوٹا ہے۔ میں دوسرا بھی توڑ ڈالوں گا پھر تم لنگڑے ہو گے اس کے بعد تمہاری آنکھوں کی روشنی بھی اندھیاروں میں بدل دوں گا۔ تم دربدر کی خاک چھانتے پھرو گے۔ گندی نالیوں میں لوٹ لگاتے نظر آؤ گے۔ دیوی دیوتاؤں کی یہی اچھا (مرضی) ہے۔“

”میں تیرے دیوی دیوتاؤں سے نہیں ڈرتا۔“ میں اس کی طرف کسی پاگل کتے کی طرح لپکا اور جتنی گالیاں اسے دے سکتا تھا، میں نے دے ڈالیں۔ میں نے جنون کی حالت میں اس کے گلے میں ... لی ایک مالا ... لر دانے دانے کر دی لیکن میرے ہاتھ اچانک رک گئے۔ اس سے پہلے کہ میں ... ان ... م ... بیٹھتا، میرے سر پر شدید چبھن ہوئی۔ وہی مانوس چبھن۔ میرے قدم منجمد ... ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے میرے خون کی گردش روک دی ہو۔ میں نے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیئے اور میرا ذہن بتدریج پُرسکون ہونے لگا۔ میں نے عالم تصور میں اپنے سر پر نظر ڈالی، وہاں انکا موجود تھی۔ انکا کے انداز میں اجنبیت تھی۔ جیسے وہ مجھے بالکل نہ جانتی ہو۔ وہ انکا جو کبھی میرے اشارے پر اپنا خون بہا دیتی تھی۔ اس وقت مجھے بڑی خطرناک اور کینہ توز نظروں سے گھور رہی تھی۔ اس کی نگاہوں میں نفرت اور انتقام کے جذبے نمایاں تھے۔ اس کا چہرہ خون کی تمازت سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے میرے سر میں اپنے نکیلے پنجے پوری شدت سے گڑو رکھے تھے۔ میں نے جو انکا کو اس عالم میں دیکھا تو سابقہ تعلق کی رعایت چاہی۔ میں نے دل ہی دل میں حسرت سے کہا۔ ”انکا۔ تم؟“ انکا نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

”انکا! مجھے اس کمینے سے بچاؤ۔“ میں نے اس سے التجا کی۔

وہ قہر بھرے لہجے میں بولی۔ ”تو نے میرے آقا بدری نرائن کا اپمان کیا ہے۔ میں تیرا خون پی جاؤں گی، اگر مکتی چاہتا ہے تو ہاتھ باندھ کر شما کی بھکشا مانگ۔“

”انکا! یہ تم کہہ رہی ہو؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”آگے بڑھ اور میرے آقا کو ڈنڈوت کر۔“

انکا کا لہجہ اس قدر خوفناک تھا کہ میں اسے دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ مجھے احساس ہوا کہ اب انکا سے کوئی امید رکھنا حماقت ہے۔ ایک بار پہلے بھی میں اس منزل سے گزر چکا تھا۔ اس بار بھی انکا میرے لیے بالکل اجنبی ہو گئی تھی پھر بھی اس وقت مجھے انکا کا رویہ بہت جارحانہ لگا۔ میں پھٹی پھٹی نظروں سے یکسر بدلی ہوئی انکا کو دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً انکا نے پہلے سے بھی زیادہ شدت سے اپنے جملے دہرائے اور میں نے غیر ارادی طور پر بدری نرائن کے سامنے ہاتھ پھیلا دیا۔ بدری نرائن کے مکروہ چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ ابھری۔ وہ حقارت سے بولا۔ ”ابھی تو کھیل شروع ہوا ہے۔ جمیل احمد خان! پر تو تمہاری بدھی (عقل) میں جلدی بات آ گئی۔ تم نے اپنے آپ کو پہچان لیا کہ تم کتنے حقیر ہو۔“

اس کے بعد بدری نرائن کے چہرے کے تاثرات زیادہ تیکھے اور خوفناک ہو گئے۔ اس نے میرے سر کی جانب دیکھ کر ہونٹ ہلائے۔ اس کی آواز مطلق بلند نہیں ہوئی لیکن میں سمجھ گیا کہ وہ میرے بارے میں انکا کو کچھ ہدایت دے رہا ہے۔ میرا اندازہ ٹھیک نکلا۔ ادھر بدری کے ہونٹ ہلنے بند ہوئے ادھر انکا کے نکیلے پنجوں کی چبھن پہلے سے کہیں شدید ہو گئی پھر انکا کا تلخ لہجہ میرے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کے مانند اترتا چلا گیا۔ ”جمیل احمد خان! میرے مہان شکتی کے مالک، آقا بدری نرائن کی اچھا ہے کہ تم اس سے پرانے قبرستان کی طرف چلو۔“

میں نے انکا کی طرف حسرت بھری نظروں سے دیکھا۔ اس کے تلخ لہجے اور دل آزار رویے کی شکایت کرنا چاہی لیکن قوت گویائی نے ساتھ نہیں دیا۔ میرے قدم خود بخود پرانے قبرستان کی جانب اٹھنے

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

لگے۔ میرے ارادے کو اس میں کوئی دخل نہیں تھا۔ انکا کی پُراسرار قوت مجھے قدم اٹھانے پر مجبور کر رہی تھی۔ میری رفتار آہستہ آہستہ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ بدری نرائن کسی فاتح کی طرح میرے ساتھ سینہ تانے چل رہا تھا۔ ڈیڑھ گھنٹے بعد میں پرانے قبرستان کے ویران اور سنسان علاقے میں تھا۔ انکا کے پنجوں کی چبھن کم ہوئی تو میں رک گیا۔

اس اندھیری رات میں قبرستان کا منظر ایک عام آدمی کے دل کی حرکت بند کر دینے کے لئے کافی تھا۔ تاحد نظر قبریں اور گہرا سناٹا۔ درختوں کے کسی جھنڈ میں رات کو بولنے والے جانور۔

''جمیل احمد خان! کیا تم جانتے ہو کہ میں یہاں تمہیں کیوں لایا ہوں؟'' بدری نرائن نے نفرت سے دریافت کیا۔

''مجھے کچھ نہیں معلوم، تم نہ جانے کیا چاہتے ہو۔ تم مہربانی کر کے میرا کام جلد از جلد تمام کر دو۔'' میں نے غیر اختیاری طور پر جواب دیا۔

''کیا تم جانتے ہو کہ یہاں ایک پرانا کنواں ہے جو جیودھاری کے نام سے مشہور ہے؟''

''ہاں۔'' میرے منہ سے نکلا۔

''تم میرے حکم پر ایک اچھے سیوک کی طرح اس کنوئیں میں چھلانگ لگاؤ گے۔'' بدری نرائن کے لہجے میں حقارت اور نفرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ''میں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔ تمہارے پلید شریر کا بوجھ اس پوتر دھرتی پر زیادہ دیر کچھ اچھا نہیں رہے گا۔ اس کنوئیں سے تم باہر نہیں آسکو گے اور جلد مر بھی نہیں سکو گے۔ اس کنوئیں کی بلائیں تمہیں سراپ دے کر، ایسا سراپ دے کر جس سے تمہاری آتما بھی بیاکل رہے۔ تمہیں مار دیں گی۔''

بدری نرائن نے جو کچھ کہا، مجھ پر اس کا زیادہ اثر نہیں ہوا۔ غالباً انکا کی پُراسرار قوت نے میرے سوچنے سمجھنے کی قوت سلب کر دی تھی۔ میری کسی حرکت یا جنبش میں میرے ارادے کو کوئی دخل نہیں تھا۔ میں گم صم سا کھڑا بدری نرائن کو دیکھ رہا تھا کہ میرے اوپر ایک بار پھر انکا خون اگلتی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ ہماری نظریں چار ہوئیں تو انکا نے سرد آواز میں کہا۔

''بائیں جانب گھوم کر آگے بڑھو۔ جیودھاری کنواں تمہاری زندگی کا قصہ تمام کرنے کا منتظر ہے۔''

میں نے کسی فرماں بردار بچے کی طرح اپنا رخ بائیں جانب کیا اور آگے قدم بڑھا دیے، ابھی مشکل سے دو قدم ہی گیا تھا کہ اس کنوئیں کے نزدیک پہنچ گیا جس کے بارے میں بدری نرائن نے حکم دیا تھا۔ لکھنؤ میں قیام کے دوران بھی میں نے چچا جان سے اس کنوئیں کے بارے میں سن رکھا تھا۔ اگر میں عام حالات میں یہاں آتا تو اس کنوئیں کے اسرار جاننے کی کوشش ضرور کرتا لیکن اس وقت تو میں خود اسرار میں گرفتار ہو چکا تھا۔ میں نے ایک بار پھر اس فتنہ ساماں انکا کے ننھے مگر بھیانک وجود کو فریادی نظروں

Downloaded from Paksociety.com

سے دیکھا مگر اس نے میری کسی التجا، کسی آہ کا کوئی اثر قبول نہیں کیا۔ کرختگی سے بولی۔ ''جمیل احمد خان! آگے بڑھو اور اس کنوئیں میں چھلانگ لگا دو۔''

میں انکا کے حکم پر خاموشی سے آگے بڑھا اور کنوئیں کے قریب پہنچ کر اس کی منڈیر پر چڑھ گیا۔ کنوئیں میں اتنی تاریکی تھی کہ اندر کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ یوں بھی باہر ہر طرف گہرا اندھیرا تھا۔ میں نے کنوئیں کے گھپ اندھیروں میں اپنی موت کی پرچھائیاں دیکھیں اور انکا کے حکم پر اپنا جسم آگے کی جانب جھکانا چاہا بس ایک لمحے کی دیر تھی کہ اچانک کسی نادیدہ طاقت نے میرے شانے پکڑ لیے۔ منڈیر پر اس طرح میرا جسم متحرک ہونے سے میرا توازن بگڑ گیا لیکن میں جلد سنبھل گیا۔ ایک مدھم مترنم نسوانی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ ''جمیل کیا کرتے ہو؟ آگے موت ہے، رک جاؤ۔''

اس آواز میں معلوم نہیں کیا جادو تھا کہ میں دفعتاً ہوش میں آگیا۔ وہ کس کی آواز تھی؟ مجھے کچھ معلوم نہ ہو سکا لیکن میرے اعصاب پر انکا اور بدری نرائن کا جو سحر طاری تھا وہ ضرور ٹوٹ گیا۔ میں نے بوکھلا کر چھلانگ لگائی اور کنوئیں کی منڈیر سے نیچے آگیا۔ اسی وقت انکا نے سفاکانہ انداز میں مجھے دوبارہ حکم دیا۔

''جمیل! میرے آقا کے حکم کی تعمیل کرنا تمہارے لیے لازمی ہے اگر تم نے انکار کیا تو میں تمہارے جسم کا سارا خون پی جاؤں گی۔ تمہارا جسم دیکھتے ہی دیکھتے ہڈیوں کے پنجر میں بدل جائے گا۔''

میں انکا کی آواز بخوبی سن رہا تھا لیکن اس پر عمل کرنا نہ کرنا اب میرے امکان میں تھا۔ اس بار مجھے انکا کی آواز سے خوف نہیں آیا۔ مجھے یقین ہو چلا تھا کہ نزع کے اس عالم میں کوئی غیر معمولی قوت میری مدد کر رہی ہے۔ بدری نرائن مجھے کنوئیں کی منڈیر سے اترتا دیکھ کر بری طرح جھلا گیا تھا۔ اس نے بیزاری سے میرے سر کی جانب دیکھا پھر طنزاً بولا۔ ''انکا! کیا ابھی تک تیرے من میں پرانے آقا کا پریم باقی ہے؟''

''نہیں مہاراج'' انکا نے سہمی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''پھر؟ یہ ملیچھ جگت سے نیچے کیوں آگیا۔'' بدری نرائن غرا کر بولا۔ ''کیا اس کے لئے مجھے کچھ اور اپائے کرنا ہوگا؟''

انکا کوئی جواب دینے کے بجائے مجھے حقارت سے گھورتی ہوئی میرے سر سے رینگ گئی۔ میں نے اس کے چہرے کے متغیر تاثرات سے یہ اندازہ لگا لیا کہ وہ کسی وجہ سے بے بس ہوگئی ہے، اب میں بدری نرائن کے کسی دوسرے عمل کا منتظر تھا۔ انکا کے میرے سر سے اترنے کے بعد وہ بری طرح بوکھلایا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس کے ہونٹ بار بار ہلنے لگے۔ وہ انکا سے مخاطب تھا لیکن میں اس کی آواز سننے سے قاصر تھا۔ کچھ دیر تک وہ غصے میں کھڑا پیچ و تاب کھاتا رہا پھر اس نے اپنی شیطانی نظریں میرے چہرے پر جما دیں [illegible] رحرکت اور دیوانے پن کا جائزہ

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

لیتا رہا۔ غالباً وہ میرے لیے کوئی جاپ کر رہا تھا۔ کچھ دیر تک اس کی وحشت اور سر ہلانے کا یہی عالم رہا پھر اس نے ہاتھ اٹھا کر زور سے تالی بجائی۔ تاریک فضا میں او نگے بو نگے انسان نما جانور شور مچاتے ہوئے میرے سامنے اچھل کود کرنے لگے۔ ان کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ میں نے اس سے پہلے کبھی ایسی مخلوق نہیں دیکھی تھی۔ لیکن ابھی وہ نمودار ہی ہوئے تھے کہ اچانک غائب ہو گئے۔ میں بری طرح سہما کھڑا تھا۔ بدری نرائن نے اپنا پہلا وار خالی جاتے محسوس کیا تو جھنجلا کر رہ گیا۔ اس بار میری نظروں نے جو منظر دیکھا وہ انتہائی بھیانک تھا۔ جس جگہ میں کھڑا تھا وہاں چاروں طرف روشن آگ کی لپٹیں میرا جسم چھونے لگیں۔ شدید گرمی اور دھوئیں نے میری سانس روکنی شروع کر دی۔ دہشت کے مارے میں پسینے پسینے ہو گیا۔ زندگی کی جو امید ابھی قائم ہوئی تھی۔ وہ دم توڑنے لگی۔ میں نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن ہر طرف آگ کے شعلے نظر آ رہے تھے، میرے حلق سے ایک خوفناک چیخ بلند ہوئی۔ میں نے دہشت سے آنکھیں بند کر لیں لیکن پھر جب میری آنکھ کھلی تو وہاں آگ یا شعلے کا نام و نشان نہ تھا۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ جو کچھ پیش آ رہا تھا وہ میری فہم سے بالاتر تھا۔ بدری نرائن کا طیش قابل دید تھا۔ اس کا جسم غصے کی شدت سے لرز رہا تھا۔ اس کے ہونٹ پھر تیزی سے بد بدا رہے تھے۔ وہ مردود پھر کوئی خطرناک حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کوئی اور ستم توڑتا' میرے کانوں میں اس نسوانی آواز نے سرگوشی کی جس نے مجھے انکا کے قہر سے بچایا تھا۔ ''جمیل، اب تمہارے لیے بچاؤ کا ایک ہی راستہ ہے، آگے بڑھو اور اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگا دو۔''

اس آواز میں ایسی کشش تھی، ایسا سحر تھا کہ میرا ذہن دوبارہ غنودگی کا شکار ہو گیا۔ میں کچھ غور کئے بغیر کنوئیں کی سمت قدم بڑھانے لگا۔ ہاں مجھے احساس تھا کہ کنوئیں کے اندر اذیت ناک موت میرے انتظار میں ہے۔ اس کے باوجود میں اس ہمدرد آواز کے ایما پر اپنی موت کو خوش دلی سے گلے لگانے کے لئے بے چین ہونے لگا۔

''جمیل احمد خان! رک جا۔'' بدری نرائن نے مجھے کنوئیں کی سمت جاتا ہوا دیکھ کر اپنا منتر ادھورا چھوڑ دیا۔ ''تو نے جب میری مرضی کا پالن نہیں کیا تو اب تو اپنی مرضی سے نہیں مر سکتا۔ میں تجھے زندہ رکھوں گا اور آہستہ آہستہ تڑپا تڑپا کر ماروں گا۔''

بدری کے رعب دار حکمیہ لہجے کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ میں خاموشی سے کنوئیں کے قریب آ گیا اور اچھل کر منڈیر پر چڑھ گیا اور کچھ سوچے سمجھے بغیر میں نے گہری تاریکی میں اپنا جسم دوسری طرف گرا دیا۔ میرا جسم فضا میں تیرتا ہوا تیزی سے نیچے کی سمت جا رہا تھا۔ نہ جانے موت کا وہ اعصاب شکن تصور تھا یا کسی طاقت کا کرشمہ؟ یا خوف یا کوئی اعصابی دباؤ کہ میں بے ہوش ہو گیا۔ میرے سارے احساسات اور تمام جذبے تاریکیوں میں ضم ہو ... مجھے معلوم نہیں کہ میں نے نیچے کی

سمت کتنی دور تک سفر کیا۔ میں اپنے حواس کھو چکا تھا۔ ہاں اس وقت مجھے ایک آخری کربناک خیال آیا تھا کہ میں مر رہا ہوں۔

☆......☆......☆

مگر میں نہیں مرا۔ میں وہ سخت جان شخص ہوں جو اس پُراسرار کنوئیں، اندھیری رات اور قبرستان کے ہولناک ماحول میں بھی سانس کی ڈوری قائم رکھنے میں کامیاب رہا۔ موت جس شخص کے اتنے قریب سے گزری ہو اور جس کی زندگی میں ایسے جاں گسل لمحے آئے ہوں، وہی اس تحریر کا تاثر محسوس کر سکے گا۔ مجھے خوب یاد تھا کہ میں نے اس اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگائی تھی جس کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ وہ ہر سال نہ جانے کتنی جانیں نگل جاتا ہے، مجھے سکھایا گیا تھا اور یہ میرا عقیدہ تھا کہ مرنے کے بعد جسم خاک میں مل جاتا ہے لیکن روح روز قیامت تک زندہ رہتی ہے۔ چنانچہ جب ایک حسین آواز میرے تار ساعت سے ہم کنار ہوئی تو میں سمجھا کہ کوئی حور مجھ سے مخاطب ہے۔ مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ عجیب کیفیت طاری ہو گئی، آہ، وہ کیا نظارہ تھا کہ ایک گل بدن، سیمیں بدن، ایک گل رعنا، سراپا تمکنت اور سراپا عشق میرے پہلو میں ہے۔ اس کے زانو پر میرا سر رکھا ہے، اس کی سانسوں کی خوشگوار مہک، میری روح کے دروازے میں در آئی اور مجھے محسوس ہوا کہ میں نے حیات کا وہ لطیف، وہ سب سے خوب صورت گوہر پا لیا ہے جس کے لئے حیات سرگرداں رہتی ہے، کیا میں زندہ ہوں؟ اسے دیکھا تو زندگی پر اعتبار آیا۔ جمیل احمد خان بد بخت مرا نہیں تھا، زندہ تھا۔ آہ اس کے مقدر میں ابھی اور تماشے لکھے تھے۔

میں بت کی طرح ساکت ہو کر اس کے گداز پہلو میں لیٹا رہا۔ میری نظریں اس کے حسین و جمیل چہرے پر مرکوز تھیں۔ وہ مجھ پر اپنی دراز زلفیں بکھرائے اپنی شبنمی آنکھیں وا کئے مجھے معصومانہ انداز سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے اپنی زندگی میں بے شمار حسین چہرے دیکھے ہیں۔ میں کہنا چاہتا ہوں کہ وہ ان چند حسین لڑکیوں میں ایک اضافہ تھی جنہیں میری حسن شناس نگاہوں نے سند حسن دی تھی۔ اس کا ایک ایک انداز زندگی کی سرمستیوں سے معمور تھا۔ میں اس کے نظارے میں کھویا رہا اور میرا ذہن گزشتہ واقعات کی کڑیاں ملانے لگا۔ بدری نرائن انکا کے ذریعے مجھے پرانے قبرستان میں لے گیا تھا۔ اس نے مجھ پر جان لیوا حملے کئے تھے لیکن کوئی ان دیکھی قوت مجھے بچاتی رہی، پھر اس کے اشارے پر میں نے خود کو اندھے کنوئیں کی نذر کر دیا تھا اور بیدار بختی کی بنا پر اب میں ایک حسین لڑکی کی آغوش میں موجود تھا۔ میں زندہ تھا اور اپنے دل کی دھڑکنیں سن رہا تھا۔ میری سانس اس کی زلفیں اڑا رہی تھی مگر یہ سب کچھ کیوں اور کیسے ممکن ہوا؟ یہ راز عجیب اور حیرت انگیز تھا۔ میں ابھی انہی پریشان خیالیوں میں الجھا ہوا تھا کہ اس نے اپنے شیریں لبوں کو جنبش دی۔

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

''بھگوان کی بڑی کرپا ہے جو تم بچ گئے ورنہ جیودھاری کنواں اب تک نہ جانے کتنے منشوں کی بھینٹ لے چکا ہے۔''

''تم کون ہو؟'' میں نے لڑکی کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میرے بارے میں نہ پوچھو، اپنا جی ہلکان نہ کرو۔ دیوتاؤں کی مرضی یہی تھی کہ تم ابھی زندہ رہو۔'' اس نے کہا۔ میں نے قرب و جوار کا جائزہ لیا۔ اس وقت میں پرانے قبرستان کے قریب ہی ایک غیر آباد حصے میں پڑا ہوا تھا۔ وہاں ایک شکستہ جھونپڑی موجود تھی، اس کے سوا دور و نزدیک کوئی دوسری عمارت نہیں تھی، میں نے لڑکی کے بارے میں سوچا۔ تعجب ہے میں اس پُراسرار اندھے کنوئیں سے کیوں کر نکل آیا؟ میرے جسم پر ایک معمولی خراش تک نہیں تھی، نہ ہی میرے کپڑے بھیگے ہوئے یا گرد آلود تھے، یہ لڑکی کون ہے جو اس ویرانے میں دھرنا دیے بیٹھی ہے۔ بظاہر وہ بھولی بھالی معصوم سی لڑکی نظر آ رہی تھی۔

''وہ تمہاری جان کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ وہ کون تھا؟'' لڑکی نے معصومیت سے سوال کیا۔

''مجھے معلوم نہیں کہ وہ کون تھا۔ پر وہ میرا دشمن تھا۔'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا پھر پوچھا۔ ''کیا تم اسی جھونپڑی میں رہتی ہو؟''

''ہاں۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''اور کون رہتا ہے تمہارے ساتھ؟''

''میرے ساتھ؟'' لڑکی نے چونک کر دیکھا، پھر مسکرا کر بولی۔ ''میں اکیلی رہتی ہو بابو!''

''کیا تم نے تنہا مجھے کنوئیں سے نکالا تھا؟''

''نہیں بابو! بھلا میں اکیلی تمہیں کیسے نکال سکتی تھی؟'' اس نے میرا تجسس محسوس کر کے سادگی سے جواب دیا۔ ''تمہاری قسمت اچھی تھی کہ ایک یاتری ادھر آ نکلا۔ میں نے اس سے بنتی کی تھی، وہی تمہیں کنوئیں سے نکال کر میری جھونپڑی تک پہنچا گیا تھا۔''

''یعنی تم تنہا اس جھونپڑی میں رہتی ہو؟'' میں نے اپنا سوال دہرایا۔ یہ لڑکی مجھے بہت پُراسرار نظر آ رہی تھی۔ ایک جوان اور حسین لڑکی کا کسی ویرانے میں تن تنہا رہنا بڑی تعجب خیز بات تھی۔

''ہاں بابو۔'' لڑکی نے اپنی خوب صورت آنکھیں چمکاتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں اچنبھا کیوں ہو رہا ہے؟''

''یوں ہی۔'' میں نے کہا اور خلا میں گھورنے لگا، بیتی ہوئی رات کے بھیانک لمحات اب پریشان کرنے لگے تھے۔

میری خاموشی پر لڑکی بھی خاموش رہی، پھر اس نے سکوت توڑا۔

''بابو۔ تمہارا نام کیا ہے؟''

''میرا نام۔ میرا نام جمیل احمد خان ہے۔''

''سندر نام۔'' لڑکی نے شوخی سے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ جھونپڑی کے اندر گئی اور جب واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں کچھ تازہ پھل تھے۔ میں کئی دنوں کا بھوکا تھا اس لیے ندیدوں کی طرح پھلوں پر ٹوٹ پڑا۔ لڑکی میرے قریب بیٹھی دلچسپی سے مجھے دیکھتی رہی۔ جب میں سیر ہو کر پھل کھا چکا اور کچھ جان آئی تو میں نے لڑکی سے اس کی مہربانیوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے پوچھا۔

''تم نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا؟''

''میرا نام کلپنا ہے۔'' لڑکی نے شرما کر جواب دیا۔

میں موت کے منہ سے بچ آیا تھا لیکن مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ یہ سکون، یہ زندگی عارضی ہے۔ بدری نرائن کو انکا کے ذریعے کسی وقت بھی یہ معلوم ہو سکتا تھا کہ میں زندہ ہوں، ایسی صورت میں ظاہر ہے وہ مجھ پر ظلم توڑنے کے لئے دوبارہ آمادہ ہو جائے گا۔ پیٹ میں کچھ غذا پڑی تو مجھے اپنے پیچیدہ حالات پر سنجیدگی اور سکون سے غور کرنے کا سلیقہ آیا۔ جگدیو کی یاد آئی، مالا یاد آئی اور انکا کا خیال آیا۔ انکا نے گزشتہ رات جس ڈھٹائی اور بے وفائی کا برتاؤ کیا تھا، وہ یاد آیا تو کلیجا پھٹنے لگا پھر اس نسوانی آواز کا خیال آیا جو اندھیروں میں میری نجات دہندہ بنی تھی، وہ آواز کس کی تھی؟ معاً میرے ذہن میں ایک خیال تیر کی طرح پیوست ہو گیا کہ کہیں کلپنا ہی تو وہ عورت نہیں ہے؟ میں نے گھبرا کر اس کی جانب دیکھا۔ وہ معصومانہ اور والہانہ انداز سے میرے چہرے کے ادلتے بدلتے رنگ دیکھ رہی تھی۔ میری اور اس کی نظریں ملیں تو وہ سمٹ کر بولی۔ ''کیا سوچ رہے ہو بابو؟ بہت دکھی معلوم ہوتے ہو؟ کیا بپتا آ پڑی ہے؟''

''ہاں کلپنا۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ ''ایک بپتا ہو تو کہوں، سارا جیون کٹھنائیوں میں گزر رہا ہے۔''

''جس بھگوان نے تمہیں جیوت (زندہ) رکھا ہے وہی تمہاری کٹھنائیوں کا بھی کوئی اپائے پیدا کر دے گا۔'' کلپنا نے اپنائیت سے جواب دیا پھر مجھے سہارا دے کر کٹی کے اندر لے گئی۔ یہاں دو ایک برتنوں اور چٹائی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میں کچھ دیر کلپنا سے باتیں کرتا رہا پھر مجھے نیند آنے لگی اور میری آنکھ لگ گئی۔

کہیں شام کو میری آنکھ کھلی، کٹی میں ایک چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ میں نے اٹھ کر ادھر ادھر دیکھا۔ کلپنا وہاں نہیں تھی، اس خیال سے کہ ممکن ہے کہ وہ کسی کام سے باہر گئی ہوگی میں اٹھ کر کٹی سے باہر آ گیا لیکن دوسرے ہی لمحے ٹھٹک کر رک گیا۔ سادھو جگدیو تمام قہر سامانیوں کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ اس کے تیور [illegible] ے پر وہی کھینچاؤ تھا، وہی بیزاری تھی،

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

اسے دیکھ کر میرا خون تیزی سے گردش کرنے لگا۔ وہ شخص پھر رعونت کے ساتھ میرے سامنے کھڑا تھا جس نے مجھے برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی، اس پر بھروسا کر کے میں نے نقصان ہی اٹھایا تھا لیکن میں اس کا کیا کر سکتا تھا؟

"مجھے وشواش تھا اپرادھی کہ تو بدری نرائن کے ہاتھوں نہیں مر سکتا۔" جگد یو نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"تمہیں تو مجھے زندہ دیکھ کر دکھ ہوا ہوگا جگد یو؟"

"تیرے من کا کھوٹ ابھی دور نہیں ہوا؟ بدری نرائن نے تجھے کوئی سراپ نہیں دیا۔" جگد یو تیزی سے بولا۔ "مجھے دشمن سمجھتا ہے ابھاگی؟"

"اور تم مجھے کیا سمجھانے آئے ہو؟ کیا میں تمہیں اپنا متر سمجھوں؟" میں نے تلخ آواز میں کہا۔

جگد یو کا چہرہ گمبھیر ہو گیا۔ "تجھے تیری بساط سے زیادہ مل گیا ہے۔" وہ نفرت سے بولا۔ "پرتو نے ابھی جیون میں دیکھا کیا ہے؟ تو ابھی تک بالک ہے۔ ایک انکا کو اپنا کر تو یہ سمجھا تھا کہ مہان شکتی کا مالک بن گیا، تو سنسار میں سب سے زیادہ بلوان ہے۔"

"اب تم کیا کہنے آئے ہو، سادھو جگد یو؟" میں نے چڑ کر کہا۔

"میں تجھ سے پہلے بھی کچھ کہنے آیا تھا لیکن تو نے میری بات سننے کے بجائے مجھ پر شبہ کیا۔ میں اپنے متر پریتم لال اور اس کی بیٹی مالا رانی کے کارن مجبور ہوں جو تیرے پاس دوبارہ آنا پڑا۔" جگد یو نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "اپرادھی میں تجھے کیول یہ بتانے آیا ہوں کہ ابھی تیرے برے دن سماپت نہیں ہوئے۔ جب تک تو اپنا من صاف نہیں کرے گا، دیوی دیوتا تجھ سے ناراض رہیں گے۔ تو کچھ نہیں کر پائے گا۔"

"تم سدا برے دن کی پیش گوئیاں کرنے آتے ہو۔"

"تو اپنی ہٹ، بچپن سے اپنے لیے خود کانٹے بوتا ہے۔"

سادھو جگد یو کی باتیں بڑی تلخ اور زہر میں بجھی ہوئی تھیں لیکن اب میرے ذہن کی وہ حالت نہیں تھی۔ وہ قید و بند کی صعوبتیں جھیلتے جھیلتے ہوگئی تھی۔ میں یہ سوچنے پر ضرور مجبور ہوا کہ سادھو جگد یو اگر میرا دشمن ہے تو یہ قصہ تمام کیوں نہیں کر دیتا۔ وہ بدری نرائن سے زیادہ بڑا اپچاری، بڑا سادھو ہے۔ وہ پریتم لال کے مقابلے کا آدمی ہے، پھر یہ کیوں بار بار آتا ہے، مجھے تنبیہ کرتا ہے۔ آخر وہ مجھ سے کیا چاہتا ہے؟ میں نے پھر دھیمے لہجے میں کہا۔ "مہاراج! حالات نے مجھے بزدل بنا دیا ہے، میری عقل خبط ہو چکی ہے۔ مجھے کچھ سجھائی نہیں دیتا۔"

"ابھی سے پاگل [illegible]"

Downloaded from Paksociety.com

ہوئی۔ "آگے آگے دیکھ کیا ہوتا ہے اور تجھ پر کیا گزرتی ہے۔"

"مہاراج، میں سمجھتا ہوں اس دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے، سب میرے دشمن ہیں، مجھے شما کر دو مہاراج!" نہ جانے کس جذبے کے تحت میں آگے بڑھ کر اس کے سینے سے لگ گیا اور زار و قطار رونے لگا۔ میں نے ہچکیوں کے درمیان کہا۔ "میرا سب کچھ چھن چکا ہے مہاراج! مالا رانی بھی مجھ سے جدا ہوگئی۔ میں گھر سے بے گھر ہو گیا اور در بدر کی خاک چھان رہا ہوں۔ میرا دشمن بدری نرائن میرے تعاقب میں ہے، میں ایک سادہ زندگی گزارنا چاہتا ہوں لیکن مجھے چین نہیں ملتا۔ تم میری سہائتا کرو مہاراج یا پھر میرا گلا گھونٹ دو، کچھ تو کرو۔"

جگد یو میری ندامت اور رقت سے متاثر ہوا۔ "اب تیرے لیے کیول ایک ہی راستہ ہے، مرد بن کر حالات کا مقابلہ کرنا ہے۔" جگد یو نے رکھائی سے کہا۔ "اگر تو نے پہلے میرا کہا مان لیا ہوتا تو میں تیری سہائتا کر سکتا تھا۔ پرنتو اب بات آگے بڑھ چکی ہے، اب میری شکتی بھی آڑے نہیں آسکتی۔"

"ایسا نہ کہو مہاراج! میں ہاتھ جوڑ کر تمہارے آگے پرارتھنا کرتا ہوں، مجھے شما کر دو، میری سہائتا سے منہ نہ موڑو۔"

"پاگل، جانور!" جگد یو تلملا کر بولا۔ "کیا تجھے اس بات کا پتا نہیں تھا کہ جب تک بدری نرائن کالی کے مندر میں اس کے چرنوں میں بیٹھا ہے۔ کوئی شکتی اس کا بال بیکا نہیں کر سکتی۔ تیری اچھا یہی تھی کہ تو بدری نرائن کا کریا کرم کرے۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ مندر سے باہر آئے، مالا رانی نے مجھ سے بنتی کی تھی مورکھ کہ میں تیری سہائتا کروں۔ میں نے تجھے کلکتے جانے سے اس کارن روکا تھا کہ اگر تو کالی کے مندر میں دوبارہ جاتا تو دیوی کا سراپ تجھے نشٹ کر دیتا۔ میں چاہتا تھا کہ انکا کی شکتی تیرے سر سے چلی جائے کیونکہ مجھے وشواش تھا کہ بدری نرائن انکا کی شکتی پراپت کر کے گھمنڈ میں کالی کے مندر سے باہر آجائے گا۔ اس کے بعد تو اسے مار سکتا تھا۔ پرنتو تو اندھا ہو رہا تھا۔ تو نے میرے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ تو نے انکا کی شکتی کے آگے میری باتوں میں بھی کھوٹ سمجھا۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ میں تیری کوئی سہائتا نہیں کر سکتا۔ تو نے صرف میرا ہی نہیں، دیوی دیوتاؤں کا بھی اپمان کیا ہے۔ اب تو کوئی اور ہی شکتی تیری سہائتا کر سکتی ہے۔"

"مجھے راستہ دکھاؤ مہاراج!" میں نے تڑپ کر کہا۔ "مجھ سے بھول ہوگئی تھی، میرا ذہن پلٹ گیا تھا۔ مجھے شما کر دو۔ میں جانتا ہوں کہ تم مہان شکتی کے مالک ہو، تم ضرور کوئی اپائے کر سکتے ہو۔"

"میں اس سے اسی کارن آیا ہوں۔" جگد یو نے اکھڑی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "میری باتیں دھیان سے سن، کل رات تجھے بدری نرائن کے کشٹ سے بھی کسی مہان شکتی نے بچایا تھا۔ وہی اب تیری سہائتا کرے گی، میں تجھے اس شکتی کا شبھ نام نہیں بتا سکتا، پرنتو اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اگر اب بھی تو نے اپنی

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

بُدھی (عقل) استعمال نہیں کی تو سارا جیون روتا رہے گا۔"

یہ کہہ کر اس نے مجھ پر ایک طائرانہ نظر ڈالی اور کھڑے کھڑے کہیں غائب ہو گیا۔ جگد یو چلا گیا لیکن مجھے اپنی بدقسمتی پر اور آنسو بہانے کے لئے چھوڑ گیا۔ اس کا ایک ایک لفظ آہنی ہتھوڑے کے مانند میرے دماغ پر ضربیں لگا رہا تھا۔ مجھے اپنی ضد، اپنی نادانی اور عجلت پر افسوس ہو رہا تھا۔ میں نے اپنے دوستوں پر شک کر کے اپنے لیے خود مصیبتیں بوئی تھیں، مجھے یہ خیال بھی نہ رہا تھا کہ جگد یو اور پریتم لال میرے دوست ہیں۔ انہوں نے دنیا چھوڑ کر ویرانوں میں عرصے تک تپسیا کی ہے، ان کے آگے انکا کی شکتی بے بس ہو جاتی ہے۔ میں پریتم لال کے استھان پر انکا کی بے بسی کا واقعہ بھول گیا تھا۔ میں نے تزئین کے معاملے میں انکا کی طاقت معدوم ہوتے دیکھی تھی اور ناظم علی کے سر پر جا کر وہ بے اثر ہو گئی تھی۔ گزشتہ رات بھی انکا کی پُر اسرار قوت مجھے اپنے اشاروں پر نہیں چلا سکی تھی۔ یقیناً کوئی بہت بڑی طاقت میری پشت پناہی کر رہی تھی۔ جگد یو کا منصوبہ کس قدر سیدھا اور صاف تھا کہ وہ کسی صورت سے بدری نرائن کو کالی کے مندر سے باہر نکالنا چاہتا تھا اور یہ اسی وقت ممکن تھا کہ انکا اس کے سر پر چلی جائے اور وہ طاقت کے نشے میں سرشار ہو کر کالی کے مندر سے باہر نکل آئے، اس کے بعد بازی میرے حق میں ہوتی کیوں کہ پریتم لال اور جگد یو میرے ساتھ تھے لیکن میں نے اپنی حماقتوں سے بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا۔ اب پچھتاوے کے سوا اور کیا باقی رہ گیا تھا۔

اسی شدید جھنجلاہٹ اور کرب کے عالم میں کلپنا کی آواز آئی۔ "بابو! کیا سوچ رہے ہو؟" وہ سامنے سے میری طرف آ رہی تھی۔

اس کی آواز پر میرے خیالوں کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ وہ مجھے اور پُر اسرار لگی۔ جگد یو نے کہیں اسی عورت کے بارے میں تو اشارہ نہیں کیا تھا؟ یہ سوچ کر میرے جسم میں سنسنی پیدا ہوئی۔ میں نے لرزتے ہوئے اس ماہ جبیں کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر معصومیت تھی اور وہ سچ مچ کوئی دیوی نظر آ رہی تھی۔

"کلپنا۔" میں نے بڑی عقیدت سے اسے مخاطب کیا۔ "تم نے میرے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا ہے۔ اگر رات مجھے اس اندھے کنوئیں سے نہ نکلواتیں تو کسی کو میری موت پر دو آنسو بہانے کا خیال بھی نہ آتا۔"

"نہیں بابو۔ مجھے شرمندہ نہ کرو۔" کلپنا نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر دیوتاؤں کو منظور نہ ہوتا تو تم رات ہی مر چکے ہوتے۔"

"دیوتاؤں کی کرپا اپنی جگہ ہے مگر تم نے مجھ پر جو دیا کی ہے میں اسے کبھی نہ بھلا سکوں گا۔"

"میں تو تمہاری داسی ہوں ..."

نہ جانے کیوں مجھے ایسا لگا جیسے میں اسے برسوں سے جانتا ہوں۔ اس خیال نے مجھے اور پریشان کر دیا۔ میں نے ٹوہ لینے کی غرض سے کہا۔ "کلپنا، میرے کچھ دشمن میرا پیچھا کر رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ میرے تعاقب میں یہاں بھی آ جائیں اور میری وجہ سے تمہیں بھی پریشان ہونا پڑے۔"

"میری چنتا مت کرو جمیل بابو، مجھ ابھاگن کو بھلا کون پریشان کرے گا۔" کلپنا نے درد بھرے لہجے میں جواب دیا۔

"تم میرے حالات سے ناواقف ہو، جو ایسی باتیں کر رہی ہو۔ میرا یہاں سے چلا جانا ہی مناسب ہے۔" میں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "یوں بھی مجھے تم پر بوجھ بن کے رہنا کچھ اچھا نہیں لگتا۔"

ایک لمحے کے لئے کلپنا کی آنکھوں کا رنگ بدلا پھر وہ سادگی سے بولی۔ "اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو میں منع نہیں کروں گی۔"

ایک اور سخت اور کربناک رات گزر گئی۔ اس رات کسی نے مجھے نہیں چھیڑا۔ میں کٹی کے فرش پر اوندھا پڑا اپنی عقل اور قسمت کا ماتم کرتا رہا۔ دوسری صبح جب بیدار ہوا تو کلپنا نے میرے آگے پھل لا کر رکھ دیے تھے۔ کلپنا رات کو دیر تک میرے پاس بیٹھی رہی تھی۔ میں اپنی محسنہ کے ساتھ کسی قسم کے ہوسناک جذبے کو اپنے دل میں محسوس نہیں کر سکا۔ رات کو وہ کٹی کے باہر سوئی۔ میں نے اس سے لاکھ کہا کہ تم اندر آ جاؤ، میں کٹی کے باہر سو جاتا ہوں لیکن وہ نہیں مانی۔ اب صبح ہی صبح وہ ایک طرف خاموش بیٹھی مجھے پھل کھاتے دیکھ رہی تھی، اس ... بات کا غماز تھا کہ صرف ایک دن میں وہ مجھ سے بہت زیادہ مانوس ہو گئی ہے۔ ناشتے سے فراغت پا کر میں نے کلپنا سے اجازت چاہی اور کٹی سے باہر آیا تو وہ میرے ساتھ تھی۔ مجھے اس سے دور ہوتے ہوئے ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی قریبی عزیز چھوٹ رہا ہو، دل اندر ہی اندر بیٹھا جا رہا تھا۔ میں نے الوداعی نظروں سے اسے دیکھا تو وہ مسکرانے لگی اور میں گردن جھکائے عجیب کیفیتوں میں اس سے رخصت ہو گیا۔ میں نے کلپنا کو کریدنے کے لئے طرح طرح کی گفتگو کی تھی لیکن وہ مجھے ایک حسین اور معصوم لڑکی سے زیادہ کچھ نظر نہیں آئی۔ میں نے اس سے جانے کی اجازت بھی طلب کی تھی کہ اگر سادھو جگد یو کے کہنے کے مطابق کلپنا ہی وہ پُر اسرار قوت ہوتی جس نے مجھے موت کے منہ سے نکالا تھا تو یقیناً مجھے روکنے کی کوشش ضرور کرتی اور باور کراتی کہ اس کے ہوتے ہوئے کوئی طاقت مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتی مگر جب اس نے سادگی سے مجھے جانے کی اجازت دے دی تو میرا دل ٹوٹ گیا۔ میں دل پر جبر کر کے کٹی سے باہر نکلا۔ ہر چند کہ میری کوئی منزل نہیں تھی اور اندھیروں میں کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی تاہم میری رفتار ہر لمحے تیز ہوتی جا رہی تھی۔ کل رات جگد یو سے گفتگو کے بعد اب احساسِ شکست اتنا نہیں تھا جتنا پہلے تھا۔ یہ صبح کچھ بھلی لگ رہی تھی۔

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

آبادی کے قریب پہنچ کر میں نے سوچا کیوں نہ مالا رانی کے پاس جاؤں اور اس کے سامنے اپنی غلط کاریوں کا اعتراف کرلوں۔ میں نے غلط فہمی میں اسے سخت سست کہہ ڈالا تھا۔ مالا رانی کے خیال سے دل کو کچھ سکون سا ملا۔ میں نے عجیب و غریب ہیئت کے باوجود طے کرلیا تھا کہ اسی وقت چچا جان کے گھر جاؤں گا۔ وہ جب میرا یہ حلیہ دیکھیں گے تو حیران ہوں گے لیکن میں کوئی بہانہ بنادوں گا۔ میں روٹھی ہوئی مالا کی گداز آغوش میں گم ہو جاؤں گا۔

میں نے اپنا رخ چچا جان کے گھر کی طرف موڑ دیا لیکن ابھی میں چند قدم ہی آگے گیا تھا کہ پشت سے کسی نے آواز دے کر پکارا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو حیرت زدہ رہ گیا۔ بدری نرائن کسی درندے کی طرح خوں خوار نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ ”اتنے تیز تیز کہاں جارہے ہو جمیل احمد خان!“ بدری نرائن نے تلخی سے کہا۔ ”کیا مالا رانی کے خیال نے تمہیں بیاکل کر دیا ہے؟ لیکن جانے سے پہلے میرا حساب تو چکاتے جاؤ۔“

”تم کیا کہنا چاہتے ہو؟“ میں نے قدرے درشت لہجے میں پوچھا۔ جگدیو کی ملاقات نے میرے حوصلوں کو توانائی بخش دی تھی۔ اس اعتماد میں کہ کوئی پُراسرار قوت میری مدد پر کمربستہ ہے، میرا بدری نرائن سے خوف زدہ ہونا حماقت تھی۔

”میرا نام بدری نرائن ہے۔ تم نے مجھے شاید پہچانا نہیں؟ میں نے تم جیسے دشٹوں کو اس سنسار سے ختم کرنے کے لئے کالی کے مندر میں برسوں جاپ کیا ہے۔ میں نے اپنے جیون کا بڑا حصہ اس کام میں گزارا ہے۔ میں نے تمہاری چھوکری انکا پر ادھیکار حاصل کرنے کے لئے چالیس دن کڑی تپسیا کی ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں اتنی آسانی سے تمہیں چھوڑ دوں گا۔“ بدری نرائن نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

”تم اب بھی اپنا وقت ضائع کر رہے ہو پنڈت! میں تمہیں خوب پہچانتا ہوں لیکن تم نے مجھے پہچاننے میں غلطی سے کام لیا ہے۔“ میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ”کیا تم بھول گئے کہ میں نے رات تمہارے سامنے اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگادی تھی لیکن وہ جیو دھاری کنواں میرا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ میری راہ سے ہٹ جاؤ، نہیں تو یہ سارا گیان دھیان، یہ تپسیا نشٹ ہو جائے گی۔“

”میں دیکھ چکا ہوں مسلے ننٹے۔ تو مجھے کیا سمجھاتا ہے۔“ بدری نرائن گرج کر بولا۔ ”اس رات میرے بیروں سے چوک ہوگئی لیکن اب کوئی شکتی تجھے میرے ہاتھوں سے نہیں بچا سکتی۔ یاد رکھ میں کالی کا سیوک ہوں۔“

”سنو بدری نرائن! تم نے نرگس کو مارا، میں خون کے گھونٹ پی کر چپ ہوگیا۔ تم اپنی بزدلی سے کالی کے مندر میں چھپ کر جا بیٹھے۔ تم نے مالا رانی پر اپنے گندے بیروں سے حملہ کرایا، میں چپ رہا۔ تم نے انکا کو حاصل کرایا۔ تم نے ... اب تک مجھ پر ظلم توڑے، میرے ساتھ زیادتیاں کیں، جب کہ

میں تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکا لیکن اب شاید تمہیں کوئی سبق دینا پڑے۔ اپنی اوقات مت بھولو پنڈت۔ تم حد سے گزر چکے ہو۔ برداشت کی ایک حد ہوتی ہے۔“ میں نے اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے بدری نرائن پر اس طرح اثر ڈالنے کی کوشش کی۔

”اچ...... چھا؟“ بدری نرائن زہرخند سے بولا۔ ”کیا تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے ننٹے؟“

”سے کی قدر کرو بدری نرائن اور پلٹ جاؤ۔ جاؤ میں نے تمہیں شما کیا، اگر مجھے جلال آگیا تو تمہیں بھاگنے کو بھی راستہ نہ ملے گا۔“ میں نے دل کڑا کر کے دبنگ لہجے میں کہا۔

بدری نرائن مسکرا دیا۔ دوسرے ہی لمحے اس کے تیور اچانک خطرناک ہوگئے۔ اس کی سرخ آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ ”کمینے! موت سے پہلے تجھے کم از کم اتنی آگیا دے رہا ہوں کہ تو جو منہ میں آئے بک سکتا ہے، یہ زبان ابھی بند ہوئی جاتی ہے۔ اپنا من پرسن کر لے۔“ بدری نرائن کی آواز میں غصے کے سبب لرزش تھی پھر اس کے ہونٹ ہلنے لگے۔ وہ کوئی منتر پڑھ رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میرا اگلا قدم کیا ہونا چاہیے۔ میں اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ بدری نرائن نے منتر ختم کر کے اپنا سیدھا ہاتھ فضا میں بلند کیا مگر اس کا ہاتھ اٹھا کا اٹھا رہ گیا۔ وہ اپنا معلق ہاتھ میری جانب جھٹکنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس کے چہرے پر شدید قسم کی الجھن نمودار ہوئی۔ ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں پھر اس نے چونک کر میری پشت پر کسی چیز کو حیرت سے گھورنا شروع کر دیا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ کسی غیر متوقع حادثے سے بوکھلا گیا ہو۔

اس کا اٹھا ہوا ہاتھ فضا میں جیسے جکڑ کر رہ گیا۔ جس انداز سے اس کینہ پرور شخص پنڈت بدری نرائن نے اپنا ہاتھ فضا میں بلند کیا تھا، اس سے مجھے یہ یقین ہو چلا تھا کہ وہ اس بار کوئی خطرناک اور آخری وار کر رہا ہے۔ میرے قدم زمین پر لرزنے لگے تھے کہ میری محسنہ کلپنا نمودار ہوئی، وہی کلپنا جس نے مجھے جیو دھاری کنوئیں سے نکال کر نئی زندگی بخشی تھی، وہ اب بدری نرائن کے سامنے سنجیدگی سے کھڑی اس کی کشمکش اور جنوں خیزیاں دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور چہرہ تمتما رہا تھا۔ وہ اس وقت کوئی معصوم، نوخیز دوشیزہ کے روپ میں نہیں تھی۔

مجھے اس کے حسن کی تمام رعنائیوں کے باوجود اس کا وجود بہت بھیانک لگا۔ وقت کی رفتار اس قدر مدھم پڑ گئی تھی کہ مجھے سینے میں اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ کلپنا کا اچانک وہاں نمودار ہو جانا کسی بڑے ہنگامے کا پیش خیمہ تھا۔ بدری نرائن کا اٹھا ہوا ہاتھ کلپنا کو دیکھ کر کیوں رک گیا؟ میں اس شش و پنج میں چند لمحے ساکت و جامد کھڑا اپنے دل کی دھڑکنیں شمار کرتا رہا پھر مجھے خیال آیا کہ یہ خوب صورت لڑکی کوئی بڑی غلطی کر رہی ہے۔ شاید یہ بدری نرائن سے واقف نہیں ہے۔ بدری نرائن کے سامنے کلپنا کا نرم و نازک بدن ایک تنکے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ بدری نرائن کا ایک اشارہ اس کے گرد موت کا جال بُن سکتا

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

ہے۔ یہ آگ کی نذر ہوسکتی ہے۔ بدری نرائن کے بیر اسے لحوں میں ہڈیوں کے پنجر میں تبدیل کرسکتے ہیں۔ وہ میرے لیے اس وقت زبردست ایثار کررہی ہے اور شاید یہ نہیں جانتی کہ وہ کس موذی کے سامنے کھڑی ہے۔ میرا دل دکھنے لگا اور ضمیر نے مجھے ملامت کی کہ میں نے کلپنا اور بدری نرائن کے درمیان سے ہٹ کر بزدلی کا ثبوت دیا ہے۔ مجھے خود بدری نرائن سے نمٹنا چاہیے۔ اگر میں زندہ رہا تو کلپنا کی قبل از وقت موت ہمیشہ مجھے ملامت کے آنسو رلاتی رہے گی۔ مجھے اسے ہر قیمت پر بدری نرائن کے شر سے بچانا چاہیے۔ یہ سوچ کر میں آگے بڑھنا ہی چاہتا تھا کہ بدری نرائن کی آواز سے فضا کا سکوت متزلزل ہوگیا۔ وہ کلپنا سے مخاطب تھا۔ ''سندری! تو کون ہے؟ یہاں اس سے کیا کررہی ہے؟''

کلپنا نے کوئی جواب نہیں دیا اور نہ اس کے قہر و غضب کے انداز میں کوئی فرق آیا۔

بدری نرائن جز بز سا ہوا اور پہلو بدل کر بولا۔ ''میں کیا پوچھتا ہوں سندر ناری! تو کون ہے؟ تیری آنکھوں میں پریم کے بجائے نفرت کیوں ہے۔ کہیں تیرا سمبندھ اس ننھے اپرادھی سے تو نہیں جو اپنا جیون بچانے کے کارن میرے سامنے سے بھاگ رہا ہے؟''

بدری نرائن کا لہجہ سنبھلا ہوا تھا لیکن بے حد تلخ تھا۔ اس کا اٹھا ہوا ہاتھ اب نیچے آگیا تھا۔ کلپنا کے بدن نے ایک جھرجھری سی لی اور وہ پُرسکون نظر آنے لگی پھر اس کے چہرے پر ایک ملکوتی مسکراہٹ چھا گئی اور وہ نرم و دلکش لہجے میں بولی۔ ''مہاراج! تم نے اس بے چارے کو پہلے بھی موت کے قریب کر دیا تھا۔ کیا بگاڑا ہے اس کمزور اور غریب منش نے؟''

''کمزور اور غریب!'' بدری نرائن زہرخند سے بولا۔ ''میرے پاس اتنا سمے نہیں سندری کہ تجھے اس مُسلے کے کرموں کی کتھا سناؤں...... پر تو نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ تو کون ہے اور کیا تو اسے جانتی ہے؟''

''ہاں مہاراج!'' کلپنا نے سادگی اور معصومیت سے کہا۔ ''میں جمیل احمد خان کو جانتی ہوں۔ میں نے اسے بہت قریب سے دیکھا ہے۔''

''ہاں ہاں۔ سندر ناریاں جمیل احمد خان کو سدا قریب سے دیکھتی ہیں۔'' بدری نرائن نے طنز سے کہا۔ ''پر اب سمے گیا۔ کیا تو اسے میرے چنگل سے بچانے کے لیے آئی ہے، کیوں؟''

''ہاں مہاراج! میں تم سے بنتی کرنے آئی ہوں کہ تم اسے شما کردو۔'' کلپنا نے انکسار سے کہا۔

''شما اور اس اپرادھی کو؟'' بدری نرائن گرج کر بولا۔ ''پر تو کون ہے اور تجھے یہ ادھیکار کس نے دیا کہ تو میرے سامنے اس جرأت سے آئی ہے؟''

''میرا نام کلپنا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ حالات نے جمیل احمد خان کے ساتھ بڑا مذاق کیا ہے۔ پر مہاراج اس میں اس منش کا دوش کم ہے اور حالات کا زیادہ دوش ہے۔ یہ کوئی برا آدمی نہیں ہے۔ تم اسے

شما کردو گے تو یہ تمہاری بڑائی ہوگی۔'' کلپنا نے جسارت سے کہا۔

''سندری۔ مجھے تیرے کومل شریر اور تیری عمر پر رحم آتا ہے۔ اس منش نے مجھے بہت دکھ دیے ہیں۔ میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تو اس کا خیال چھوڑ دے۔ یہ بہت بڑا دشٹ ہے، دھرتی کو ایسے منشوں سے پاک کردینا ہی پُن ہے۔ جا تو اپنی راہ لے۔'' بدری نرائن نے نخوت سے کہا۔

''مہاراج، یہ انیائے ہے، کسی پر انیائے کرنا پُن نہیں ہے۔'' کلپنا کے لہجے میں اب تلخی آگئی تھی۔

''اگر تم مہان شکتی کے مالک ہو تو تمہیں سب کچھ بھول کر اسے شما کردینا چاہیے۔''

''میں اس پاپی کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ ناممکن۔'' بدری نرائن نے غصے سے کہا۔ ''سندری! جا، میری نظروں سے دور ہوجا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے تیرے لیے بھی کوئی اپائے کرنا پڑے۔ یہ مسلمان ہے اور تو ایک ہندو ناری، تیرا دھرم یہ نہیں، جا اپنے گھر جا کر رام رام کر۔''

کلپنا کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ ابھری۔ اس نے ایک نظر میری سمت دیکھا پھر دوبارہ بدری نرائن کی طرف متوجہ ہوکر بولی۔ ''مہاراج! میں اس سمے تک نہیں جاؤں گی جب تک تم اسے شما نہیں کردو گے۔ میں وچن دیتی ہوں کہ یہ پھر کبھی تمہارے راستے میں نہیں آئے گا۔''

''پاپن......'' بدری نرائن غضب ناک لہجے میں بولا۔ ''تو ایک ہندو استری ہوکر کسی مُسلے کے لیے ہاتھ باندھ رہی ہے۔ تجھے لاج نہیں آتی؟ اس شخص کے پاس اب کیا رکھا ہے، جو تو آس لگائے ہوئے ہے۔ اسے تو کوئی اب بھیک دینا بھی پسند نہیں کرے گا۔''

''شاید تم نے کبھی کسی سے پریم نہیں کیا پنڈت! پریم ذات پات اور دھرم سے اونچا ہوتا ہے۔'' کلپنا نے بے باکی سے کہا۔ ''پریم کا سمبندھ من سے ہوتا ہے اور من اگر پوتر ہو تو کوئی چیز پاپ نہیں ہوتی۔''

''کلپنا، تو میرے سامنے اتنی ڈھٹائی سے باتیں کررہی ہے۔ کیا مجھے بتانا ہی پڑے گا کہ میں کیا ہوں؟'' بدری نرائن تلملا کر بولا۔ ''میں تجھ سے آخری بار کہہ رہا ہوں کہ مجھے ایک استری پر ہاتھ اٹھانے کے پاپ پر مجبور نہ کر...... نہیں تو میرا کشٹ تیرا جیون بھی نشٹ کردے گا۔''

''پریم پر تو دیوی دیوتاؤں کا بھی بس نہیں۔ تم بھلا اسے کیا نشٹ کرو گے؟ پریم امر ہوتا ہے مہاراج! تم میرا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔'' کلپنا نے بھی ترکی بہ ترکی کہا۔

''اب بہت ہوگیا۔'' بدری نرائن کسمسا کر بولا پھر مزید کچھ کہے بغیر اس کے قدم حرکت میں آگئے۔ وہ خبیث کلپنا کی سمت کسی خطرناک ارادے سے آگے بڑھا۔ اس کے چہرے پر رعونت اور غضب تھا۔ میں دخل دینا چاہتا تھا لیکن میرے قدم جواب دے گئے تھے۔ بدری نرائن ایک مہان پجاری تھا جسے کالی نے پناہ دے رکھی تھی اور جس نے انکا کو بھی اپنے قبضے میں کرلیا تھا اور جو پہلے ہی ایک بڑے

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

پنڈت کی حیثیت سے خاصا مشہور ہو چکا تھا۔ جس نے شیو چرن کو مارنے کے لئے میری سہائتا کی تھی اور مجھے برکاتی شاہ کا پتا بتایا تھا۔ مجھے وحشت ہو رہی تھی کہ اب کلپنا کا انجام کیا ہوگا؟ یہ خوب صورت لڑکی جو میرے پریم میں اتنی بے باکی کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ بدری نرائن جیسے کمینے اور عیار شخص کی زد میں آ گئی ہے۔ وہ کلپنا کو اپنی ایک جنبش لب سے تہس نہس کر سکتا ہے۔ میرا دل چاہا کہ لپک کر بدری نرائن سے الجھ پڑوں لیکن میں اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ میں اپنی جگہ سے ایک انچ بھی جنبش کرنے سے قاصر تھا۔ میں نے کلپنا کی جانب گھبرا کر دیکھا۔ اس کے چہرے پر بدستور معصومیت طاری تھی۔ ایک سکون تھا جسے میں اس کی نادانی پر محمول کر رہا تھا۔ بدری نرائن لحہ بہ لحہ اس کے قریب ہوتا جا رہا تھا لیکن وہ اس کے قریب پہنچ کر اچانک ٹھٹک کر رک گیا جیسے کسی تیز رفتار گاڑی کو اچانک بریک لگا جائیں۔ اس کے ساتھ ہی بدری نرائن کے چہرے کے تاثرات حیرت انگیز طور پر بدل گئے۔ آنکھوں میں الجھن اور انداز میں جھنجلاہٹ نظر آنے لگی۔ وہ کلپنا کو گھور کر دیکھنے لگا۔

''رک کیوں گئے مہاراج!'' کلپنا نے سپاٹ آواز میں کہا۔ ''کیا تم نے مجھ پاپن کو کشٹ دینے کا خیال اتنی جلدی من سے نکال دیا ہے؟''

بدری نرائن نے اس طنزیہ جملے کے جواب میں غیر معمولی ردِعمل کا اظہار کیا۔ اس نے بڑی بے چینی سے ہاتھ پاؤں چلانے شروع کر دیے جیسے وہ خود کو کسی مصیبت سے نجات دلانے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا ہو اور جیسے اسے کسی نے جکڑ لیا ہو۔ یہ نظارہ میرے لیے ناقابل فہم تھا۔ میں کلپنا کو خوف زدہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ اچانک مجھے سادھو جگد یو کا خیال آیا۔ اس نے کہا تھا کہ کوئی اور طاقت میری پشت پناہی کر رہی ہے، تو کیا وہ طاقت کلپنا ہے؟ میں اسی ادھیڑ بن میں مبتلا تھا کہ کلپنا نے بدری نرائن کو مخاطب کیا۔

''مہاراج! تم نے میری بنتی کو ٹھکرا دیا، بھول کی۔ کس نے کس کو غلط سمجھا، یہ اب تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا۔ تم اس سمے کتنے بیاکل نظر آ رہے ہو حالانکہ تم نے ابھی کہا تھا کہ تم مہان شکتی والے ہو۔ کہیں مجھے نشٹ کرنے کے لئے تو یہ انوکھا ناٹک نہیں رچا رہے؟''

''مورکھ نار، تو بہت پچھائے گی۔'' بدری نرائن تڑپ کر بولا۔ ''مجھے کالی کا آشیرباد پراپت ہوا ہے، دیوی تجھے جلا کر بھسم کر دے گی۔'' وہ عجیب مضحکہ خیز انداز میں اپنے جسم کو حرکت دے رہا تھا۔

''یہ بھی تمہاری بھول ہے مہاراج! کالی صرف تمہارے ساتھ نہیں ہے، اوروں کو بھی اس کا آشیرباد پراپت ہوا ہے۔ تم یہ کیوں سمجھتے ہو کہ صرف تمہی اس کے قریب ہو گئے ہو۔ کالی کو معلوم ہے کہ اسے [illegible] کی [illegible] کرنی چاہیے۔ من کا کالا پن دور کرو بدری نرائن!'' کلپنا سرد آواز میں بولی۔

اس کا [illegible] بدل لیا تھا اور [illegible]

بدری نرائن نے جھلا کر جواب دینا چاہا۔ اس کے اور کلپنا کے درمیان چند تلخ و ترش جملوں کا تبادلہ بھی ہوا لیکن وہ ہونٹ ہلا کر رہ گیا۔ اس کی آواز نہیں نکل سکی پھر میں نے اسے تیزی سے پلٹتے دیکھا۔ وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا واپس جا رہا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات اس امر کی غمازی کر رہے تھے کہ اس وقت وہ شدید ذہنی الجھن اور کرب سے دوچار ہے۔ میری نظریں اس کا تعاقب کرتی رہیں۔ وہ نظروں سے اوجھل ہوا تو میں نے پلٹ کر کلپنا کی سمت نظر ڈالی لیکن وہ مجھے قرب و جوار میں کہیں نظر نہیں آئی۔ میں نے اضطرابی کیفیت میں اِدھر اُدھر بھاگنا شروع کر دیا لیکن نہ جانے وہ کس کھوہ میں غائب ہو گئی تھی۔ میرا شبہ اب یقین میں بدل گیا۔ اب کلپنا کے بارے میں ساری باتیں خود بخود صاف ہو گئی تھیں، کلپنا یقیناً وہی طاقت تھی جس کی نشان دہی سادھو جگد یو نے کی تھی۔ اس خیال نے مجھے بے چین کر دیا۔ میں تیزی سے گھوما اور بے تحاشا پرانے قبرستان کی جانب دوڑنے لگا۔ میرا خیال تھا کہ کلپنا کو اس کی کٹیا میں پا لوں گا۔ رفتار کے ساتھ ساتھ میرا ذہن بھی بڑی تیزی سے سوچ رہا تھا۔ میں نے کلپنا کو زندگی میں دوسری بار دیکھا تھا۔ وہ میرے لیے قطعی اجنبی تھی۔ اس کے باوجود اس نے میری غیر معمولی مدد کی۔ آخر کیوں؟ مجھ بد نصیب کا اتنا بڑا ہمدرد کہاں سے پیدا ہو گیا؟

میری رفتار اتنی تیز تھی کہ بھاگنے کا گمان ہوتا تھا۔ میں جلد ہی پرانے قبرستان کی اس جھونپڑی تک پہنچ گیا جہاں پہلی بار میں نے کلپنا کو دیکھا تھا۔ میرا سانس بری طرح پھول رہا تھا۔ میں تیزی سے جھونپڑی کے دروازے سے اندر داخل ہوا لیکن وہاں ویرانی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ کوٹھری بھائیں بھائیں کر رہی تھی، اس کے اندر ایک عجیب سی بو پھیلی ہوئی تھی۔ ایسی بو جو ایک عرصے تک ویران پڑے رہنے والے مکانوں میں ہوا کرتی ہے۔ کلپنا کو میں کہاں تلاش کروں؟ وہ تو ایک چھلاوا ہے۔ کیا ضروری ہے کہ اس کا مسکن یہی جھونپڑی ہو۔ یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ مجھ سے کہاں ملے، کب ملے یا نہ ملے۔ اس لیے کہ وہ کوئی عام عورت نہیں ہے۔ میں نے اپنے دل کو سمجھایا۔ جمیل احمد خان! تم اسے کہاں تلاش کرو گے؟ مگر میں اب کہاں جاؤں؟ چچا جان کے گھر جاتا ہوں تو اس حالت میں کون مجھے پہچانے گا؟ وہ جمیل احمد خان جو ہمیشہ خوش پوش رہتا تھا اور جس نے روپیہ پانی کی طرح بہایا تھا، وہ اب ان پھٹے پرانے کپڑوں میں بڑھی ہوئی داڑھی شکستہ حالی کے ساتھ کیسے چچا جان کے گھر میں داخل ہوگا۔ نہ جیب میں کھانے کو کچھ تھا، نہ کوئی شخص دور دور تک ہمدرد نظر آتا تھا۔ زندگی میں جب کوئی امید نہ ہو اور شب و روز مقصد سے عاری ہوں تو جسم میں اینٹھن ہونے لگتی ہے۔ میں نڈھال ہو کر قبرستان میں گر گیا۔ اب صرف ایک امید تھی کہ اس پُراسرار عورت کلپنا کو جب میرا حال معلوم ہوگا تو وہ یقیناً اس طرف کا رخ کرے گی۔ جگد یو بھی کسی لمحے آ سکتا ہے۔ پیروں نے آگے چلنے سے انکار کر دیا تھا۔ میں خود کو ایک نحیف و ناتواں شخص محسوس کر رہا تھا۔ عجب عجب حادثے پیش آ رہے تھے۔ ایک رات میں نے اسی قبرستان میں گزار

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

دی۔ نہ جگد یو آیا نہ کلپنا۔ بھوک نے بے حال کر رکھا تھا۔ صبح ہونے سے پہلے میں بیدار ہوگیا۔ اب مزید بھوکا رہنا میرے بس میں نہیں تھا۔ میں کھانے کی تلاش میں قبرستان سے نیم مردہ انداز میں اٹھا۔ بار بار یہ بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے کہ میں نے کس طرح اپنے پیٹ کا جہنم سرد کیا۔ پیٹ میں کچھ پڑا تو آنکھوں میں روشنی پیدا ہوگئی اور میں پھر قبرستان کی جانب ہولیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو دوپہر کا وقت تھا۔ جھونپڑی میں اب بھی کوئی نہیں تھا، جب میں نامراد واپس جا رہا تھا تو قبرستان سے ہٹ کر ایک کھلی زمین پر میں نے ایک شخص کو منڈل میں آلتی پالتی مارے کسی جاپ میں مگن دیکھا۔ وہ مجھے کوئی شناسا چہرہ لگا۔ میں تیزی سے اس کی طرف گیا اور اگلے چند قدم چلنے کے بعد ٹھٹک کر رک گیا۔ سادھو جگد یو آنکھیں بند کیے اپنے جاپ میں بڑی طرح منہمک تھا۔ اس کے اردگرد چونے سے ایک دائرہ بنا ہوا تھا۔

میں حیرت سے دور کھڑا اس کا انہماک دیکھتا رہا۔ کچھ توقف کے بعد میں نے اپنی سانسوں پر قابو پاتے ہوئے اسے مخاطب کرنے کی کوشش کی لیکن میری آواز صدا بہ صحرا ہوکر رہ گئی۔ جگد یو نے میری چیخ پکار کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے نرم وگرم لہجے میں اسے اپنی جانب متوجہ کرنے کے لئے گلا پھاڑ پھاڑ کر آوازیں دیں لیکن بے سود۔ جگد یو کے استغراق میں کوئی خلل پیدا نہیں ہوا پھر میں نے سوچا کہ قریب جا کر اسے جھنجوڑوں لیکن میری نظروں میں چونے کی لکیر کسی دیوار کی طرح پھر گئی۔ یہ منڈل، یہ گیان دھیان، یہ جاپ اور یہ پُراسرار منظر میرے لیے نیا نہیں تھا۔ پہلے بھی دو بار میں تربینی داس اور شیو چرن کو اسی طرح کے منڈل میں بیٹھا ہوا دیکھ چکا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اگر جگد یو کسی جاپ میں مصروف ہے تو میرا منڈل میں گھسنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ چنانچہ میں آگے بڑھنے سے باز رہا اور تھک ہار کر منڈل کے باہر بیٹھ گیا کہ شاید جگد یو اپنا جاپ ختم کرلے۔ شاید اس کی مدت بہت کم ہو۔ ممکن ہے وہ شام تک منڈل سے باہر آجائے۔

بہرحال اب یہی جگہ سب سے زیادہ عافیت کی تھی۔ میں جھونپڑی کے قریب دھوپ میں آکر لیٹ گیا۔ ان واقعات نے میری عقل خبط کردی تھی۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی، آخر جگد یو کس قسم کے جاپ میں مصروف ہوگیا؟ کلپنا کہیں جگد یو ہی کا تو دوسرا روپ نہیں ہے؟ کوئی بھی بات ممکن ہے۔ میں جگد یو سے حالات معلوم کرنے کے لئے بے حد مضطرب تھا۔ اس کی ہدایت کے مطابق ہی میں کوئی قدم اٹھا سکتا تھا۔ وہ رات گزر گئی پھر دوسرا دن گزر گیا پھر تیسرا دن گزر گیا۔ میں جھونپڑی میں پڑا رہتا۔ کبھی منڈل کے قریب جگد یو کو تکنے لگتا، کبھی کھانے کے لئے قبرستان سے باہر چلا جاتا اور چند روٹیاں زہر مار کر کے پھر واپس آجاتا۔ جگد یو کا جاپ ختم نہیں ہوا۔

چوتھے روز تنگ آکر میں نے ایک فیصلہ کیا کہ مجھے اسی شکستہ حال کے ساتھ چچا جان کے گھر چلنا چاہیے۔ وہ آخر میرا اپنا گھر ہے اور اپنے گھر میں یہ جھجک کیسی؟ چنانچہ جگد یو سے ملنے کا ارادہ ملتوی کر کے

میں اس راستے پر ہولیا جو چچا جان کے گھر جاتا تھا۔ لکھنؤ کی شناسا سڑکوں پر میں کسی اجنبی کی طرح سر جھکائے چل رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ مجھے کوئی پہچان نہیں پائے گا۔ جب محلے کی گلیاں آئیں تو میں نے لوگوں سے کترا کر نکلنا چاہا۔ میں حالات کے الجھے ہوئے تانے بانے جس قدر سلجھانے کی کوشش کرتا۔ وہ اسی قدر الجھ جاتے۔ جب اس گلی میں داخل ہوا جہاں چچا جان کا گھر تھا تو دل کا عجب عالم ہوگیا۔ قدم لڑکھڑانے لگے۔ جی چاہا کہ واپس ہو جاؤں۔ بدن پر میل کی تہیں جمی ہوئی تھیں، سر اور داڑھی کے بال جھاڑ جھنکاڑ کی طرح اگے ہوئے تھے۔ جسم کے سارے کپڑے پھٹ رہے تھے اور سیاہ ہوگئے تھے۔ گھر کے قریب پہنچ کر گزری ہوئی باتیں ایک ایک کر کے یاد آنے لگیں، میں ابھی گھر سے چند قدم کے فاصلے پر تھا کہ یکلخت مجھے اپنے سر پر چبھن محسوس ہوئی۔ وہی مانوس چبھن جو انکا کی آمد کا اعلان تھی۔ میں نے گھر جانے کے بجائے اچانک واپس ہونے کا ارادہ کیا اور تیزی سے دوسری گلی میں چلا آیا پھر میں نے بے چینی سے عالم تصور میں سر پر نظر ڈالی تو انکا میرے سر پر موجود تھی۔ اس کی نظروں میں بے گانگی اور بیزاری تھی۔ انکا کو اس حالت میں دیکھ کر میرے دل کو ہمیشہ گہرا صدمہ ہوتا تھا۔ میں نے ایک سرد آہ بھر کر اس سے پوچھا۔

"اب کیا حکم دینے آئی ہو؟"

"جمیل احمد خان۔" انکا نے سرد لہجے میں کہا "تم مجھے پہچانتے ہو کہ میں کون ہوں؟"

"انکا!" میں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ "دل پر نشتر مت چلاؤ۔ صاف صاف بات کرو، کیا کہنا ہے؟"

"تم میری طاقت سے واقف ہو؟" انکا نے رعونت سے کہا۔

"میں تمہارے ہر روپ سے واقف ہوں، کاش تمہیں مرنا بھی آتا، کاش تم محسوس بھی کرسکتیں۔"

"باتیں بنانے کی ضرورت نہیں۔ تم میرے آقا پنڈت بدری نرائن کو بھی خوب جانتے ہو۔ وہ ایک مہان پنڈت ہے۔ اس کی شکتی سے ٹکرانے والے کا حشر بہت برا ہوتا ہے۔ تم کبھی پنڈت بدری نرائن کے کشٹ سے نہیں بچ سکتے۔" انکا نے اجنبیت سے کہا۔

"مجھے معلوم ہے مگر تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"تم بدری نرائن کے کشٹ سے بچ سکتے ہو لیکن ایک شرط پر۔" انکا نے درشتی سے کہا۔

"وہ کیا ہے؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"تمہیں مجھے کلپنا کی حیثیت سے آگاہ کرنا ہوگا۔"

"کلپنا......" میں نے دہرایا۔ "میں نہیں جانتا وہ کون ہے؟"

"مجھ سے کوئی بات چھپائی نہیں جاسکتی۔ یہ بات تم جانتے ہو۔" انکا نے غضب ناک آواز میں

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

کہا۔''اگر زندگی عزیز ہے تو کلپنا کی حیثیت اور اس کے ٹھکانے سے آگاہ کر دو ورنہ مجھے اپنے آقا کو خوش کرنے کیلئے تمہارے خون سے اپنا وجود سیراب کرنا پڑے گا۔''

''خوب......'' میں نے سنبھل کر کہا۔''جب تم سے کوئی بات نہیں چھپائی جا سکتی تو پھر تم اپنی طاقت سے معلوم کیوں نہیں کر لیتیں۔ میں تمہاری دھمکیوں کی تاب نہ لا سکوں گا، تمہیں جو کرنا ہے کر لو۔''

''جمیل احمد خان۔'' انکا نے تیز لہجے میں کہا۔''مجھے بتاؤ کہ کلپنا کون ہے؟ وقت ضائع مت کرو۔''

''میں نے کہہ دیا کہ مجھے نہیں معلوم لیکن انکا؟ کیا تمہاری پُراسرار قوت کلپنا کا راز معلوم کرنے میں ناکام ہو گئی ہے؟ کیا اس مردود پنڈت کی مہان شکتی بھی کلپنا کے سامنے بے بس ہو رہی ہے؟'' میں نے جرأت سے کہا۔''میری جان انکا! اب تمہاری کوئی دھمکی کارگر نہیں ہو گی۔ ساری بات میری سمجھ میں آگئی ہے۔ مجھے تمہاری بے بسی سے پہلی بار بہت خوشی ہوئی۔ تم کلپنا کو کبھی نہیں جان سکتیں کیونکہ اسے بدری نرائن سے بڑی شکتی پراپت ہے۔''

اب میرے کچھ کہنے کا وقت تھا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ انکا مایوس ہو کر مجھ سے کلپنا کا راز جاننے آئی ہے اور میں بالکل محفوظ ہوں لیکن انکا نے چلتے چلتے اپنے پنجوں کی شدید چبھن سے مجھے بے حال کر دیا۔ میرے اعصاب متزلزل ہو گئے۔ ظاہر ہے میرے پاس کلپنا کا کوئی راز نہیں تھا۔ اس لیے اس نے اپنی تمام تر کوشش کی کہ مجھے کسی طرح بے بس کر دے مگر اچانک وہ خود ہی بھڑک کر خوف زدہ انداز میں میرے سر سے اتر گئی۔ انکا کے اس اچانک رویے پر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ جگدیو کی ہر بات درست ثابت ہو رہی تھی۔ کوئی پُراسرار قوت بدبخت جمیل احمد خان کی پشت پناہ تھی۔ کوئی ایسی عظیم طاقت جس کے آگے انکا کی شیطانی قوتیں بھی بے اثر ہو گئی تھیں۔ بہرحال مجھے یقین ہو چلا تھا کہ اب کچھ دنوں کے لئے بدری نرائن سے بھی چھٹکارا مل جائے گا۔ وہ میرے سامنے آنے سے کترا رہا تھا لیکن اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں تھا کہ وہ مجھ سے انتقام لینے کے خیال سے اتنی آسانی سے دستبردار ہو گیا ہے۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ذلیل و ظالم شخص اپنے اتنے پرانے دشمن سے یوں سرسری گزر جاتا۔

اس آنکھ مچولی کے دن ابھی ختم نہیں ہوئے تھے۔ انکا کو اس نے اسی غرض سے میرے سر پر بھیجا تھا کہ وہ کلپنا کی حقیقت دریافت کر سکے۔

میں اپنے مکان کی پچھلی گلی میں اس واقعے سے سہما کھڑا تھا اور اپنے ہوش و حواس درست کر رہا تھا پھر میں کسی قدر حوصلے کے ساتھ چچا جان کے مکان والی گلی میں آیا اور مکان کے دروازے پر پہنچ کر دوبارہ رک گیا۔ مجھے اندر جاتے ہوئے جھجک ہو رہی تھی۔ پتا نہیں مجھے اس حلیے میں دیکھ کر میرے ساتھ ان کا برتاؤ کیا ہو گا؟ میں چند لمحے دروازے پر خود سے الجھتا رہا اور اپنے اندر ہمت پیدا کرتا رہا پھر میں نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔ فرزانہ، میری بہن نے دروازے کی آڑ سے مجھے دیکھ کر تیزی

سے دروازہ بند کر لیا۔ وہ یقیناً مجھے نہیں پہچانی تھی۔

''ٹھہرو۔'' اندر سے اس کی سہمی ہوئی آواز آئی۔

میرے اندر کے غیرت مند انسان نے کہا واپس چلو لیکن ذرا دیر بعد جب میں واپس جانے نہ جانے کے تذبذب میں دروازے پر کھڑا تھا کہ فرزانہ کا ہاتھ دروازے سے باہر نکلا۔ اس کے ہاتھ میں روٹی اور اس پر سالن رکھا تھا۔ یہ دیکھ کر میرے جسم پر رعشہ طاری ہو گیا۔ میں نے سوچا کہ مجھے واپس چلا جانا چاہیے۔ اب اگر میں اندر گیا تو فرزانہ شرمندگی سے آنکھ نہ اٹھا سکے گی۔ میں نے فرزانہ کے بڑھے ہوئے ہاتھ سے روٹی لے لی اور واپس ہونا چاہا لیکن دروازے پر آ کر اور گھر کے اندر سے آنے والی مانوس آوازیں سن کر واپسی کے لئے قدم نہیں ہلے۔ فرزانہ چلی گئی تھی۔ میں نے دوبارہ دستک دی۔ اس بار مالا نے دروازہ کھولا اور مجھ پر ایک اچٹتی نظر ڈال کر اندر ہی سے بولی۔''اب کیا چاہیے؟''

''مالا۔ یہ میں ہوں جمیل۔ دروازہ کھولو۔''

''آپ......آپ......'' مالا ایک دم سامنے آگئی۔''آ......آپ؟''

''ہاں میں، میں آگیا ہوں۔'' میں نے آہستگی سے کہا۔

مالا نے حیران نظروں سے مجھے دیکھا پھر جھٹ دروازہ کھول دیا اور ڈیوڑھی میں وہ بے تابانہ میرے سینے سے چمٹ گئی۔ آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ میں اسے سنبھالا دیتا ہوا اندر لے گیا۔ وہاں دونوں بہنیں تھیں اور بھائی موجود تھا۔ انہوں نے سراسیمگی کی نظروں سے مجھے دیکھا کہ یہ کون پاگل مالا کے کاندھے پر ہاتھ رکھے درانہ گھر میں گھسا چلا آ رہا ہے۔ میں نے فرزانہ کی ندامت دور کرنے کے لئے سب سے پہلے اسے گلے لگایا۔ انہیں مجھے پہچاننے میں دیر نہیں لگی اور پھر ان پر رقت طاری ہو گئی اور انہوں نے مجھ سے طرح طرح کے سوال کرنے شروع کر دیے۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں ایک مصیبت میں گرفتار ہو گیا تھا اور یہ ایک لمبی کہانی ہے پھر کسی وقت سن لینا۔ میرے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ قوت گویائی جیسے سلب ہو گئی تھی۔ صرف آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ سب مجھ سے لپٹے ہوئے تھے اور میں انہیں دلاسے دے رہا تھا۔ اب میں آگیا ہوں، برے دن گزر گئے۔ میرے امتحان کا وقت گزر گیا۔

مالا رانی نے اسی وقت میرے چچا زاد بھائی کو دوڑایا تا کہ وہ چچا جان کو بلا لائے۔ غرضیکہ میری واپسی پر گھر میں خوشیوں کا سیلاب امنڈ آیا۔ مالا نے اسی وقت میرے غسل کا اہتمام کیا۔ میں نے نہا دھو کر حلیہ درست کیا اور شیو بنایا تو ایسا معلوم ہوا جیسے میرا جسم بے وزن ہو گیا ہے۔

دن بھر چچا جان، بھائی اور بہنوں میں گھرا رہا اور انہیں اپنی خود ساختہ روداد سناتا رہا۔ دن میں انہوں نے طرح طرح کے پکوان بنائے۔ فرزانہ نے کوئی دس بار میرے آگے ہاتھ جوڑے کہ اس نے مجھے کوئی فقیر سمجھ کر روٹی دے دی تھی۔

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

رات آئی اور آخر تنہائی کا موقع ملا تو میں نے مالا کا سراپا اپنی آغوش میں پوری طاقت سے سمیٹ لیا۔ میرے دل میں اس وقت اس کے لئے شدید محبت پیدا ہوئی اور میں نے اس سے اپنے جیل کے رویے کی معافی مانگی۔ ساری رات ہم دونوں جاگتے رہے۔ ہمارے جذبات نے کچھ ایسا زور باندھا جیسے ہم پہلی بار ملے ہوں۔ مجھے مالا ایسی تازہ نظر آئی جیسے وہ پریتم لال کے استھان پر ایک جھرنے میں غسل کرتے وقت نظر آئی تھی اور جس طرح پہلی رات کو اس کا حسین ترین چہرہ میرے لیے نیا تھا، اسی طرح اس وقت بھی کھلا ہوا تھا۔ وہ رات میں نے اس کی پلکوں کے سائے میں گزار دی اور اس نے میرے بازوؤں میں۔ جب اتنی مشقتوں اور مصیبتوں کے بعد مالا کی قربت کا یہ دل نشیں موقع ملا تھا تو پھر میرے جذبات کا کیا عالم ہوگا؟ ہم دونوں ایک دوسرے میں تحلیل ہو گئے، جیسے ہم کوئی علیحدہ جسم نہ رکھتے ہو۔ ہماری سانسیں ایک، ہماری روحیں ایک، ہمارے جذبے ایک۔ ہمارے ردِ عمل ایک جیسے، ہم ایسی اکائی ہوں جو دو جسموں کے ارتباط کے بعد وجود میں آئی ہو۔ یہ اکائی زبردست شدتوں کے بعد کہیں پیدا ہوئی ہے۔ مالا نے محسوس کرلیا تھا کہ میں نے چچا جان کو جو روداد سنائی ہے، وہ غلط ہے۔ چنانچہ اس نے اصلیت معلوم کرنے کے لئے ضد شروع کر دی۔ میں نے تھکن کا بہانہ کر کے اسے ٹال دیا اور علی الصباح اس کی آغوش میں سمٹ کر سو گیا۔

چار روز تک میں نے باہر قدم نہیں نکالا۔ مالا نے ان چار دنوں میں متعدد بار مجھ سے واقعات معلوم کرنے کی خاطر اصرار کیا لیکن میں اسے ٹالتا رہا مگر پانچویں دن جب مالا کا اصرار حد سے زیادہ بڑھا تو میں نے شروع سے آخر تک تمام حالات سے اسے باخبر کر دیا۔ البتہ کلپنا کا ذکر میں دانستہ درمیان میں نہیں لایا۔ مالا بڑی توجہ سے یہ الم ناک روداد سنتی رہی۔ جب میں خاموش ہوا تو بولی۔ ''اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟''

''کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔'' میں نے مایوسی سے کہا۔ ''جب تک بدری نرائن زندہ ہے، میری زندگی کو ہر لمحے خطرہ لاحق ہے۔ جگد یو مہاراج اگر جاپ میں مصروف نہ ہوتے تو میں ان سے کوئی مشورہ کرتا۔''

مالا میرے حالات سن کر آبدیدہ ہوگئی۔ اسے فکرمند دیکھ کر خود میرا دل بھی ڈوبنے لگتا تھا۔ کچھ دیر خاموشی مسلط رہی پھر مالا چونک کر بولی۔ ''ایک بات سمجھ میں آتی ہے، اگر آپ میرا مشورہ مانیں تو میسور کی پہاڑیوں میں جا کر کلدیپ کو تلاش کریں۔ بابا نے اسے اپنی داسی بنایا تھا۔ مجھے وشواش ہے کہ کلدیپ آپ کی مدد ضرور کرے گی۔ بابا نے اسے بہت کچھ دان کیا تھا۔''

''کلدیپ!'' میں نے چونکتے ہوئے کہا۔ ایک عرصے بعد کلدیپ کا نام سن کر مجھے خوشی بھی ہوئی اور خود پر غصہ بھی آیا۔ کلدیپ کو میں کتنی جلدی بھول گیا تھا۔ اس کلدیپ کو جس نے مجھ سے شدید محبت کی تھی۔ جس نے قدم قدم پر مجھے سہارا دیا تھا اور بدترین مصائب میں بھی میرا ساتھ نہیں چھوڑا تھا اور

میری خاطر خود جوگن بن گئی تھی اور مالا کو میری جھولی میں ڈال دیا تھا۔ میں اسے بالکل ہی فراموش کر بیٹھا تھا؟ نہ جانے وہ کس عالم میں ہوگی؟ وہ اتنے مضبوط ارادے کی لڑکی تھی کہ اس نے میری خاطر اپنے ماں باپ کو چھوڑ دیا تھا۔ یقیناً وہ اب بھی پریتم لال کے استھان پر اس کی ہدایت کے مطابق تنہا رہ رہی ہوگی اور اس نے اب تک بہت کچھ حاصل کرلیا ہوگا۔ کلدیپ کے نام سے دل کو ایک ڈھارس سی بندھی۔

''کیا سوچ رہے ہیں آپ؟'' مالا نے مجھے سوچوں میں مستغرق دیکھ کر پوچھا، پھر بولی۔ ''میرا من گواہی دیتا ہے کہ کلدیپ نے بابا کے استھان سے بہت کچھ پالیا ہوگا۔ آپ اس سے ملیں، مجھے وشواش ہے کہ دکھ کے دن بیت جائیں گے۔ ہوسکتا ہے بدری نرائن کے سلسلے میں کلدیپ کوئی اپائے ڈھونڈ نکالے۔ یوں بھی وہ ایک محفوظ جگہ ہے، وہاں بدری نرائن کے گندے بیر نہیں پہنچ سکتے۔''

مالا نے اس اندھیرے میں روشنی کی ایک کرن دکھائی تھی۔ اس کے بعد میں کلدیپ ہی کے بارے میں سوچتا رہا۔ پونا کلب میں اس سے ملاقات، ہوٹل میں اس کا ایثار، کشمیر میں اس کا اضطراب۔ وہ سرتاپا عشق تھی۔ اب یاد آئی تو مجھے احساس ہوا کہ میں کتنا کمینہ، خود غرض اور مادہ پرست شخص ہوں۔ میں اسے بھول گیا جس نے اپنی زندگی مجھ پر، اپنے محبوب پر قربان کر دی تھی۔ میں نے اس سے ملنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔

لیکن رات کو مجھے تزئین کی یاد آئی۔ اس کے بارے میں ابھی تک مجھے کچھ معلوم نہیں ہوا تھا۔ اشرفی بیگم کے بالا خانے جا کر تحقیق کرنے میں اندیشے تھے پھر بھی رات کو سیاہ شیروانی پہن کر گھر سے نکلا اور چپ چپاتے بازار حسن میں داخل ہوگیا۔ وہاں وہی رونقیں، وہی جمگھٹے، وہی آوازیں اور خوشبوئیں تھیں۔ میں ان سب سے بے نیاز ایک اوسط درجے کے بالا خانے کے قریب جا کر رک گیا۔ اندر سے نغمہ سرائی کی آوازیں آرہی تھیں اور مجھے یقین تھا کہ یہاں لکھنؤ کے نوابین اور اعلیٰ افسران نہیں پھٹکیں گے۔ ایک زمانہ تھا، جب میں یہاں انکا کی معیت میں دندناتا ہوا آیا کرتا تھا۔ اندر داخل ہوا تو میری پذیرائی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی گئی۔ مغنیہ نے میرے روپے کی دھن پر خوب گایا اور سماں باندھ دیا لیکن اس دن مجھے عیش و طرب، نغمہ و سرور کے ان ہنگاموں سے زیادہ تزئین کی فکر تھی۔ رات کو جب محفل کا رنگ اڑنے لگا اور فانوسوں کی روشنی جھلملانے لگی اور سب لوگ آنکھوں میں موسیقی اور حسن و مستی اور رندی کا سرور لیے اٹھ کھڑے ہوئے تو میں بیٹھا رہا۔ اس عرصے میں، میں اپنی شخصیت کا اظہار بخوبی کر چکا تھا۔ جب دیوان عام برخاست ہوگیا تو میرے لیے ایک خاص محفل سجی۔ میں نے اسی لمحے باتوں باتوں میں اشرفی بیگم کا تذکرہ چھیڑ دیا اور مجھے معلوم ہوا کہ تزئین اب تک لاپتا ہے اور نواب جبن علی خان اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے رہا ہوگیا ہے اور اشرفی بیگم کے بالا خانے کا اب وہ رنگ نہیں رہا جو تزئین کے زمانے میں تھا۔ تزئین کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے بعد اب وہاں میرے رکنے کا کوئی

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

محل نہ تھا۔ میں رات گئے وہاں سے چلا آیا اور دوسرے دن میسور کے سفر کی تیاری کرنے لگا۔ مالا کے مشورے پر یہ بات میں نے چچا جان کو نہیں بتائی۔ ان سے یہ بہانہ کیا کہ میں اپنے کاروبار کی جانچ پڑتال کے لئے کچھ دن کے دورے پر لکھنؤ سے باہر جا رہا ہوں۔

جانے سے پہلے میں نے جیودھاری کنوئیں والے قبرستان میں ایک بار پھر جگد یو سے ملنے کا ارادہ کیا لیکن آٹھ روز گزر جانے کے بعد بھی وہ اسی طرح اپنے منڈل میں دھونی رمائے بیٹھا جاپ میں منہمک تھا۔ میں مایوس ہو کر واپس ہو گیا۔ چلتے وقت میں نے مالا کو اور مالا نے مجھے دزدیدہ نگاہوں سے دیکھا۔ مالا کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل رواں تھا۔ چلتے وقت اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ میں نے اسے سمجھایا کہ پگلی! میں جلد واپس آ جاؤں گا لیکن نہ جانے کیا بات تھی کہ خود میرا دل بھی میرے قابو میں نہیں تھا۔ مالا کو چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا تھا مگر سفر ضروری تھا۔ قسمت میں ابھی اور گردشیں لکھی تھیں۔ بے بس انسان اپنے حالات کا غلام ہے، آخر اسے اشک بار چھوڑ کر لکھنؤ سے روانہ ہو گیا اور میرا دل دھڑکتا رہا۔

☆......☆......☆

میسور کی پہاڑیوں تک پہنچنے میں مجھے کوئی دشواری نہیں ہوئی البتہ جب میں اس خاص مقام تک پہنچ گیا جہاں پریتم لال کا استھان ملنے کی توقع تھی تو راستہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ کئی روز تک میں پہاڑیوں پر بھٹکتا رہا۔ جس جگہ بھی جاتا وہاں کوئی کٹیا نظر نہیں آتی تھی، کوئی جھرنا دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس سے یہ گمان بھی گزرا کہ کہیں اس ویرانی اور تنہائی سے اکتا کر کلدیپ واپس شہروں کی فضا میں نہ چلی گئی ہو۔ حالانکہ کلدیپ جیسی مستقل مزاج لڑکی سے اس بات کی امید نہیں تھی لیکن دور دور تک اس کا نام ونشان نہ تھا۔ میری آس دم توڑ رہی تھی۔ شک اور وسوسوں میں یہ کرب ناک خیال آیا کہ ہو سکتا ہے کلدیپ زندہ نہ ہو۔ جتنے دن گزرتے جاتے تھے، امید ٹمٹمائے جاتی تھی۔ ان دشوار گزار راستوں پر اس کا مسکن تلاش کرتے ہوئے مجھے آٹھ روز گزر گئے لیکن میں نے اپنا سفر جاری رکھا۔ نویں روز صبح کے وقت میں ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں سے جھرنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ جگہ مجھے کچھ مانوس سی لگی۔ مجھے یاد آیا کہ مالا رانی سے یہیں میری ملاقات ہوئی تھی۔ میں درخت وغیرہ پار کر کے جھرنے کے قریب پہنچ گیا۔

اس میں کسی شبے کا امکان نہیں تھا کہ وہ وہی خوب صورت منظر تھا۔ میری مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اب مجھے امید ہو چلی تھی کہ میں بہت جلد پریتم لال کی کٹیا بھی تلاش کر لوں گا۔ میں نے غور سے قرب و جوار کا جائزہ لیا پھر ایک اندازے کے مطابق جھرنے کا راستہ چھوڑ کر اوپر کی جانب چڑھنے لگا۔ کچھ بلندی پر جانے کے بعد ایک لڑکی پر میری نظر پڑی۔ وہ پہاڑی سے نیچے جھرنے کی طرف آ رہی تھی۔

Downloaded from Paksociety.com

فاصلہ چونکہ زیادہ تھا اس لیے میں واضح طور پر اسے نہ دیکھ سکا۔ البتہ دور ہی سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ اسی جنگل کی باسی ہے۔ اس کا بدن صرف ایک ساڑھی میں لپٹا ہوا تھا جس کے ذریعے اس نے اپنے بدن کا اوپری حصہ بھی چھپا رکھا تھا۔ میں نے اس کے قریب پہنچنے کے لئے تیزی سے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ مجھے یقین تھا کہ اگر پریتم لال کی کٹیا اب تک آباد ہے تو یہ لڑکی ضرور میری رہنمائی کرے گی۔ منزل پانے کی خوشی نے آٹھ روز کی تھکن کا احساس مٹا دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں ہمارا درمیانی فاصلہ کم ہو گیا۔ لڑکی کبھی درختوں کی اوٹ میں ہو جاتی، کبھی بل کھاتے راستوں پر آ جاتی اور جب وہ واضح طور پر سامنے آئی تو مجھے سکتہ سا ہو گیا۔ میں نے حیرت سے اپنی آنکھیں ملنی شروع کر دیں اور پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ اس کے خدوخال اور واضح ہو گئے تھے۔ مجھ پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہوئی، میں نے اسے شناخت کر لیا۔ لکھنؤ سے ہزاروں میل دور اس ویران جنگل میں وہ اشرفی بیگم کی لڑکی تزئین تھی۔ اسے یہاں دیکھ کر میرا کیا عالم ہوا ہو گا؟ اسے بیان کرنے کی قدرت مجھ میں نہیں ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میری آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں وہ حقیقت ہے یا میرے مضطرب ذہن نے میری نگاہوں کی آسودگی کے لیے کوئی خیالی ہیولا تراش لیا ہے۔ وہ تزئین تھی، کون تزئین؟ وہ پری جمال لڑکی جس کے لئے لکھنؤ کے زندہ دل نوابین بے چین تھے، وہ تزئین جس نے لکھنؤ میں ہلچل مچا دی تھی۔ جس کے لئے مجھے اذیت ناک مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ قتل ہوئے، لوگوں کی برطرفیاں ہوئیں، اغوا ہوئے، تزئین انتظامیہ اور امرائے لکھنؤ کے درمیان ہمیشہ ایک لاینحل عقدہ بنی رہی۔ وہ تزئین وہ سراپا تمکنت لڑکی باد بہار کی طرح پہاڑی سے نیچے اتر رہی تھی۔ میرے اوسان خطا ہو گئے اور دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ مجھے اپنی نرگس یاد آئی جو ساڑھی میں ملبوس بالکل اسی طرح، اسی انداز میں چلتی تھی۔ تزئین میں نرگس کی شباہت دیکھ کر ہی میرا دل اس کی جانب کھنچا تھا۔ اسے یہاں دیکھ کر میرے اندر کچھ بے نام سے جذبے پیدا ہوئے، وہ جذبے جو صرف تزئین کے لئے مخصوص تھے، میرا ذہن صرف تزئین کی ذات تک محدود ہو کر رہ گیا۔ میں میسور کی پہاڑیوں میں آنے کا مقصد بھی بھول گیا۔ میری بے قرار نظریں تزئین کے سراپا پر جمی ہوئی تھیں اور دل اسے گلے لگانے کے لئے بے چین ہو رہا تھا۔ وہ سنبھل سنبھل کر بے خیالی میں نیچے اتر رہی تھی۔ ابھی تک اس نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔ پھر جب اس کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ ایک لمحے کے لئے ششدر رہ گئی۔ دوسرے ہی لمحے وہ تیزی سے بھاگتی ہوئی میرے قریب آئی اور اکھڑی اکھڑی سانسوں کے درمیان حیرت زدہ لہجے میں بولی۔ ”آپ...... آپ یہاں؟“

”اور تم...... تم یہاں کیسے؟“ میں نے تعجب سے دریافت کیا۔

وہ پٹ پٹاتی آنکھوں سے بولی۔ ”مجھے نہیں معلوم کہ میں کس طرح یہاں پہنچی۔ مجھے صرف اتنا یاد

میری آنکھ کھلی تو میں نے خود کو ان

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

ویران پہاڑیوں پر پڑا پایا۔ اس وقت میری حالت کیا تھی۔ شاید میں اسے بیان نہ کرسکوں، بے شمار وسوسوں نے مجھے گھیر رکھا تھا۔ آخر اسی سیاہ رات میں ایک عورت نے مجھے سہارا دیا نہیں تو میں یقیناً گھٹ گھٹ کر مر جاتی۔ اب بھی جب میں اس دن کے واقعے پر غور کرتی ہوں تو یہ تمام باتیں مجھے خواب کی باتیں لگتی ہیں، آج تک میں اس راز کی تہ نہ پاسکی کہ میں اتنی طویل بے ہوشی کی حالت میں کیسے زندہ رہی؟'' وہ ایک ہی سانس میں رقت بھرے لہجے میں بولی۔

''تزئین! خدا نے تمہیں بچالیا۔'' میں نے اس کی معصوم باتیں سنیں تو بے اختیار ہوکر اسے سینے سے لگالیا۔

تزئین میری اس وارفتگی پر کچھ جھجکی لیکن شاید جلد ہی اسے احساس ہوگیا کہ میرے جذبوں میں کوئی آلائش نہیں ہے۔ وہ تمام تر محبت سے میرے سینے میں جذب ہوگئی اور اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ ''مجھے آپ کا انتظار تھا۔'' اس نے روتے ہوئے کہا۔ ''مگر آپ کو میرا پتا کیسے چلا؟''

''میری جان! میری بیٹی! میں تمہاری عدم موجودگی میں بہت پریشان رہا۔ میں نے طے کرلیا تھا کہ تمہیں اس جہنم سے نکال کر رہوں گا۔ اس دن جب وہ لوگ تمہارا سودا کررہے تھے تو میں تمہارے گھر پہنچا تھا۔ وہاں مجھے معلوم ہوا کہ مجھ سے پہلے ہی کسی اور نے تمہاری عزت بچانے کی ٹھان لی ہے۔ تمہاری پُراسرار گمشدگی سے لکھنؤ میں ایک طوفان مچا ہوا ہے۔ تمہاری ماں نے جسے میں ناگن سمجھتا ہوں، میرے ساتھ بدترین سلوک کیا۔ مجھے جیل میں تمہارے، اپنی بیٹی کے اغوا کے سلسلے میں سزا کاٹنی پڑی۔'' میں نے تزئین کو ان تمام حالات سے آگاہ کیا جن کا میں شکار تھا۔ تزئین میرے پہلو سے لگی میری باتیں سن رہی تھی اور اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ جب میں اسے پوری داستان سنا چکا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میں نے بڑی مشکلوں سے اسے دلاسا دیا۔

''پھر آپ یہاں کیسے آئے؟'' اس نے تجسس سے پوچھا۔

''یہ نہ پوچھو۔ بس قسمت میری حالت زار پر مہربان ہوگئی۔ تم سے ملنا مقدر تھا۔ تمہیں نہیں معلوم تزئین کہ تمہارے لئے میں نے کیا کیا خواب دیکھے تھے؟'' میں نے جذبات سے مغلوب ہوکر کہا۔

''قدرت نے مجھے جن حالات سے دوچار کیا ہے اسی میں بہتری ہے۔ اب میں لکھنؤ کی صورت بھی دیکھنا گوارا نہیں کروں گی۔ اس ویرانے میں بڑا سکون ہے۔ یہاں آکر مجھے اندازہ ہوا کہ کھلی فضا کتنی دلکش اور حسین ہوتی ہے۔''

تزئین کے اوسان بہت دیر میں درست ہوئے۔ بہت دیر تک تو ہم ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھتے رہے اور مختلف قسم کے سوالات کرتے رہے شاید ہم دونوں کو یقین نہیں تھا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہیں۔ [illegible]

اور میری باتوں کو سنتی رہی اور میں مسرت سے اس کے خوب صورت چہرے میں اپنی نرگس کو دیکھتا رہا۔ باتوں باتوں میں، میں نے نرگس کے بارے میں بتایا تو وہ پھر آبدیدہ ہوگئی۔ وہ بچوں کی طرح مجھ سے ضد کرنے لگی کہ اب میں اسے اپنے ساتھ ہی رکھوں۔ جب دل کی ان کیفیات کا خوب اظہار ہو چکا تو مجھے کچھ ہوش آیا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''تم کہاں رہتی ہو؟''

''یہاں سے کچھ فاصلے پر اوپر کی جانب ایک جھونپڑی ہے جہاں میں اور وہ عورت رہتی ہے جس نے مجھے اس ویرانے میں سہارا دیا تھا۔ پہاڑی کا یہ حصہ بالکل ویران رہتا ہے حالانکہ یہاں ہر جگہ سبزہ ہے، پانی ہے مگر کوئی ادھر نہیں پھٹکتا۔ صرف وہ عورت یہاں رہتی ہے اور اب اس کے ساتھ میں بھی ہوں۔ قدرت نے شاید اس دیوی کو میری نگہداشت کے لئے مقرر کیا تھا۔'' تزئین اس عورت سے اپنی وابستگی کا شدید اظہار کرتے ہوئے بولی۔

''دیوی؟'' میں نے چونک کر کہا۔

''جی ہاں۔ وہ ایک دیوی ہے۔ وہ ہمیشہ مجھے دیوی ہی نظر آئی۔ میں نے اس کے ساتھ یہ دن گزار کر زندہ رہنے کا سبق حاصل کیا ہے۔ وہ صبح وشام عبادات میں مصروف رہتی ہے۔'' تزئین نے اس کا تذکرہ احترام اور اشتیاق سے کیا۔

''کیا وہ عورت کوئی ہندو ہے؟'' میں کلدیپ کی موجودگی کا یقین کرلینا چاہتا تھا۔

''ہاں۔'' تزئین نے میرا ہاتھ تھام کر اوپر کی جانب بڑھتے ہوئے کہا۔ ''مگر وہ ایک عظیم عورت ہے۔ آیئے میں اس دیوی سے آپ کو ملواتی ہوں۔''

اب بہت سے اسرار مجھ پر [illegible] ہورہے تھے۔ کلدیپ کی عظمت کا خیال کرکے میرے خون میں غیر معمولی جوش پیدا ہوا۔ میں اسے دیکھنے کے لئے بڑی بے چینی سے اوپر چڑھ رہا تھا۔ کلدیپ نے ہزاروں میل دور رہ کر بھی میرا خیال رکھا اور یہ بات طے ہے کہ کلدیپ ہی کی پُراسرار قوت نے تزئین کی مدد کی تھی، میرے خیال کے زاویے پھیلتے اور سمٹتے رہے۔ مجھے ایک طمانیت حاصل ہورہی تھی کہ اب مجھے کلدیپ کا قرب حاصل ہے۔ کلدیپ جو پریتم لال جیسے بڑے پجاری کی جانشین ہے۔ میں نے اس پہلو پر پہلے کیوں غور نہیں کیا تھا؟ اس کا مجھے بہت افسوس تھا۔ بہرحال اب میں کلدیپ کے پاس بے تابانہ جارہا تھا۔ ہم پہاڑی راستوں سے گزرتے ہوئے اوپر کی جانب ایک مسطح حصے پر پہنچے تو وہ جھونپڑی دیکھ کر قلب کی حالت غیر ہوگئی۔ یہ ساری جگہ میری جانی پہچانی تھی۔

''وہ سامنے رہا میرا خوب صورت گھر۔'' تزئین نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ہرچند کہ دو کمروں پر مشتمل اس ٹوٹے پھوٹے مکان میں لکھنؤ کی پختہ حویلیوں جیسی شان وشوکت نہیں لیکن یہاں ایک سکون ہے، ٹھہراؤ ہے۔''

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

''میں سمجھ رہا ہوں تزئین! تم نے نفس کی پاکیزگی کا عرفان حاصل کرلیا ہے۔ جو ترنم یہاں کے جھرنوں کے گرتے ہوئے پانی میں ہے، وہ لکھنؤ کی کثیف اور آلودہ فضا میں کہاں؟ یہاں آکر تم نے دیکھا ہوگا کہ شہر کے لوگ اپنے اردگرد نمائش سجائے ہوئے ہیں اور اپنی ان نمائش گاہوں میں مضطرب رہتے ہیں۔'' پھر میں نے اس سے پوچھا۔ ''تزئین تم نے اس عورت کا نام نہیں بتایا؟''

''اس کا نام کلدیپ ہے۔ ہے نا خوبصورت نام؟'' تزئین نے آگے قدم بڑھاتے ہوئے میری طرف دیکھ کر کہا۔

''بہت خوب صورت، مگر اس نے تمہاری نگہداشت میں کوئی کمی تو نہیں کی؟'' میں نے شوخی سے پوچھا۔

''کمی؟'' تزئین نے حیرت سے کہا۔ ''وہ ہر اعتبار سے عظیم ہے، پہلے تو مجھے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے جھجک ہوئی لیکن بعد میں پتا چلا کہ اس کے دل میں کتنی پاکیزگی ہے۔''

میں نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔ میں عجیب ذہنی کیفیتوں سے دوچار آگے بڑھا اور جھونپڑی میں داخل ہوگیا۔ کلدیپ مرگ چھالا پہ آنکھیں بند کئے ساکت و جامد حالت میں بیٹھی تھی۔ میں نے ایک عرصے بعد اسے دیکھا تھا، اس لئے بے حد محبت سے اس کے سراپا کا جائزہ لینے لگا۔ میرے دل میں لطیف احساسات پیدا ہو رہے تھے۔ کلدیپ آج بھی نہایت حسین اور جاذب نظر تھی بلکہ پہلے سے زیادہ نکھر گئی تھی۔ اس کا چہرہ تنفس کی مشق سے سرخ ہو رہا تھا۔ گیروے رنگ کے لباس میں وہ آسمان کی کوئی پری یا حور معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے شعلہ رنگ بدن میں وہی پہلے جیسی برق سامانیاں تھیں۔ البتہ چہرے پر ایک تقدس، جلال اور کیفیت تھی۔ یہ غالباً اس کی مسلسل ریاضت کا نتیجہ تھا۔ میں دنیا و مافیہا سے بے خبر کھڑا کلدیپ کا چہرہ تکتا رہا۔ ماضی کی کتنی ہی حسین یادیں ابھر کر ذہن کے پردے پر عریاں ہوئیں۔ یہ پونا کے ایک دولت مند تاجر کی بیٹی کلدیپ تھی جو مجھے ریس کورس اور پونا کلب میں ملی تھی اور وہیں اپنا سب کچھ مجھ پر لٹا چکی تھی۔ اس نے پہلی بار محبت کا عہدہ کیا تھا اور اب تک نبھا رہی تھی۔ پونا کے بڑے بڑے دولت مند تاجر اس کی رفاقت کے لئے منصوبے باندھتے تھے، مجھے رقص کرتی ہوئی، مہذب، تعلیم یافتہ کلدیپ کی یاد آئی جس کی گفتگو میں بلا کی شائستگی تھی اور جو گھڑ دوڑ کی شائق تھی۔ وہ الٹرا موڈرن لڑکی میسور کی دور افتادہ پہاڑیوں میں دیوی کا روپ دھارے برداشت اور ضبط کی مشق کر کے ماورائی قوتوں کی امین ہوگئی تھی۔ میں نے عقیدت سے اسے دیکھا۔ کلدیپ کے چہرے پر ملکوتی مسکراہٹ ابھر کر گہری ہونے لگی۔ اس نے آہستہ سے آنکھیں کھول کر میری جانب نظر کی۔ اس کی آنکھوں میں مقناطیسی کشش تھی۔ میرا دل چاہا کہ میں اسے مرگ چھالا سے اٹھالوں لیکن تزئین کی موجودگی کے باعث میں ضبط کئے رہا۔ اسی لمحے کلدیپ نے ہونٹوں کو جنبش دی اور اس کی مترنم آواز میرے کانوں میں رس گھول

Downloaded from Paksociety.com

گئی۔ ''آؤ جمیل خان! پدھارو۔''

میں نے ایک نظر تزئین پر ڈالی پھر آگے بڑھ کر کلدیپ کے قریب بیٹھ گیا۔ تزئین نے میرا تعارف کرانے کی کوشش کی تو کلدیپ نے اسے ٹوکتے ہوئے پیار سے کہا۔ ''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تم بھول گئیں تزئین، جب تم یہاں آئی تھیں تو میں نے تمہیں بھی تمہارے نام سے پکارا تھا۔''

''میں اپنی غلطی پر شرمسار ہوں دیدی۔'' تزئین نے جلدی سے کہا۔

''منش اگر غلطی نہ کرے تو دیوتا ہو جاتا ہے۔'' کلدیپ نے مسکراتے ہوئے کہا پھر میری جانب اشارہ کر کے بولی۔ ''آج ہماری کٹیا میں ایک مہمان کے چرن آئے ہیں۔ تزئین تم ان کا سواگت کرو، ان کے لئے کچھ کھانے کو لاؤ جب تک میں ان سے باتیں کرتی ہوں۔''

تزئین الٹے قدموں باہر نکل گئی۔ اب کمرے میں، کلدیپ اور میں تنہا رہ گئے۔ میں مسکراتے ہوئے کلدیپ کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ بات کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ آگے بڑھ کر اس کی آغوش میں اپنا سر رکھ دوں لیکن ایک جھجک سی تھی پھر بھی میں نے شدت جذبات میں اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''کلدیپ! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کہاں سے گفتگو کا آغاز کروں۔ تمہیں دیوی کہوں، تمہاری عظمت کے گیت گاؤں یا تمہیں اپنی پہلی جیسی کلدیپ سمجھوں؟ شاید تم مجھے بھولی نہیں ہوگی۔''

''مجھ گناہ گار کو شرمندہ نہ کرو جمیل! کلدیپ تمہارے لئے صرف کلدیپ ہے۔ میں تمہیں کیسے بھول سکتی ہوں۔'' کلدیپ نے مسکرا کر کہا۔

''میں تمہارا مجرم ہوں۔ تم سے معافی کا خواستگار ہوں۔ جب سے تم سے رخصت ہوا، بہت کم سکون ملا۔ میں تمہیں بھول گیا تھا۔'' میں نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

کلدیپ معنی خیز لہجے میں بولی۔ ''کیا تم اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرنے یہاں آئے ہو۔''

''نہیں، لیکن جب سے تمہارا نام ذہن میں آیا، مجھے احساس ہوا کہ میں کتنی بڑی غلطی کا مرتکب ہو رہا ہوں۔ ویسے تمہارے پاس آنے میں میری غرض کو دخل ہے۔ میں کسی طرح تمہارے لائق نہ تھا۔ تمہاری محبتوں کا جواب دینا میرے امکان سے باہر تھا۔'' میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔

کلدیپ نے میری بات کاٹ دی۔ ''مجھے سب معلوم ہے، میں جانتی ہوں جمیل! تم یہاں کس غرض سے آئے ہو۔ مجھے یہ بھی خبر ہے کہ تمہیں میرے پاس آنے کا مشورہ مالا رانی نے دیا تھا۔'' کلدیپ نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''تم حالات کے چنگل میں پھنس کر کلدیپ کو بھول گئے لیکن وشواس کرو جمیل! کلدیپ نے تمہیں ایک پل کو بھی فراموش نہیں کیا۔''

کلدیپ کا جواب سن کر میرا چہرہ ندامت سے جھک گیا۔ میں نے گفتگو کا رخ بدل کر کلدیپ کو

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

اپنی بپتا سنانی شروع کی لیکن میں بھول گیا کہ کلدیپ کو سب کچھ معلوم ہے۔ بہرحال وہ خاموشی سے میری داستان سنتی رہی۔ اس طرح شاید وہ میرا دل رکھنا چاہتی تھی۔ جب میں خاموش ہوا تو اس نے اپنے مخصوص، دھیمے اور شیریں لہجے میں پوچھا۔ ''تم نے مجھے جو کچھ بتایا ہے میں اس سے زیادہ جانتی ہوں۔ کیا ترئین کی یہاں موجودگی اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ میں تم سے کبھی غافل نہیں رہی؟''

''حیرت ہے، مجھے شبہ تک نہیں ہوا کہ تم نے اس کی مدد کی ہوگی لیکن کلدیپ یہ کس طرح ممکن ہوا کہ تم ترئین کو لکھنؤ سے یہاں تک لے آئیں اور کسی کو مطلق خبر نہ ہو سکی۔'' میں نے تعجب سے پوچھا۔

''ان چکروں میں نہ پڑو جمیل! مقام حاصل کرنے کے لئے من مارنا پڑتا ہے۔ مجھے جو کچھ پراپت ہوا ہے۔ وہ صرف تمہاری اور پریتم لال مہاراج کی کرپا سے حاصل ہوا ہے۔ تم نے مجھے یہاں تک لانے کا احسان کیا اور میں ایک دھرماتما پریتم لال سے مل لی۔'' کلدیپ نے محبت سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''لیکن کلدیپ یہاں تمہارا دل اکتاتا تو ہوگا؟ باہر کی باتیں یاد تو آتی ہوں گی۔ کبھی کبھی من چٹکیاں تو لیتا ہوگا؟'' میں اب اس سے کھل کر باتیں کر رہا تھا۔

''من ہمیشہ فریب کھاتا ہے۔ میں نے جو کچھ پایا ہے، وہ بہت بڑا انعام ہے۔'' کلدیپ اپنے لہجے میں چھپی ہوئی حسرت نہ چھپا سکی۔

ترئین کے واپس آجانے سے ہماری گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ترئین میرے لئے ابلی ہوئی سبزیاں اور پھل لے کر آئی تھی۔ میں نے سیر ہو کر کھایا اور ہم تینوں ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے پھر ترئین نے مجھے دوسرا کمرا دکھایا جہاں اس کا قیام تھا۔ یہاں پیال کے فرش کے سوا کوئی اور چیز نہیں تھی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ ترئین جیسی لڑکی جو نرم و نازک بستروں کی عادی ہو، وہ کیسے اس کھردری زمین پر سو جاتی ہے۔ میں اس پیال پر دراز ہو گیا۔ ترئین میرے پاس بیٹھی ہوئی کلدیپ اور اس کی شفقتوں کے بارے میں بتاتی رہی۔ اس غریب کو کیا معلوم تھا کہ کلدیپ کبھی میرے دل کی دھڑکنوں کا نام تھی یا یوں کہئے کہ کبھی میں کلدیپ کے دل کی دھڑکن تھا۔ میں دل ہی دل میں مسکرا کر ہوں، ہاں کرتا رہا پھر ترئین کے جانے کے بعد سو گیا۔ آٹھ روز کی مسلسل تھکن نے مجھے خوب سلایا۔ بہت دنوں بعد میں نے سکون کی ایک رات گزاری۔

دو روز پلک جھپکتے بیت گئے۔ ترئین اور کلدیپ ہمہ وقت میری پذیرائی میں لگی رہتیں۔ میں ترئین کے ساتھ دور جنگل میں نکل جاتا اور واپسی پر ہم تینوں ساتھ مل کر کھانا کھاتے۔ کلدیپ کا زیادہ وقت اپنے گیان دھیان میں صرف ہوتا۔ کلدیپ سے تنہائی میں بات کرنے کا کوئی موقع نہیں مل رہا تھا۔ تیسرے روز جب ترئین جھرنے کی طرف گئی تو میں نے کلدیپ سے بدری نرائن کا ذکر چھیڑ دیا۔ میں

نے اسے بتایا کہ جب تک وہ منحوس پنڈت زندہ ہے، میری زندگی تلخ رہے گی۔

کلدیپ نے میری باتیں سننے کے بعد سنجیدگی سے کہا۔ ''جمیل، مجھے معلوم ہے کہ اس کے من میں تمہاری طرف سے کتنا کھوٹ بھرا ہے اور اس کے وچار کیا ہیں۔ پرنتو ہر بات وقت پر ٹھیک ہوتی ہے۔ وقت ابھی دور ہے۔ تمہیں انتظار کرنا ہوگا لیکن اگر تم نے جگدیو مہاراج کا کہا مان لیا ہوتا تو اس وقت حالات کچھ اور ہوتے۔''

''غلطیاں تو زندگی بھر ہوتی رہی ہیں کلدیپ! یہ بتاؤ اب کیا، کیا جائے۔ کیا اب کچھ نہیں ہو سکتا؟'' میں نے مضطرب ہو کر پوچھا۔

''مایوس ہو مت جمیل! مجھے معلوم ہے کہ تم نے کتنے دکھ اٹھائے ہیں۔ تمہاری اور مالا رانی کی حفاظت کرنا میرا دھرم ہے لیکن ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ بدری نرائن اپنی سزا کو پہنچے۔'' کلدیپ نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''تمہیں اتنا حواس باختہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو ہونا ہے وہ تو ہو کر ہی رہے گا۔''

''کلدیپ، شاید تم یہ بات محسوس نہ کرو مگر سچ تو یہ ہے کہ جب سے انکا گئی ہے، میں ذہنی عدم توازن کا مریض ہو گیا ہوں۔ انکا میری ضرورت بن گئی تھی۔ اب میں خود کو بے دست و پا محسوس کرتا ہوں۔ کیا تم میرے لئے ایک کام نہیں کر سکتیں؟ تم مجھے کسی طور پر انکا واپس لا دو۔ اگر تم کوئی ایسا جاپ شروع کر دو تو چالیس دن کے اندر اندر تم انکا کو حاصل کر سکتی ہو۔ تمہارے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔''

''انکا سے بہت پیار ہے تمہیں؟ مگر انکا تو بڑی ہرجائی ہے۔ وہ طوطا چشم ہے۔'' کلدیپ نے شوخی سے کہا۔

''ہاں وہ ہرجائی ہے مگر مجبور بھی تو ہو جاتی ہے، وہ جس کی غلام ہو جاتی ہے پھر اسی کی ہو جاتی ہے۔'' میں نے کہا۔

''مگر جمیل، میں انکا کا جاپ نہیں کر سکتی۔ اس لئے کہ میری نگاہیں اگر پابند ہو جائیں تو بڑا غضب ہو جائے گا۔ میں خود کو محصور کر کے اپنی ذمہ داریوں سے کیسے کنارہ کشی کر لوں؟'' کلدیپ نے الجھتے ہوئے کہا۔

''میری سمجھ میں تمہاری بات نہیں آ رہی ہے۔ میرا خیال ہے تم آج ہی انکا کے حصول کا جاپ شروع کر سکتی ہو اور اس طرح بدری نرائن کا غرور توڑ سکتی ہو۔'' میں نے زور دے کر کہا۔

''اس وقت یہ ممکن نہیں ہے کہ انکا تمہیں مل جائے۔ میں نے تم سے کہا نا کہ وقت سے پہلے بہت سی باتوں کے لئے مت اصرار کرو۔''

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

میں کلدیپ کے لہجے سے سہم سا گیا اور خاموش ہو گیا پھر کچھ دیر بعد میں نے خود ہی سکوت توڑا۔

''انکا کی موجودگی سے ڈھارس بندھی رہتی تھی۔ اب میں خود کو خالی خالی محسوس کرتا ہوں۔ یہ انکا ہی کا کرم تھا کہ اس نے مجھے تم سے ملوایا تھا۔ یاد ہے تمہیں؟''

''مجھے سب کچھ یاد ہے جمیل! ایسی باتیں بھول کون سکتا ہے؟'' کلدیپ جذباتی لہجے میں بولی۔ ''مگر وہ باتیں ایک خوب صورت خواب کے سوا اور کچھ نہیں تھیں۔ تم بھی وہ باتیں بھول جاؤ، میں نے اپنی ایک اور دنیا بنالی ہے۔ دنیا سے میرا رشتہ صرف اتنا ہے کہ تم اس دنیا میں رہتے ہو۔ تم نے مالا رانی کو جیون ساتھی بنالیا ہے۔ اب ان باتوں کی تکرار سے کیا حاصل!''

بیتی باتوں کا ذکر چلا نکلا تو فضا بوجھل سی ہو گئی۔ کلدیپ شاید ماضی میں کھو گئی تھی لیکن فوراً ہی اس نے خود پر قابو پایا اور کہنے لگی۔ ''انکا کسی نہ کسی صورت سے تمہارے پاس آ جائے گی۔''

کلدیپ کی اس یقین دہانی کا یقیناً کوئی مطلب تھا، میں سمجھ گیا کہ وہ اس سلسلے میں جلد ہی کوئی مثبت قدم اٹھائے گی پھر میں نے کلپنا کا ذکر چھیڑا تو کلدیپ بولی۔ ''تم اسے اپنی انکا کا نعم البدل سمجھو، مہان شکتیوں نے اسے تمہاری سہائتا کے لئے جنم دیا ہے۔ جب تمہارے دکھ کے دن بیت جائیں گے تو کلپنا کا کام بھی ختم ہو جائے گا۔''

''مگر کلدیپ وہ وقت کب آئے گا جب بدری نرائن کے عتاب سے مجھے نجات ملے گی۔ میں اب تھک چکا ہوں۔'' میں کسی نہ کسی طرح بار بار بدری نرائن کا ذکر درمیان میں لے آتا تھا۔

''جمیل! کالی کی بھگتی نے اسے مغرور بنا دیا ہے لیکن اسے ایک دن پچھتانا پڑے گا۔ حالات ضرور بدلیں گے۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ اتنی جلد پلک جھپکتے ہی یہ تماشا ختم ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو کیا کلدیپ تمہاری مدد سے گریز کرتی۔''

''آج کل وہ کہاں ہے؟'' میں نے دریافت کیا۔ ''کلپنا سے آمنا سامنا ہونے کے بعد وہ مجھے نظر نہیں آیا۔''

''وہ بدبخت کلپنا کا راز جاننے کے لئے بیاکل ہے اسی لئے اس نے انکا کو تمہارے سر پر بھیجا تھا مگر اسے مایوسی ہوئی۔''

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بدری نرائن کلپنا کی شکتیوں کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔''

''نہیں...... تم غلط سمجھ رہے ہو۔ پُراسرار قوتیں ایک دوسرے کے ساتھ الجھنے سے گریز کرتی ہیں۔ تاوقتیکہ انہیں دیوتاؤں کی تائید حاصل نہ ہو جائے۔ کلپنا نے اپنے متعلق اتنی احتیاط کر لی تھی کہ اس کی حیثیت بدری نرائن کی نظروں سے روپوش رہے۔ اس لئے انکا اور بدری نرائن دونوں اس سے لاعلم رہے۔''

Downloaded from Paksociety.com

''کہیں کلپنا اور جگدیو مہاراج ایک ہی شریر کے دو روپ تو نہیں ہیں۔'' میں نے اپنے شبہے کی تصدیق چاہی۔

کلدیپ نے ٹالتے ہوئے کہا۔ ''میں اتنی ساری باتیں نہیں بتا سکتی۔ سمے آنے دو۔''

''صرف ایک بات اور، کیا کلپنا مجھے دوبارہ مل سکے گی؟''

''ہاں اگر تم پر بھگوان نہ چاہے، کوئی بپتا نہ پڑی تو وہ ضرور تمہاری مدد کرے گی۔''

''کلدیپ۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ میں کلپنا سے خود بھی کسی تپسیا کے بغیر مل لیا کروں۔''

''کیوں؟'' کلدیپ نے تیزی سے پوچھا۔

''یوں ہی۔'' میں نے شرارت سے کہا۔ ''وہ بہت حسین ہے، اسے دیکھنے اور اس سے باتیں کرنے کو دل تڑپتا ہے۔''

''تمہارا من ابھی تک سندر ناریوں سے بھرا نہیں؟'' میں نے ایک ایسی بات کہہ دی تھی کہ کلدیپ اپنے تمام جوگ تپسیا کے باوجود ہنس پڑی۔

''کبھی کبھی اچھی چیزیں دیکھنے اور اچھی صورتوں سے ملنے کو جی چاہتا ہے۔''

''اب ان شرارتوں سے باز آ جاؤ!'' کلدیپ نے مجھے پیار سے گھورتے ہوئے کہا۔ ''مالا رانی جیسی سندر پتنی کے ہوتے تمہیں دوسری عورتوں کے بارے میں نہیں سوچنا چاہئے۔''

''یہ تم کہہ رہی ہو؟'' میں بدستور شوخی سے بولا۔ ''کیا تمہیں یاد نہیں کہ تم نے نرگس کے ہوتے ہوئے بھی میری داسی بننے کی خواہش ظاہر کی تھی۔'' میں کلدیپ کو اور قریب کرنے کے لئے پچھلی باتوں کا اعادہ کرنا چاہتا تھا۔

اس وقت مجھے اتنی سوجھ بوجھ کہاں تھی؟'' کلدیپ نے کسی قدر شرما کر کہا۔

حیا کی سرخی نے اس کا پنڈا گلنار کر دیا تھا، میری محبوبہ کلدیپ میرے ساتھ رہتی تھی اور میں اس کے قریب دوسرے کمرے میں سوتا تھا۔ اس کی شیریں باتیں سن کر اور اس کا حسین چہرہ دیکھ کر مجھے وہ دن یاد آ جاتے تھے جب کلدیپ میرے ساتھ رہا کرتی تھی۔ یہاں آ کر شروع شروع میں تو میں اس کٹیا اور یہاں کے ماحول کے خوف سے لئے دیئے رہا لیکن جب کلدیپ سے بہت سی باتیں ہوئیں اور اس نے اپنے جاہ و جلال کے باوجود میری پذیرائی میں کوئی کمی نہ کی تو میرے اندر کی جھجک ختم ہو گئی۔ اس عرصے میں کئی بار میرے بازو اسے آغوش میں لینے کے لئے تڑپے اور اب جب کہ گفتگو ایسے مرحلے میں داخل ہو گئی جہاں کلدیپ جھجکنے اور شرمانے لگی تو میں اٹھا اور پھر میں نے کسی بات کا خیال نہیں کیا اور بڑھ کر کلدیپ کو سینے سے لگا لیا۔ کلدیپ کسمسانے لگی۔ ''یہ پاپ ہے۔ جمیل! مجھ سے دور ہٹو۔''

''نہیں کلدیپ۔ یہ پاپ نہیں ہے، پریم ہے، پاپ نہیں ہے۔'' میں نے اس کے کسمسانے اور

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

تڑپنے کے باوجود اس کے یاقوتی ہونٹوں پر اپنی شدتوں کی مہر ثبت کردی۔ کلدیپ کسی زخمی ہرنی کی طرح تڑپتی رہی اور میں اپنے بے ربط جملوں اور اپنی بے ہنگم حرکتوں کے ساتھ اس سے اظہار محبت کرتا رہا۔

کلدیپ مہان شکتی ہونے کے باوجود ایک عورت تھی، گوشت پوست کی عورت۔ میں نے اس کے اندر کی چھپی ہوئی دوشیزہ کو آواز دی تو اس کے جذبات میں ہلچل مچ گئی۔ وہ گوشت پوست کی عورت اپنے محبوب کے لمس کی گرمی سے پگھلنے لگی۔ وہ منع کرتی رہی لیکن میں نے اسے بولنے کا موقع نہیں دیا۔ میں نے اس کے ہونٹوں پر پہرے بٹھا دیئے۔ میں نے اس کے مچلتے بازوؤں کو اپنے سخت بازوؤں سے شکست دے دی اور جب وہ پوری طرح میرے سینے سے لگ گئی اور مجھے اس کا سانس اکھڑتا ہوا معلوم ہوا تو میں نے نرمی اور شگفتگی سے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا اور اپنے وحشی انداز میں ملائمت پیدا کردی۔

کلدیپ میرے سینے سے نہیں ہٹی۔ شاید اسے احساس ہوگیا تھا کہ میرا مقصد اس کنیا کو آلودہ کرنا نہیں تھا بلکہ صرف مجھے اپنے جذبات کا اظہار مقصود ہے۔ میرے نرم اور شیریں رویئے سے اس کے چہرے پر ایک سکون سا پیدا ہوا اور اس نے اپنا سر میرے سینے سے ٹکا دیا۔ اس کی خودسپردگی کے انداز میں ایک وقار تھا۔

اس کے لبوں کی چاشنی میرے جسم میں گھلی تو مجھے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا دوبھر ہوگیا۔ کلدیپ کے اندر جو آتش فشاں موجود تھا، وہ میری حرارت پا کر بھڑکنے کے لئے بے چین تھا۔ اس نے بے خودی کے عالم میں میرے بال پکڑ لئے۔ میں نے اس کی سرشاری دیکھ کر اسے خود سے اور قریب کرلیا لیکن اس مستی اور سرشاری میں وہ اچانک تڑپ کر بجلی کی طرح میرے پاس سے ہٹ گئی، اس کی آنکھیں شعلے اگلنے لگیں۔ وہ اپنا نچلا ہونٹ شدت سے چبانے لگی۔ اس کے چہرے پر شدید غم و غصے کے آثار تھے۔ میں ایک لمحے کے لئے سہم گیا۔ اس کے انداز میں وحشت تھی۔ مجھے گمان ہوا کہ کلدیپ میری جذباتی حرکات سے ناراض ہوگئی ہے۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا اور میں نے دبی زبان سے کہا۔ ”کلدیپ تمہیں دیکھ کر خود پر قابو نہ رہا۔ میں ماضی میں گم ہوگیا تھا۔“

کلدیپ نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے تھے۔ وہ نڈھال سی ہوکر گر پڑی اور اس نے اپنا سر تھام لیا۔ اس کیفیت سے میں اور نادم ہوا اور میں نے نرم لہجے میں کہا۔ ”آئندہ ایسی غلطی کا اعادہ نہیں ہوگا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔“

”جمیل! ان باتوں سے کیا فائدہ؟“ کلدیپ نے رندھی ہوئی آواز میں جواب دیا اور پھر دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا کر سسکنے لگی۔

”کلدیپ، کلدیپ!“ میں نے تڑپ کر کہا۔ ”تمہیں دیوی دیوتاؤں کا واسطہ۔ مجھے معاف کردو۔ میری نیت بری نہیں تھی۔ اپنے آنسو پونچھ ڈالو۔ یہ میرے دل میں نشتر بن کر چبھ رہے ہیں۔“

میری التجا کے جواب میں کلدیپ کی سسکیاں اور تیز ہوگئیں۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا [illegible]

اچانک اس پر یہ کس قسم کا دورہ پڑ گیا ہے؟ کیا اسے پریتم لال کی آتما نے سرزنش کی ہے؟ آخر کیا بات ہے؟ میں نے بجھی ہوئی آواز میں کہا۔ ”میں ہاتھ جوڑتا ہوں، کلدیپ اپنے آنسو روک لو۔ میں نے تمہارا پوتر شریر چھو کر بھول کی ہے۔ تم اس کے عوض جو چاہو سزا دے لو لیکن مجھ سے روٹھو نہیں۔ مجھے معاف کردو۔ تمہیں مالا رانی کی سوگند۔“

میرا یہ جملہ اثر کر گیا۔ کلدیپ نے مالا رانی کا نام سن کر جلدی سے آنسو پونچھ ڈالے لیکن اس کا چہرہ بدستور غضب ناک رہا۔ چند ثانیوں تک وہ خود سے الجھتی رہی اور مجھے گھورتی رہی۔ ابھی میں اس سے مزید کچھ کہنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اس نے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ ”بدری نرائن کی بربادی کا سمے آگیا جمیل! میں تمہیں بتا دوں گی کہ اس کا انجام کتنا بھیانک اور عبرت ناک ہوگا۔ میں اسے ایسا شراپ دوں گی کہ اس کی آتما تک بیاکل رہے گی۔“

کلدیپ کے منہ سے اس وقت بدری نرائن کا نام سن کر میرا ماتھا ٹھنکا۔ کوئی اندرونی خوف میرے دل کو کچوکے لگانے لگا۔ میں نے کلدیپ سے پوچھا۔ ”تمہیں اس وقت وہ منحوس پنڈت کیسے یاد آگیا۔“

”جمیل! صرف چند لمحوں کی چوک ہوگئی۔ مجھے زندگی بھر اس کا قلق رہے گا۔ مجھے اپنے نفس کے فریب کی اچھی سزا ملی۔“ کلدیپ نے قہر آلود لہجے میں کہا۔ ”وہ ہماری بھول سے فائدہ اٹھا گیا۔ ہم نے اسے موقع فراہم کردیا کہ وہ اپنا وار کرسکے۔ تمہاری بانہوں میں سمٹ کر میں اپنے ماضی میں چلی گئی تھی۔ بس اسی ایک پل کا وہ دشٹ منتظر تھا۔ وہ پاپی اسی لمحے وار کر گیا۔ اس کے گندے بیر مالا رانی کی تاک میں بیٹھے تھے۔ میری نظر اوجھل ہوئی تو انہوں نے اپنا کام کردیا۔“

”کیا! کلدیپ کیا۔“ میں چیخ پڑا۔ کلدیپ کے آخری جملے کا مفہوم سمجھ کر مجھے ایسا لگا جیسے زمین میرے پیروں تلے سے نکل گئی۔ میرا سارا وجود لرز کر رہ گیا۔ ذہن میں بھونچال سا آگیا۔ آنکھوں کے نیچے گھپ اندھیرے لپک اٹھے۔ میں نے کلدیپ کو ایک ہاتھ سے جھنجوڑتے ہوئے کہا۔ ”تم کیا کہہ رہی ہو کلدیپ۔ اس موذی شخص نے میری مالا رانی کو بھی مجھ سے جدا کردیا۔“

”ہاں جمیل! وہ ہماری غفلت سے اپنا وار کر گیا۔“

”مالا!“ میں نے ایک فلک شگاف چیخ ماری اور دیوانوں کی طرح اٹھ کر باہر کی طرف بھاگا۔ مالا کے مرنے کی اندوہناک اطلاع نے مجھ پر جنون طاری کردیا تھا۔ مجھے کچھ ہوش نہیں تھا کہ میں کس سمت جا رہا ہوں۔ اس ناقابل برداشت سانحے کی خبر نے میرے دل و دماغ معطل کردئے تھے۔ میں اپنے آپ میں نہیں تھا۔ میری زندگی میں اب باقی کیا بچا تھا جو میرے حواس برقرار رہتے۔ میری دنیا لٹ چکی تھی۔ میں پاگلوں کی طرح بھاگتا ہوا نیچے اتر رہا تھا کہ اچانک مجھے ٹھوکر لگی اور میں پتھروں پر الٹ گیا۔ [illegible] میرے حواس سے میرا رشتہ ٹوٹ

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

گیا۔

مجھے مطلق علم نہیں کہ میں کس طرح اپنے چچا جان کے مکان پر پہنچا۔ جب میری آنکھیں کچھ دیکھنے کے قابل ہوئیں تو میں نے خود کو چچا جان کے گھر میں اپنی بہنوں اور بھائی کے درمیان گھرا ہوا دیکھا۔ ہوش آنے پر میں نے مالا کا نام لے کر چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ پھر مجھ پر وحشت کا دورہ پڑا تو میں دوبارہ بے ہوش ہو گیا۔ ایک ہفتے تک میری یہی حالت رہی۔ گھر والے میری مخدوش حالت سے پریشان تھے اور مجھے طرح طرح کے حکیموں اور ڈاکٹروں کو دکھا رہے تھے۔ میں جب بھی ہوش میں آتا، چچا جان اور بہنوں کو قریب پاتا اور جب چچا جان مجھے صبر کی تلقین کرتے تو زخم اور ہرے ہو جاتے۔ مالا کی یاد میں پہروں آنسو بہانے کے سوا مجھے کوئی کام نہ تھا۔ میں اپنی بد قسمتی پر جتنا بھی ماتم کرتا کم تھا۔ کوئی دس بارہ روز بعد میری حالت کچھ سدھری۔ میں پہلی فرصت میں کلدیپ کے پاس واپس جانا چاہتا تھا تاکہ بدری نرائن کو کتے کی موت ماروں۔

چلنے پھرنے کے قابل ہونے کے بعد سب سے پہلے میں چچا جان کے ہمراہ قبرستان گیا جہاں میرے ارمانوں کی لاش، میری مالا دفن کی گئی تھی۔ فاتحہ پڑھنے کے بعد پھر گریہ طاری ہو گیا۔ میں نے قبر کا تعویذ پکڑ کر اس سے اپنا سر ٹکرانا شروع کر دیا اور چیخنے لگا۔ ”تمہارا خون رائگاں نہیں جائے گا۔ مالا، تمہارا خون رائگاں نہیں جائے گا۔“ چچا جان نے مجھے اپنے ناتواں جسم کے پورے زور سے ہٹانے کی کوشش کی تو میں نے انہیں بھی دھکا دے دیا۔ آخری بڑی مصیبت سے وہ مجھے گھر لانے میں کامیاب ہو سکے۔

لکھنؤ سے میرا دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ میں نے واپس میسور جانے کی ٹھان لی، اب یہی ارادہ تھا کہ بدری نرائن کو ختم کر کے اپنی زندگی کے آخری دن کلدیپ کی پہاڑی پر گزار دوں۔ چچا جان اور بہنوں نے روکنے کے لئے بہت اصرار کیا مگر آخر میری ضد کے آگے انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ آخر مجھے ان سے وعدہ کرنا پڑا کہ میں جلد ہی ان کے پاس واپس گھر آؤں گا۔ گھر سے نکل کر میں سیدھا اسٹیشن کی جانب چل پڑا۔ لکھنؤ کی دیواریں، دکانیں، سڑکیں اور مکانات ان سب سے مجھے نفرت ہو رہی تھی اور میرا دل چاہا تھا کہ ان سب کو مسمار کر دوں۔ اسٹیشن کے قریب جب میں تانگے سے اتر رہا تھا تو دفعتاً کسی نے میرا نام لے کر پکارا۔ آواز مانوس تھی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو سادھو جگدیو میری پشت پر موجود تھا۔ اس کے چہرے کے اداس تاثرات دیکھ کر میں نے اندازہ لگایا کہ اسے حالات کا علم ہو چکا ہے۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ جگدیو نے میرے قریب آتے ہی کہا۔ ”بالک! تیرے اوپر جو بیتی ہے، اس کا مجھے افسوس ہے۔ میں منڈل میں بیٹھا ہوا تھا اس لئے باہر نہیں آ سکتا تھا۔ میری موجودگی میں وہ یہ جرات نہیں کر سکتا تھا۔ مالا رانی میرے متر پریتم لال کی نشانی تھی۔ اس کا دکھ مجھے کم نہیں ہوا۔ پرنتو یہ سب بھاگیہ کے

کھیل ہیں۔ تمہیں اب صبر و ہمت سے کام لینا ہوگا۔“

”مہاراج!“ میں نے جگدیو کے لہجے کا تاثر محسوس کر کے کہا۔ ”اس کا قاتل تو میں ہوں۔ تم منڈل میں بیٹھے ہوئے تھے اور دوسری طرف کلدیپ کو میں نے غافل کر دیا۔ اب میرے اندر صبر کا یارا نہیں ہے، مجھے اس کا خون چاہئے۔ اس کمینے نے پہلے نرگس کو اپنے ستم کا نشانہ بنایا پھر انکا کو چھینا اور اب مالا کو مار ڈالا۔ مہاراج! اب تو میری سہائتا کرو۔“

”بالک! تیرے من میں جو جوالا مکھی سلگ رہا ہے، میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ بدری نرائن نے مجھے بھی للکارا ہے۔ میں تیری سہائتا کرنے پر تیار ہوں پرنتو تجھے ابھی انتظار کرنا ہوگا۔“ جگدیو نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔ ”بدری نرائن نے کالی کے مندر سے باہر آتے سمے دیوی سے دو موسموں کی رکشا دان مانگی تھی جسے دیوی نے بدری نرائن کے جاپ سے خوش ہو کر منظور کر لیا تھا۔ جب تک یہ مدت پوری نہ ہو لے، ہم اسے کشٹ نہیں دے سکتے۔“

جگدیو کی زبانی یہ احوال سن کر میرا چہرہ لٹک گیا۔ کلدیپ نے بھی مجھ سے یہی کہا تھا کہ ابھی بدری نرائن سے انتقام لینے کا وقت نہیں آیا ہے۔ گویا ابھی مالا رانی اور نرگس کے قاتل کو ایک بڑی مدت تک کھلی چھٹی حاصل تھی۔ میں چند لمحے پیچ و تاب کھاتا رہا پھر کچھ سوچ کر بولا۔ ”مہاراج! اگر وہ دیوی کی دان کی ہوئی مہلت ختم ہونے سے پہلے ہی دوبارہ مندر میں جا چھپا تو کیا ہوگا؟“

”اس کی چنتا مت کر بالک! اس کا اپائے بھی ہو جائے گا۔ بدری نرائن اب کالی کے مندر میں نہیں چھپ سکے گا۔“ جگدیو نے پُریقین لہجے میں کہا۔ ”اور میں تمہیں وشواس دلاتا ہوں کہ اس عرصے میں وہ تمہیں کوئی نقصان بھی نہیں پہنچائے گا۔“

میں جگدیو کی بات سن کر خاموش ہو گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ مجھے رہ رہ کر اپنی اس نادانی کا خیال آ رہا تھا جو میں نے کلدیپ کے ساتھ کی تھی۔

”جو کچھ بیت چکا اسے بھول جاؤ بالک! منش بنو اور اپنے شریر میں حوصلہ برقرار رکھو۔“ جگدیو نے مجھے شفقت آمیز لہجے میں کہا۔ ”میری بات مانو تو سمندر پار کسی جگہ چلے جاؤ۔ وہاں تمہارا غم بھی غلط ہو جائے گا اور تمہارے ٹوٹے ہوئے ہاتھ کا علاج بھی ہو جائے گا۔“

”اب ٹوٹے ہوئے ہاتھ کا علاج کرا کے کیا کروں گا مہاراج؟“ میں نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

”جیون سے نراش ہونا پاپ ہے میرے بچے!“ جگدیو نے مجھے پیار سے مخاطب کیا۔ ”کون جانے آج کے اندھیرے کل پھر روشنی میں بدل جائیں۔ تم نے پہلے میری بات مانی ہوتی تو آج یہ حالات نہ ہوتے۔“

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

جگد یو دیر تک مجھے نصیحتیں کرتا رہا۔ اس کے لہجے میں پہلی بار میں نے شفقت اور نرمی دیکھی تھی۔ میں روتا رہا اور مجھے وہ سمجھاتا رہا۔ اس کا مشورہ نہ مان کر میں اس حالت کو پہنچ گیا تھا۔ جب جگد یو نے مجھے دوسری بار ملک سے باہر جانے کا مشورہ دیا تو میں انکار کی جرات نہ کر سکا۔ یوں بھی میرے لئے سارے علاقے ایک جیسے تھے۔ آدمی کا دل دکھا ہوا ہو تو علاقوں کی تبدیلی کیا حیثیت رکھتی ہے؟ یہاں قدم قدم پر ٹھوکریں نصیب ہوئی تھیں پھر میں نے بجھے دل سے اپنی رضامندی کا اظہار کیا تو جگد یو مجھے آشیرباد دیتے ہوئے بولا۔ ''سدا سکھی رہو بالک! تم نے میری بات رکھ کر میرا مان بڑھایا ہے۔ میں اس سمے تمہیں کچھ دان کرنا چاہتا ہوں۔''

میں نے وضاحت طلب نظروں سے جگد یو کی طرف دیکھا تو ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی لیکن دوسرے ہی لمحے وہ پُرسکون اور پُروقار انداز میں مخاطب ہوا۔ ''بالک! تم نے یہ نہیں پوچھا کہ جب تم کلپنا کی تلاش میں اس کی کٹیا تک گئے تھے تو میں وہاں کس جاپ میں مگن تھا؟ میں نے بدری نرائن سے انکا کو چھین لیا ہے۔ میں تمہاری انکا رانی کو حاصل کرنے کے لئے جاپ کر رہا تھا۔ دیوی دیوتاؤں کی مرضی یہی تھی کہ میں ایسا کروں۔''

''مہاراج!'' میں نے وفورِ مسرت سے کہا۔ انکا کا نام سن کر میری حالت متغیر ہو گئی۔ میں نے سادھو جگد یو سے پوچھا کہ انکا اب کہاں ہے؟ لیکن اس سے پہلے کہ میں اپنے دل کی بات زبان پر لاتا، مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے انکا میرے سر پر واپس آ گئی ہے۔ میں نے سر کی جانب نظر اٹھائی تو انکا واقعی وہاں موجود تھی۔

''میں نے اسے بدری نرائن سے چھین لیا ہے میرے بچے!'' جگد یو کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ ''اب یہ کھلونا سنبھال کر رکھنا۔ یہ مالا رانی کا غم بڑی حد تک دور کر دے گی۔''

میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں کس زبان سے سادھو جگد یو کے احسان کا شکریہ ادا کروں۔ اس نے تو حد ہی کر دی تھی۔ اس نے انکا جیسی انمول طاقت اس طرح میری جھولی میں ڈال دی تھی جیسے وہ کوئی بہت معمولی چیز ہو لیکن اس نے مجھے شکر گزاری کے الفاظ ادا کرنے کا موقع نہیں دیا۔ وہ فوراً ہی میری نظروں سے اوجھل ہو گیا اور میں اسے چہار سمت آواز دیتا رہا۔

''وہ جا چکا ہے۔'' انکا نے مجھ سے کہا۔ میں نے اپنے سر کی جانب نظر کی۔ وہاں انکا بیٹھی ہوئی تھی۔ سادھو جگد یو میری نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس نے چالیس روز تک ایک کٹھن جاپ کر کے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی اور پھر انکا جیسی پُراسرار طاقت کو یوں میری جھولی میں ڈال دیا جیسے وہ اس کے لئے کوئی معمولی چیز ہو۔ یہ اتنا بڑا احسان تھا جس کی توقع میں نے کبھی سادھو جگد یو سے نہیں کی تھی۔ میں نے جب انکا کو اپنے سر پر محسوس کیا تو میری مسرت کی انتہا نہ رہی۔ میرے

محسن نے مجھے شکریے کا موقع بھی نہیں دیا اور بڑی بے نیازی سے کہیں روپوش ہو گیا۔ زمانے کے جبر اور ستم کے اتنے مشکل دن گزارنے کے بعد انکا پھر میرے سر پر آ گئی تھی۔ اس سے اس وقت باتیں کرتے ہوئے کچھ جھجک سے محسوس ہو رہی تھی۔ شکووں شکایتوں کا ایک دفتر تھا لیکن یہ پرانی بات ہو گئی تھی۔ انکا کے چہرے پر سنجیدگی مسلط تھی۔ میں نے نگاہ اوپر اٹھا کر دیکھا تو اس نے اپنی نظریں جھکا لیں۔ شرمندگی اور ندامت کا احساس اس کے چہرے پر نمایاں تھا۔ کچھ دیر یوں خاموش رہی پھر میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے سکوت توڑا۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ ''انکا کیسی ہو؟''

''وہ کسمسا کر بولی۔ ''ٹھیک ہوں۔''

''اس قدر خاموش کیوں ہو؟ کیا تمہیں دوبارہ میرے پاس آنے کی خوشی نہیں ہوئی؟''

''جمیل!'' انکا نے نظریں اٹھائیں۔ اس کی دراز پلکوں کے گوشے نم تھے۔ اس کے نرم و نازک ہونٹ کچھ کہنے کے لئے کپکپا رہے تھے۔ اس کی آواز میں بڑا درد تھا۔ میں نے اس کی مجبوری سمجھتے ہوئے آزردہ لہجے میں کہا۔

''نہیں نہیں، مجھے احساس ہے کہ تم کتنی مجبور تھیں۔ تم حالات کی غلام ہو لیکن تمہاری جدائی نے مجھ پر کیا ستم توڑے، کیا ظلم ڈھائے، یہ داستان بہت دردناک اور طویل ہے۔''

''مجھے معلوم ہے جمیل! مجھے مت بتاؤ۔'' انکا نے سرد آہ بھر کر کہا۔ ''کاش دوسروں کے سر پر جانے کے بعد میرے بس میں کچھ ہوتا۔''

''کتنے بڑے انقلابات آئے ہیں میری زندگی میں۔ مالا رانی کی موت نے میری کمر توڑ دی ہے۔ وہ معصوم لڑکی خواہ مخواہ قربان ہوئی۔ اس کا خون میری گردن پر ہے۔ آخر یہ ظالم بدری نرائن میرے گھر کے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے؟'' میں نے کرب سے کہا۔

''بدری نرائن نے نرگس کو اس لئے ختم کیا تھا کہ تم نے وعدے کے مطابق مجھے اس کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تھا اور مالا رانی کو اس وجہ سے ختم کیا ہے کہ وہ سمجھتا تھا پریتم لال کی شکتی کی امان میں تم اسی وقت تک رہ سکتے ہو جب تک مالا زندہ ہے۔ پریتم لال کی شکتی کا مضحکہ اڑانے اور اسے خوفزدہ کرنے کا اس سے بہتر اور کون سا موقع مل سکتا تھا مگر جمیل! میرا وعدہ ہے کہ تم بدری نرائن کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھو گے۔ اس کا حشر تمہاری توقعات سے کہیں زیادہ بھیانک ہوگا۔ کچھ دن کی بات اور ہے۔''

انکا کی ہمدردی نے دل کا غبار کسی حد تک دور کر دیا۔ میں نے اس سے اپنے دل کا احوال ایک بچے کی طرح بیان کیا اور انکا مجھے تسلیاں دیتی رہی۔ جگد یو کا خیال درست تھا کہ انکا مالا رانی کا غم بڑی حد تک دور کر دے گی۔ میں اسٹیشن کے قریب کھڑا دیر تک انکا سے باتیں کرتا رہا۔ ہم دونوں اس طرح ملے جیسے

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

برسوں کے بچھڑے ہوئے عزیز ہوں۔ گفتگو نہ جانے کہاں سے کہاں تک ہوئی۔ جب میں سب کچھ کہہ سن چکا تو انکا نے پوچھا۔ ''اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اس وقت تم کہاں جا رہے ہو؟''

''کہاں جاتا۔ لکھنؤ سے دور چلا جانا چاہتا تھا۔ اس شہر نے بڑے دکھ درد دئے ہیں۔'' میں نے افسردگی سے کہا۔ ''یہاں کے گلی کوچوں سے نفرت ہوگئی ہے۔ میرے بس میں ہوتا تو میں اس شہر کو آگ لگا دیتا۔ اب یہاں کے در و بام کاٹنے کو دوڑتے ہیں۔ ہر طرف مالا رانی کا چہرہ نظر آتا ہے۔ ہوائیں قریب سے گزرتی ہیں تو مالا رانی کی سسکیوں کی آواز سنائی دیتی ہے۔ مجھے جگد یومہاراج نے مشورہ دیا ہے کہ میں اس شہر سے دور چلا جاؤں، اس ملک سے دور، سمندر پار۔''

''تمہارے دل پر جو گزری ہے اس کا مجھے احساس ہے مگر میں تمہارے پاس آچکی ہوں۔ تمہاری کنیز انکا، تمہاری غلام انکا، تمہاری محبوب انکا۔ میری جان اپنے دل سے تکدر دور کر دو۔ میری طرف دیکھو۔'' انکا نے جذباتی لہجے میں کہا۔ ''تمہیں ابھی لکھنؤ نہیں چھوڑنا چاہئے۔ نہ معلوم کہ پھر کبھی یہاں آنا ہو یا نہ ہو۔ پھر اس شہر رنگ و بو کو تم یاد کیا کرو گے۔ اس وقت تم اپنے گھر میں اپنے عزیزوں کے درمیان رہو گے تو خوش رہو گے۔ گھر سے زیادہ سکون اور تمہیں کہیں نہیں مل سکتا۔''

''مگر وہاں ہر وقت مالا رانی کی یاد آتی ہے۔'' میں نے بے تابی سے کہا۔

''جمیل! مالا رانی اب ایسی جگہ جا چکی ہے جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔ تمہیں اسے بھولنا ہوگا۔ اس کی عمر اتنی ہی تھی۔ تقدیر کا لکھا پورا ہوا۔ تم اسے یاد کر کے اس کی روح کو مضطرب کرو گے۔ چلو گھر چلو۔'' انکا نے اصرار کیا۔

''گھر؟ کس کا گھر انکا! اب وہاں وحشت برستی ہے۔ میں جتنے دنوں وہاں رہا، کانٹوں پر لوٹتا رہا۔'' میں نے بے دلی سے کہا۔

''تم نہیں مانتے تو نہ مانو لیکن جمیل، اس شہر نامراد کو اس طرح چھوڑ کر نہ جاؤ۔ تم اپنے وعدے بھی بھول گئے؟ تم اپنے اگلے پچھلے حساب بے باق کرنے کے بعد یہاں سے روانہ ہو تو تم کہیں بھی سکون سے رہ سکو گے۔ جب تمہیں یہاں کے لوگ اور ان کے ستم یاد آئیں گے تو تمہارا کیا حال ہوگا۔ یہاں کے زخم تمہارے ساتھ رہے تو پھر بے چینی محسوس کرو گے۔''

میں انکا کے چہرے پر چھائی ہوئی سنجیدگی کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کی سرخ آنکھیں اس بات کی غماز تھیں کہ وہ اس وقت شدید غصے اور رنج کی کیفیت سے دوچار ہے۔ میں اتنا مرجھایا ہوا تھا کہ اس کی باتوں کا مفہوم نہ سمجھ سکا۔ وضاحت کی خاطر دریافت کیا۔ ''تمہارے کیا ارادے ہیں؟ کھل کر بات کرو۔''

''جمیل! میرے ارادے تم [illegible]

ٹوٹ چکے ہو۔ مالا رانی کی اچانک موت کے صدمے نے تمہارے دل و دماغ پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ تمہاری توانائی، شوخی اور شرارت سب کچھ رخصت ہوگیا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم اس طرح اداس نہ رہو۔ تم اشرفی بیگم جیسی بدکردار عورت کو کس پر چھوڑ کر جا رہے ہو؟ تم نواب بن علی کو کس طرح بھول گئے ہو؟ تم نے اس کے سامنے جو کچھ وعدے کئے تھے۔ بن علی کے شب و روز وہی ہیں۔ وہ اب بھی اپنی حویلی میں حسن و نشاط کا بازار گرم کئے ہوئے ہے۔ کیا تم لکھنؤ سے یوں ہی چلے جاؤ گے؟ اپنے ان دشمنوں کو کھلی چھٹی دے کر۔ ناظم علی بھی اسی شہر میں موجود ہے۔ یاد ہے تمہیں، اس نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟ یہاں لکھنؤ میں تمہارے چچا اور بہن بھائی رہتے ہیں۔ تم انہیں کس کے پاس چھوڑ کر جا رہے ہو؟ یہاں سے جانا ہے تو دل ٹھنڈا کر کے جاؤ۔ بن علی کا سرخ و سپید چہرہ دیکھ کر میرے منہ میں پانی بھر آتا ہے۔'' انکا نے سفاکی سے کہا۔

''انکا، میں ان سب کا خون پینے کے لئے تڑپتا ہوں لیکن پھر سوچتا ہوں کہ ان باتوں سے کیا حاصل ہوگا؟ میرا سب سے بڑا دشمن بدری نرائن زندہ ہے۔ اب میں تھک چکا ہوں، مجھے سکون چاہئے۔'' میں نے بے زاری سے کہا۔

''یہ بات تمہارے سکون ہی کے لئے کہہ رہی ہوں۔ سب کا حساب صاف کرتے جاؤ۔ یہ قرض اتار دو گے تو دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ اپنے آپ کو ہنگاموں کا عادی بناؤ۔ زندگی اس طرح نہیں گزرتی جس طرح تم سوچ رہے ہو۔ میری مانو تو گھر چلو...... وہاں بہت سے لوگ تمہارے منتظر ہیں۔''

انکا نے کچھ اس انداز سے میری غیرت کو جھنجھوڑا کہ مجھے محسوس ہوا جیسے میں گہری نیند سے بیدار ہو گیا۔ ماضی کی تلخ یادوں کے زخم پر انکا کی باتوں کا نشتر اتنا کاری ثابت ہوا کہ میرا خون تیزی سے گردش کرنے لگا۔ مالا کے مرنے کے بعد ایک بے مقصدیت سی طاری ہوئی تھی۔ انکا نے انتقام کے شعلے بھڑکا کر میرے سرد جذبات میں گرمی پیدا کر دی۔ میرے سینے میں جلن سی ہونے لگی۔ وہ مجھے پرانی باتیں یاد دلا رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا۔ جمیل احمد خان! زندگی کا کیا بھروسہ، کل بہت بے اعتبار چیز ہے۔ جو آج ہے وہ کل نہیں۔ جو کل ہوگا ضروری نہیں کہ اس کا تعلق آج سے ہو۔ اب انکا موجود ہے اس لئے ان لوگوں کو ٹھکانے لگاتے چلو جنہوں نے کبھی تمہارا جینا حرام کر دیا تھا۔ جنہوں نے تمہاری عزت پر ہاتھ ڈالا تھا۔ اصولاً مجھے جگد یو کے مشورے کے مطابق یہاں سے چلا جانا چاہئے تھا لیکن کچھ دنوں کے قیام کے بعد بھی کہیں جایا جا سکتا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ بیرون ملک روانگی سے پہلے تزئین اور کلدیپ سے مل لوں۔ میرے پاس جو کچھ سرمایہ تھا وہ کب تک رہتا؟ ختم ہو چکا تھا۔ چچا جان کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے شرم آتی تھی۔ کلدیپ کی نظر پر زر و دولت کی حیثیت بے معنی تھی لیکن انکا کی آمد کے بعد سارے مسئلے خود بخود حل ہو گئے [illegible]
[illegible] تنا چاہیں سونا نکال لیں۔ روپے

Downloaded from Paksociety.com
Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

حاصل کرنے کے لئے انکا کو فعال ہونا پڑتا تھا۔ میں نے ایک فیصلہ کیا اور جذبات انگیز لہجے میں انکا سے بولا۔ ''انکا! تمہارا خیال صحیح ہے کہ مجھے یہاں سے اس طرح نہیں جانا چاہئے۔ اب تم نے اس آگ کو ہوا دی ہے تو پھر یہ قصے نمٹا کر ہی کہیں چلیں گے۔''

''مجھے یقین تھا جمیل! تم میری بات رد نہیں کرو گے۔'' انکا میرا جواب پا کر خوشی سے بولی۔ ''میرے علاوہ جگد یو کا آشیر باد بھی تمہارے ساتھ ہے۔ جہاں جہاں تمہارے قدم پڑیں گے وہاں کی زمین خوف و دہشت سے تھرا جائے گی۔''

''جگد یو مہاراج نے بڑا اکرم کیا جو تمہیں حاصل کر کے میرے حوالے کر دیا۔ میں ان کا یہ احسان تا زندگی نہیں بھول سکتا۔ البتہ اس بات سے جی ڈرتا ہے کہ کہیں تم مجھ سے روٹھ کر......''

''اب ایسا ناممکن ہے میرے آقا!'' انکا نے میرا جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔ ''جگد یو کی شکتی کا کیا ٹھکانا۔ اس نے جاپ کر کے مجھے پنڈت بدری نرائن سے حاصل کیا اور پھر تمہیں دان کر دیا۔ ایک بات یاد رکھو کہ میرا ہر متوالا پجاری جاپ کرنے سے پہلے یہ اطمینان ضرور حاصل کر لیتا ہے کہ میں کس شکتی کے پاس ہوں۔ اگر وہ شکتی اس سے بڑھ کر ہے تو وہ ایسی حماقت نہیں کرتا۔ تربینی داس کوئی بڑا پنڈت نہیں تھا، اس نے جب مجھے تمہارے پاس دیکھا تو آسانی سے جاپ شروع کر دیا اور مجھے حاصل کر لیا۔ بدری نرائن نے بھی یہی کیا۔ بدری نرائن سے سادھو جگد یو یا اس کے برابر کی کوئی شکتی ہی مجھے حاصل کر سکتی تھی۔ اب سادھو جگد یو نے مجھے حاصل کر لیا ہے تو یہ بات آسان نہیں رہی، اس سے بڑی یا کم سے کم اس کے برابر کی شکتی ہی میرے بارے میں سوچ سکتی ہے اور اسے میرے حصول کی کیا ضرورت پڑی ہے اس لئے کہ اس کے پاس خود اپنی شکتی کیا کم ہوتی ہے، سمجھے!''

''سمجھا۔'' میں نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔ ''لیکن انکا، اب آرام سے گزر بسر ہو جائے تو ٹھیک ہے۔ تقدیر کی ان گردشوں کا سلسلہ ختم ہو جانا چاہئے۔ کسی جگہ جا کر تو ہمیں ٹھہرنا پڑے گا؟ یہ سلسلہ کب تک چلتا رہے گا؟''

''اطمینان رکھو۔ میں اب تمہارے ساتھ ہوں، تمہارے لئے یہی احساس کافی ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم ہیں۔ نہ تمہیں میرے بغیر چین آتا ہے، نہ مجھے تمہارے بغیر۔ تمہاری ذات میری عدم موجودگی میں ادھوری ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ میری تخلیق تمہاری وجہ سے ہوئی تھی۔''

انکا کی باتیں اتنی جاں فزا اور پُراسرار تھیں کہ میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ میں گھر کی طرف واپس چل پڑا۔ اس ارادے میں بھی انکا کے مشورے کو دخل تھا ورنہ میں اس لمحے نواب بن علی کی حویلی کا رخ کرتا۔ میرے چچا اور بھائی بہن میری واپسی پر بے حد خوش ہوئے اور اسی لمحے آؤ بھگت میں مصروف ہو گئے جیسے میں بہت دنوں بعد آیا ہوں [illegible]

اپنی زندگی کے سب سے دلکش دن گزارے تھے۔ در و دیوار میں مالا کے جسم کی مہک اور اس کے قہقہے رچے بسے تھے۔ میں نے الماری کھولی اور اس کے کپڑوں پر نظر ڈالی تو بے اختیار دل بھر آیا اور میں ہچکیوں سے رونے لگا۔ اس کے کپڑے سونگھے تو میری حالت غیر ہو گئی۔ انکا مجھے تسلی اور دلاسے دیتی رہی۔ جب میری حالت بہت زیادہ خراب ہو گئی تو رخسانہ اور دوسرے بھائی بہن کمرے میں آ گئے۔ انہوں نے مجھے سنبھالا دیا۔ سارا دن اداسی میں گزر گیا۔ رات آ گئی، مالا کی یاد دل سے نہ گئی۔ انکا نے بہت باتوں میں لگایا۔ جھجکتے جھجکتے بازار حسن چلنے کی ترغیب دی۔ مجھے اپنا ہوش کہاں تھا؟ جب میں نے انکا سے دریافت کیا کہ بدری نرائن نے میری امنگیں کس طرح روندی تھیں تو انکا ٹال گئی۔ میرا اصرار حد سے بڑھا تو اس نے مجھے اداس لہجے میں بتایا۔ ''جمیل، شاید میں نے تمہیں یہاں لا کر غلطی کی ہے۔ تم اتنی آسانی سے مالا کو نہیں بھول سکتے۔ مجھ سے مت پوچھو کہ بدری نرائن نے کس طرح تمہاری خوشیوں کا گلا گھونٹا ہے۔ اب یہ ذکر چھوڑو۔''

''نہیں، مجھے بتاؤ انکا! کیا تم اس میں شریک تھیں؟'' میں نے ہذیانی انداز میں پوچھا۔

''میں اس وقت محض مجبور و بے بس تھی میرے آقا! بدری نرائن کسی چالاک چیتے کی طرح مالا رانی کی گھات میں لگا بیٹھا تھا۔ اس نے اپنی شکتی کے زور سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ کچھ پُراسرار قوتوں نے مالا رانی کے گرد حفاظتی جال بن دیا ہے جسے توڑنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس کے باوجود وہ ایک لمحے کے لئے بھی غافل نہیں ہوا۔ جس روز مالا کو اس نے ظلم کا نشانہ بنایا، اس روز وہ صبح ہی سے بے چین تھا۔ وہ بار بار منتر پڑھتا اور پُراسرار طاقتوں کو آواز دیتا۔ پھر اس کے بیروں نے اسے ایک لمحے یہ اطلاع دی کہ مالا رانی کے گرد وہ پُراسرار دھند غائب چھٹ چکی ہے۔ اس نے فوراً اپنی کالی طاقتوں کی مدد سے ایسا بھرپور وار کیا کہ تمہاری خوشیوں کا چراغ پل بھر میں بجھ گیا۔''

انکا کی زبانی ان حالات کی تفصیل سن کر میرا دل تڑپ اٹھا، آنکھوں سے ساون بھادوں کی جھڑی لگ گئی۔ میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس عالم میں، میں نے انکا کو مخاطب کیا۔ ''انکا! مجھے اندازہ ہے کہ تمہاری حیثیت کیا تھی لیکن کیا مالا کو اپنے جور و ستم کا نشانہ بناتے وقت تمہارے دل کو دھچکا نہیں لگا؟''

''جمیل!'' انکا بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''وہ کمینہ پنڈت بڑا چالاک اور عیار واقع ہوا ہے۔ مالا رانی کے سلسلے میں اس نے میرے بجائے اپنے بیروں کی شکتی سے کام لیا تھا۔ اسے خدشہ تھا کہ شاید میں اس کے حکم کی تعمیل نہ کر سکوں۔ حالانکہ یہ اس کا وہم تھا، وہ مجھے جو بھی حکم دیتا میرے لئے اس سے انکار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔''

''یعنی تم مالا کو مار ڈالتیں؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''مار... مجھے ایسا کرنا [illegible]'' انکا [illegible]

Downloaded from Paksociety.com
Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

''اف!'' تم اپنے محبوب کی امانت ختم کردیتیں؟'' میں نے رندھی آواز میں کہا۔

''میں اور کیا کرتی؟ مگر اب ان باتوں سے کیا حاصل؟ جمیل! میری خاطر صبر کرو۔'' انکا نے ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔

☆......☆......☆

ممکن ہے میری سرگزشت کے یہ حصے مضبوط اعصاب کے لوگوں کو گراں گزریں لیکن جنہوں نے مصیبتیں جھیلی ہیں اور دکھ درد اٹھائے ہیں، انہیں میرے کرب کا احساس ہوگا۔ میرا کرب، میری ذات کا درد، میری گردشیں، میرے گناہ اور میرے مصائب ایسے نہیں ہیں کہ عام انسان تصور کرسکیں۔ ایک کے بعد ایک حادثہ، یکے بعد دیگرے امتحان اور آزمائش کا سلسلہ، عجیب و غریب واقعات۔ انسان کے اندر شکست و ریخت کے یہ مرحلے، اہل دل انہیں محسوس کریں گے۔ حادثات نے جنہیں گھیر رکھا ہے، ان کا دل اس میں دھڑکتا ہوگا۔ میں انکا کے مشورے پر دوبارہ اپنے چچا جان کے گھر چلا آیا، وہاں پہنچ کر میں سکون کا ایک پل بھی نہیں گزار سکا۔ دن بھر خالی خالی سا اپنی بہنوں کے درمیان رہتا۔ انکا نے لاکھ اصرار کیا کہ میں باہر نکلوں لیکن ماں رانی کے چالیسویں کے بعد ہی میں نے کہیں باہر جانے کے لئے سوچا، اس عرصے میں انکا بھی مضمحل سی رہی۔ بار بار مجھے سمجھاتی رہی، جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، میرے پاس روپے کی کمی تھی۔ جب تک گھر میں رہا، خاموش پڑا رہا۔ چچا جان کا کاروبار خاصا چل رہا تھا۔ چالیسویں کے بعد میں باہر نکلا، میں یہ قصہ مختصر کر رہا ہوں۔ انکا نے دو تین ہی دن میں میرے لئے ایسے اسباب پیدا کردئے کہ روپے کی کمی نہ رہی۔ انکا کے لئے کوئی بات مشکل نہ تھی۔ وہ مجھے آسودہ رکھنے کیلئے ایسے علاقوں میں لے گئی جہاں روپے کا الٹ پھیر ہوتا تھا۔ میں ہر بازی جیت گیا۔ جب میں رات کو لدا پھندا گھر واپس آتا تو مجھے روپے گننے میں زحمت ہوتی تھی۔ میں انہیں بے نیازی سے الماری میں ڈال دیتا۔ کسی بھی قمار خانے میں انکا میرے سر سے اتر جاتی اور میں بازیاں لگاتا۔ لوگ مجھے رشک و حسد کی نگاہوں سے دیکھتے اور میں مسکراتا ہوا وہاں سے چلا آتا۔ اتنے حادثات کے بعد مجھے اپنے چہرے پر درشتی محسوس ہوتی تھی۔ میں بہت چڑچڑا اور بدمزاج ہوگیا تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر الجھ پڑتا۔ نرمی اور حلاوت مجھے متاثر نہیں کرتی تھی۔ سارے انسان مجھے ایک جیسے نظر آتے تھے۔ ظالم، بے رحم اور درندے۔ صرف گھر کے لوگ اچھے لگتے تھے اور ان سے اکثر رسمی باتیں ہوا کرتی تھیں۔ روپے کی اتنی افراط کے بعد میں نے ایک ہفتے کے اندر اندر چچا جان کا مکان بیچ کر ان کے لئے ایک خوب صورت علاقے میں جدید طرز کی ایک کوٹھی خریدی۔ گھر پر چند ملازم بھی رکھے۔ مالی، باورچی، دربان، چھوٹے موٹے کام کرنے والے دو لڑکے، ایک نوکرانی...... نوکرانی کا ذکر بطور خاص کروں گا کہ اس کے ہاں صرف اچھے لباس کی کمی تھی۔ ناک نقشے میں خوب، عادت و اطوار میں یکتا اور زبان کی بڑی شیریں تھی۔

نام نفیس تھا، اسم با مسمیٰ تھا۔ میں اس ہفتے بہت مصروف رہا۔ نئے مکان کی خرید...... فرنیچر کی ترتیب، ملازمین کا تقرر، ایک ہفتے بعد کوٹھی کا رنگ بدل گیا۔ بہنوں کا مسرت سے برا حال تھا۔ چچا جان خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے اور حیرت سے یہ انقلاب دیکھ رہے تھے۔ اس کے علاوہ میں نے چچا جان کو ایک خاصی معقول رقم کاروبار میں اضافے کے لئے دے دی تاکہ وہ اس بڑی کوٹھی کا بار پوری طرح اٹھا سکیں۔ ان کاموں کی طرف سے اطمینان ہونے کے بعد کہ میری زندگی کا کیا بھروسا، میرے بعد یہ لوگ خوش رہیں اور پھلیں پھولیں میں نے ایک صبح بین علی کی حویلی کی طرف جانے کا ارادہ کیا لیکن انکا نے یہ مشورہ دیا کہ مجھے اپنے انتقام کی ابتدا ناظم علی سے کرنی چاہئے۔ اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ پہلے ناظم علی کو بھگتا جائے یا بین علی کو۔ انکا ایک منصوبے کے تحت ایسا سوچ رہی تھی۔ گھر والوں کے اصرار پر میں نے تھوڑا سا ناشتہ کیا اور کپڑے تبدیل کرکے مکان سے باہر آ گیا۔

جس وقت میں ناظم علی کے دفتر پہنچا، اس وقت وہ کسی فائل کے مطالعے میں غرق تھا۔ اس کے دفتر کے سنتری نے مجھے روکنے کی کوشش کی لیکن انکا نے اسے بے بس کردیا۔ میں کسی مزاحمت کے بغیر اندر چلا گیا۔ ناظم علی خواب میں بھی یہ گمان نہیں کرسکتا تھا کہ میں اس انداز میں سینہ تانے اس کے سامنے پہنچ سکوں گا۔ چنانچہ خلاف توقع مجھے اپنے سامنے دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لئے ششدر رہ گیا۔ مگر دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ وہ مجھے نفرت بھری نظروں سے سرتاپا گھور کر رعونت سے بولا۔

''تم یہاں کس لئے آئے ہو؟''

''ناظم علی! مجھے خوشی ہے کہ تم نے مجھے جلد شناخت کرلیا، مجھے اپنا تعارف کرانے کی زحمت نہیں کرنا پڑی۔'' میں زہرخند سے بولا۔

ناظم علی کی پیشانی شکن آلود ہوگئی، کرخت آواز میں بولا۔ ''تمہیں میرے کمرے میں آنے کی جرات کیسے ہوئی؟ دفع ہو جاؤ، گیٹ آؤٹ۔''

''وقت وقت کا کھیل ہے ناظم علی! وہ وقت گزر گیا۔ اب تمہاری گردش کا وقت ہے۔ میں تمہارے لئے قہر بن کر آیا ہوں۔ میں نے معاف کرنا نہیں سیکھا ہے۔ تمہاری بدقسمتی سے میری یادداشت بہت تیز ہے۔'' میں نے بڑے اطمینان سے کہا۔ ''تم نے میرے آنے کا مقصد پوچھا ہے۔ سنو، تم نے اپنی طاقت اور عہدے کے نشے میں میری عزت و ناموس پر نگاہ اٹھائی تھی۔ میں قید و بند کی مشقتیں جھیل کر اب پھر تمہارے روبرو ہوں۔ اس زعم میں نہ رہنا کہ تم اس وقت مجھ پر حاوی ہوئے تھے، تم نے مجھے بے بس دیکھ کر ظلم و ستم توڑے تھے۔ میں لکھنؤ سے جا رہا تھا مگر پھر خیال آیا کہ اگر تمہارا حساب بے باق کئے بغیر لکھنؤ سے چلا جاؤں گا تو تمہیں شکایت ہوگی۔''

ناظم علی نے میرے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر خطرے کی اہمیت کا اندازہ لگالیا۔ ایک پل کے لئے

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

اس نے مجھے گھورا پھر بڑی پھرتی سے اپنا سروس ریوالور نکال کر میرے سینے کا نشانہ لے کر بولا۔ ''تم نے اچھا کیا کہ خود ہی میرے پاس آ گئے۔ تمہیں تلاش کرنے کی زحمت مجھے نہیں اٹھانا پڑی۔ میرا خیال تھا تمہیں جیل کی آب و ہوا راس آ گئی ہے۔ یوں بھی تم جیسے خطرناک مجرموں اور شورہ پشت غنڈوں کو باہر کھلی ہوا میں زیادہ دن نہیں رہنا چاہئے۔''

میرے چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی۔ انکا اس لمحے تیزی سے رینگ کر میرے سر سے اتر گئی۔ میں سمجھ گیا کہ اب ناظم علی کا برا وقت آ گیا ہے۔ میں ناظم علی کے اور قریب گیا اور زور سے اس کے ہاتھ پر اپنا واحد ہاتھ مارا، ریوالور اچھل کر دور جا گرا۔ ناظم علی کو کونے میں پڑا ہوا ریوالور اٹھانے کی جرات نہ ہو سکی۔ میرے بلاوے پر دوسرے ہی لمحے انکا میرے سر پر آ گئی۔ میں نے اسے دل ہی دل میں سمجھایا کہ میں کچھ دیر کے لئے خود ہی ناظم علی سے زور آزمائی کرنا چاہتا ہوں۔ انکا جز بز ہو کر خاموش ہو گئی۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، ایک زناٹے دار تھپڑ ناظم علی کے گال پر رسید کر دیا۔ ناظم علی کو اس اچانک حملے کی توقع نہیں تھی۔ وہ بوکھلا گیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں چلانے سے پہلے میں نے ایک اور زوردار طمانچہ رسید کیا جس سے خون کی ایک باریک لکیر اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔ ''کرسی پر بیٹھ جاؤ ناظم علی! زیادہ تیزی دکھانے کی کوشش مت کرو۔'' میں نے رعونت سے کہا۔ ''تمہارا برا وقت آ چکا ہے۔''

ناظم علی فوراً کرسی پر بیٹھ گیا اور اپنا منہ رومال سے صاف کرنے لگا۔ اس کے بیٹھتے ہی میں بھی اس کے سامنے والی کرسی پر دراز ہو گیا۔ میں نے اپنے لہجے کی کاٹ قائم رکھی۔ ''ناظم علی! ایک بار تم نے مجھ پر ظلم کی انتہا کر دی تھی، مجھے سوچنے کا موقع نہیں دیا تھا مگر میں اتنا ظالم نہیں ہوں۔ میں تمہیں وقت دیتا ہوں۔ اگر تم اپنے عزیز و اقارب کے لئے کوئی آخری پیغام دینا چاہو تو دے سکتے ہو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارا پیغام مطلوبہ شخص کو پہنچا دیا جائے گا مگر جلدی کرو۔ مجھے لکھنؤ سے جلدی جانا ہے۔ ابھی مجھے تمہاری والدہ اشرفی بیگم اور تمہارے باپ ہبن علی سے بھی ملنا ہے۔''

ناظم علی جو چند لمحے پہلے بڑا خونخوار نظر آ رہا تھا، اچانک ٹھنڈا پڑ گیا۔ اس کی آنکھوں میں سے خوف و دہشت کے آثار جھلک رہے تھے۔ اس کے چہرے کی رنگت پل بھر میں ہلدی کی مانند زرد پڑ گئی۔ اس نے رحم طلب نظروں سے میری طرف دیکھا اور کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''خان صاحب! میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں نے تم پر ظلم کیا لیکن خدا گواہ ہے، اس میں میرے ارادے کو دخل نہیں تھا۔ اوپر سے مجھے حکم ہی ایسے ملے تھے۔''

''اوپر کے احکام؟ فضول باتوں سے پرہیز کرو ناظم علی! میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ تم اپنی آخری خواہش کا اظہار کرو۔'' میں نے حقارت سے جواب دیا۔ ناظم علی کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ اس کے چہرے پر موت کے سائے لرزنے لگے۔ اس نے ایک نظر ریوالور کی طرف دیکھا، اسے اٹھانے کی

میں جرات نہیں تھی۔ اس نے دروازے کی طرف نگاہ ڈالی تو میں نے ہنس کر کہا۔ ''اب کوئی تمہارے کام نہیں آ سکتا۔''

''مجھے معاف کر دو خان صاحب!'' اچانک وہ گڑگڑانے لگا۔ ''میں تمہارا گناہ گار ہوں، مجھ پر رحم کرو۔''

''رحم اور آپ پر ناظم علی صاحب! آپ جیسے بڑے عہدے دار پر؟'' میں نے نفرت سے کہا۔ ''وہ عیاری کے دن یاد ہیں، وہ ظلم یاد ہیں جو تم نے مظلوموں اور معصوم لوگوں کے ساتھ روا رکھے تھے؟''

ناظم علی کے چہرے کا رنگ ہر لمحے بدل رہا تھا۔ میں اس کی حالت سے لطف اٹھا رہا تھا۔ اس وقت میرے دل میں رحم کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ میں نے اس ظالم و جابر شخص کی رحم طلب نظروں کا پیغام سختی سے ٹھکرا دیا۔ ایک اٹل ارادے سے اٹھا اور فیصلہ کن انداز میں بولا۔ ''میں جا رہا ہوں ناظم علی! زیادہ باتیں کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ میرا دوسرا حکم تمہیں میرے جانے کے بعد ملے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری خودکشی کے گواہ سینکڑوں کی تعداد میں ہوں۔ حالات نے مجھے محتاط رہنے کا درس دیا ہے۔''

میں اتنا کہہ کر تیزی سے نکل گیا۔ مجھے قوی امید تھی کہ انکا کے پُراسرار وجود نے میرے دل میں ابھرنے والا ارادہ سمجھ لیا ہوگا۔ میرا اندازہ غلط ثابت نہیں ہوا۔ انکا میرے سر سے اتر گئی تھی۔ میں تھانے سے نکل کر سڑک کے دوسرے کنارے پر پہنچ گیا اور ہجوم میں گم ہو گیا۔ ابھی مجھے وہاں کھڑے ہوئے دس منٹ ہی گزرے تھے کہ میں نے ناظم علی کو تھانے کی عمارت سے پریشان، گریباں چاک، حواس باختہ باہر نکلتے دیکھا۔ سروس ریوالور ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس کے پیچھے دو پولیس والے بھی تھے جو غالباً اس کی مجنونانہ حالت سمجھنے کے لئے اس کے پیچھے پیچھے آ گئے تھے۔ سڑک پر ناظم علی نے حلق پھاڑ پھاڑ کر چلانا شروع کر دیا۔ وہ اپنے جرائم کا اعتراف اپنے اردگرد کھڑے ہوئے لوگوں کے سامنے کر رہا تھا وہ کہہ رہا تھا۔

''لوگو میں خود کو ختم کر رہا ہوں۔ میں نے متعدد بے گناہوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے ہیں۔ میں ایک مجرم ہوں، میرا نامہ اعمال سیاہ ہے۔ لاوارث بچوں کی کراہوں، معصوم لڑکیوں کی آہوں اور بے سہارا عورتوں کی فریادوں نے آج مجھے دیوانہ کر دیا ہے۔ میں تمہارے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ میں نے اپنے لئے سزا تجویز کر لی ہے۔ میں نے اپنے لئے سزا تجویز کر لی ہے۔ میں نے اپنے لئے سزا تجویز کر لی ہے۔ میں مر رہا ہوں، دیکھو...... یارو، میں مر رہا ہوں۔ تم گواہ رہنا دوستو! میں اپنے ضمیر کا فیصلہ تسلیم کرتا ہوں۔''

راہ گیروں کی اچھی خاصی تعداد ہکا بکا کھڑی سراسیمہ نظروں سے ناظم علی کو گھور رہی تھی۔ دونوں پولیس والے بھی دم بخود کھڑے تھے پھر اس سے پہلے کہ کوئی عام حالات کا اندازہ کر سکتا، ناظم علی نے

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

http://paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

ریوالور کی نال کنپٹی پر رکھی اور لبلبی دبا دی۔ فضا میں ایک دھماکے کی آواز گونجی اور ناظم علی خون میں لت پت ہو کر سڑک پر ڈھیر ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک اس کی لاش تڑپتی رہی۔ ناظم کیفر کردار کو پہنچ گیا تھا۔ مجھے اس کے مرنے کا کوئی افسوس نہیں ہوا بلکہ ایک سکون سا محسوس ہوا۔ مجھے بے حس کہہ کر یاد کرنے والے حضرات سے صرف اتنی گزارش ہے کہ میں نے اپنے واقعات بے کم و کاست بیان کر دئیے ہیں۔ میرا خیال ہے شدید ظلم و تشدد سہنے کے بعد ایک ایسی منزل بھی آتی ہے جب انسان اتنا بے حس ہو جاتا ہے۔

چند لمحوں میں انکا میرے سر پر آ گئی۔ "مجھے خوشی ہے جمیل کہ تم نے اس بار دوراندیشی سے کام لیا۔" انکا نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر تم تھانے کے اندر کوئی جذباتی قدم اٹھاتے تو حالات مختلف ہوتے۔ اب ناظم علی کے سلسلے میں تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔"

میں نے ایک پھیکی مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھیر کر انکا کو دیکھا اور اپنی رفتار تیز کر دی۔ اب میرا رخ نواب بن علی کی حویلی کی طرف تھا۔ راستے میں، میں نے انکا سے کہا۔ "انکا! ناظم علی کی موت سے کچھ لطف نہیں آیا۔"

"کیا مطلب؟" انکا نے دیدے پھاڑ کر کہا۔ "پھر تم کیا چاہتے ہو؟"

"میں جو چاہتا تھا وہی ہوا لیکن موت ہی تو انتقام نہیں ہے۔ یہ تو بہت آسان اور ہلکا سا نسخہ ہے۔ لمحوں میں اذیت ختم ہو جاتی ہے۔ موت تو آدمی کی اس وقت ہوتی ہے جب وہ خود اپنی نظروں سے گر جائے۔ جب اس سماج میں اس کے لئے کوئی جگہ نہ رہے۔ وہ اپنی زندگی میں رسوائیوں کا مزہ چکھے۔ میرا خیال ہے ناظم علی کو ہم نے سستا چھوڑ دیا۔" میں نے بیزاری سے کہا۔

"تم بہت دلچسپ باتیں کر رہے ہو۔ چلو تمہیں بولنا تو آیا اسی لئے میں کہتی تھی کہ گھر سے نکل کر دیکھو۔ بہر حال بن علی کے سلسلے میں اس کا خیال رکھے جائے گا۔" انکا نے چہک کر کہا۔

ہم نے راستے میں بن علی سے اس وقت مڈھ بھیڑ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ دن دہاڑے بن علی کے گھر پر جانا مناسب نہیں تھا۔ یہ کام رات ہی میں ہو سکتا تھا۔ رات تک کا وقفہ گزارنا مشکل ہو گیا۔ سر پر خون سوار تھا۔ جیسے تیسے رات آئی اور میں بن علی کی حویلی کی طرف روانہ ہو گیا۔ بن علی مردود نے رخسانہ کو اغواء کرایا تھا۔ اشرفی بیگم سے ساز باز کر کے مجھے مروانے کی کوشش کی تھی۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ اس کی بہنوں درخشاں اور زرافشاں کو کوٹھے کی زینت بنا کر اپنی بہن کا انتقام لوں گا مگر اس کے بعد مجھے اتنی فرصت نہیں مل سکی تھی کہ انتقام لے سکتا۔ البتہ بن علی کی موت کا سامان میں نے پیدا کر لیا تھا۔ اس نے زمرد کے قتل کا اقبال جرم بھی کر لیا تھا مگر پھر حالات میرے قابو میں نہ رہے۔ وہ نواب کا بچہ اپنے اثر و رسوخ سے قتل جیسے سنگین الزام سے بچ گیا اور آج پھر لکھنؤ کی طرب گاہوں میں اس کا چرچا ہے۔ جتنا وقت گزرتا جا رہا تھا میں بن علی سے اتنا ہی متنفر ہوتا جا رہا تھا۔ بن علی کی حویلی قریب آتی گئی اور میری

رفتار تیز ہوتی گئی۔ میری نفرت کا جذبہ شدید ہوتا جا رہا تھا۔ ایک بار پہلے بھی میں ایک خفیہ راستے سے اس کی خواب گاہ تک پہنچ گیا۔ حویلی روشن تھی اور مجھے انکا نے بتا دیا تھا کہ بن علی اندر مست مئے ناب ہے اور عیش و نشاط میں مصروف ہے۔ اسی طرح ہر روز اس کے ہاں یا کسی اور نواب کے ہاں بزم طرب سجتی تھی یا پھر نواب کسی طوائف کے ہاں شب گزارتے تھے۔ سر شام نوابوں کے دل ڈولنے لگتے تھے اور نازنینیں گھنگھرو باندھے انہیں داد عیش دیتی رہتی تھیں۔ میں نے پرانا راستہ اختیار کیا۔ بن علی کے ایوان خاص تک پہنچنے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ میں دیر کر کے اس لئے آیا تھا کہ سازندوں اور مہمانوں کی موجودگی کا امکان نہ رہے اور میں بن علی سے اس کی خواب گاہ میں ملاقات کروں، میرے ذہن میں گزرے ہوئے لمحات ابھر رہے تھے۔ اندر اندر سلگنے والی چنگاریاں جذبات مشتعل کر رہی تھیں۔ خواب گاہ کا دروازہ بند تھا لیکن وہ ایک جھٹکے سے کھل گیا، راستے میں ایک خاص ملازم نے مجھے دیکھ کر شور کیا لیکن انکا نے بروقت میرے سر سے اتر کر اسے دوسری جانب روانہ کر دیا۔ میں جب اس روشن کمرے میں داخل ہوا تو بن علی کی آغوش میں ایک بجلی تڑپ رہی تھی اور ناز و ادا کے نشتر آزما رہی تھی۔ بن علی کا بھاری بھرکم تن و توش اس گل بدن کے غمزوں سے ادھر ادھر تھرک رہا تھا۔ سامنے صراحی رکھی تھی، وہ مدہوش سا تھا۔ نیم عریاں لڑکی کا آدھا بدن بن علی کی گود میں سما سا جاتا اور نکل نکل جاتا۔ ان دونوں میں دلچسپ نوک و جھوک جاری تھی۔ میں اسے بیان نہیں کر رہا، بس وہی نوک جھوک جو ایسے موقعوں پر ہوتی ہے۔ بن علی کو اس طرح مدہوش دیکھ کر میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ میں نے اسے للکارا تو وہ دونوں چونک کر ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ بن علی کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ کسی زہریلے ناگ کی طرح بل کھا کر اٹھ کھڑا ہوا اور کرخت لہجے میں بولا۔ "تم..... تم جمیل احمد خان! تم ابھی تک یہاں موجود ہو؟"

"ہاں نواب صاحب! جمیل احمد خان۔ آپ کا خادم ابھی تک یہیں ٹھوکریں کھا رہا ہے۔" میں نے نیازمندی سے کہا۔ "طبع شاہانہ پر میری آمد گراں تو نہیں گزری؟"

"بدبخت..... اب یہاں کیا لینے آیا ہے؟" نواب نے تمکنت سے کہا۔

"ناراض نہ ہوں نواب صاحب قبلہ! میں مبارکباد دینے کی غرض سے آیا ہوں کہ آپ زمرد کے قتل کے الزام سے صاف بری ہو گئے۔ بڑے لوگوں کی بڑی باتیں۔ آپ کا اقبال بلند رہے۔" میں نے عجز سے کہا۔ "یہ لڑکی یقیناً زمرد سے زیادہ حسین اور جاندار ہے۔ میں آپ کے حسن انتخاب کی داد دیتا ہوں۔"

"جمیل احمد خان۔ تم جس راستے سے آئے ہو، اسی سے واپس چلے جاؤ۔" نواب کے لہجے میں خوف کا عنصر شامل تھا۔ "تمہارے لئے یہی بہتر ہے۔"

"[illegible] نواب صاحب [illegible] مگر؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

"پھر......پھر......ہم تو تم جیسے حرام زادوں کو کتے کے آگے ڈال دیتے ہیں۔" نواب نے اس لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا جو سہمی ہوئی کھڑی تھی۔

"میں بھی اس وقت اسی مقصد سے یہاں آیا ہوں۔" میں نے بہت نرمی سے کہا۔

"میں کہتا ہوں یہاں سے نکل جاؤ۔" نواب کا سانس اکھڑ گیا تھا۔

"تم مجھے جانتے ہو۔ پھر ایسے لہجے میں کیوں باتیں کر رہے ہو؟" میں نے اپنا لہجہ بدل کر کہا۔ "تم نے زمرد کو میرے سامنے قتل کیا اور پھر تھانے میں اقبال جرم بھی کیا۔ تمہاری زندگی کے دن باقی تھے، اس لئے تم یہاں نظر آ رہے ہو۔"

"تم کوئی جادوگر ہو یا بہت بڑے حرام زادے۔ زمرد کا قتل تم نے مجھ سے کرایا تھا۔ تم نے مجھے اتنا پاگل کر دیا تھا کہ میں تھانے میں اول فول بکنے لگا۔ اشرفی بیگم کے ہاں بھی تم نے اپنے شعبدے دکھائے تھے، تزئین کو تمہی نے غائب کرا دیا تھا۔" نواب کی وضاحت میں خوف بری طرح شامل تھا۔

"تم نے مجھے پہچاننے میں کس قدر ہوش مندی کا ثبوت دیا ہے نواب! مگر میں اس وقت اپنی تعریف سننے نہیں آیا ہوں۔ نہ میں تمہیں مارنے کے ارادے سے آیا ہوں۔ اشرفی بیگم کے بالا خانے کی رونقیں تزئین کی گمشدگی کے بعد سے ماند پڑ گئی ہیں۔ تم اگر چاہو تو درخشاں اور زرافشاں بیگم کی بگڑی ہوئی ساکھ کو بحال کر سکتی ہیں۔ تم نے جب میری بہن کو اس مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہا تھا، اسی وقت سے میں نے طے کر لیا تھا کہ ایسا کیا جائے تو کتنا دلچسپ رہے گا کہ ایک بڑے نواب کی ناموس کے پیروں میں گھنگھرو بندھیں۔ نواب بن علی! یہ لڑکیاں جو تمہارے نشاط کدے میں آتی ہیں، یہ بھی کسی نہ کسی بھائی کی بہنیں ہوتی ہیں؟ پھر بھلا تمہیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"جمیل احمد خان! ہم تیرا خون پی جائیں گے۔ اپنی زبان کو لگام دے۔ یہاں تیری کوئی شعبدہ بازی نہیں چلے گی۔ ہم تجھے اسی وقت جہنم رسید کریں گے۔" نواب بن علی غصے سے دیوانا ہو گیا۔ اس کے منہ سے مغلظات کا طوفان جاری ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں جو چیز آئی، مجھ پر اٹھا کر پھینکنے لگا۔ اس کے پاگل پن کا یہ تماشا میری دلچسپی کا باعث تھا۔ وہ لڑکی جس کا نام نوشابہ تھا، ایک طرف کھڑی تھی۔

بن علی کا قہر و غضب قابل دید تھا۔ جب وہ حد سے بڑھنے لگا تو نوشابہ، بن علی کا ہاتھ روکنے لگی لیکن بن علی نے اس کے سر پر بھی ایک شمع دان اٹھا کر دے ماری۔ نوشابہ وہیں لہرا گئی۔ پھر بن علی میری طرف بڑھا اور میں نے اس لحیم شحیم آدمی کو ہاتھ بڑھا کر بڑے اعتماد سے روک لیا "بن علی!" میں نے کہا۔ "میں تو تمہیں یہ بتانے آیا تھا کہ میں یہاں آ گیا ہوں۔ پہلے میرا ارادہ تمہارے قدموں سے یہ زمین پاک کرنے کا ارادہ تھا لیکن میں نے سوچا کہ تمہیں اپنے اعمال کی سزا ابھی بھگت لینی چاہئے۔ درخشاں اور زرافشاں کو میرے حوالے کر دو۔ فی الحال ان میں سے کوئی بھی۔ مجھے خالی ہاتھ نہ لوٹانا۔

نواب کے گھر میں آ کر کوئی واپس نہیں جاتا۔"

"جمیل احمد خان!" بن علی نے دانت پیس کر کہا اور بڑھ کر اپنی بندوق اٹھا لی۔ اس نے تیزی سے نشانہ باندھنا چاہا لیکن ظاہر ہے انکا کی موجودگی میں وہ جمیل احمد خان پر یہ کاری وار کس طرح کر سکتا تھا۔ انکا میرے سر سے چھلاوے کی طرف غائب ہو گئی اور میں نے آگے بڑھ کر بن علی کے ہاتھ سے بندوق چھین لی۔ بن علی حیرت زدہ نظروں سے میرا اطمینان اور اعتماد دیکھ رہا تھا۔ پھر میں نے ایک بھرپور ضرب بندوق کے کندے کی بن علی کے سر پر ماری اور یہ کہتا ہوا رخصت ہو گیا۔ "بن علی! میں تمہاری بہنوں کے پاس جا رہا ہوں۔" اس کے سر سے خون جاری ہو گیا تھا اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑا تھا مگر مجھے یقین تھا کہ وہ سخت جان اتنی آسانی سے نہیں مر سکتا۔ اسے بے ہوش چھوڑ کر میں اس کی خواب گاہ سے باہر آ گیا۔ انکا پھرتی سے میرے سر پر آ گئی اور میرے باہر نکلتے ہی اس نے مجھ سے سوال کیا۔ "جمیل! کیا ارادہ ہے؟"

"میں بن علی کی دونوں بہنوں کو یا فی الحال ایک کو یہاں سے لے جانا چاہتا ہوں۔" میں نے سرد لہجے میں جواب دیا۔

"میں تمہارے ہر حکم کی تعمیل کی پابند ہوں لیکن......"

"لیکن کیا؟" میں نے انکا کو جملہ ادھورا چھوڑنے پر کریدتے ہوئے پوچھا۔ "تم نے اپنا جملہ پورا نہیں کیا۔ کیوں انکا، ہم آخر یہاں کس لئے آئے تھے، تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"میری درخواست ہے جمیل! تم لڑکیوں کے سلسلے میں اپنا ارادہ بدل دو۔" انکا نے دبی آواز میں کہا۔ "میں سمجھتی ہوں اس میں تمہارے لئے کچھ خطرے موجود ہیں، یوں بھی وہ بے چاریاں بے قصور ہیں۔"

"تعجب ہے، یہ بات تم کہہ رہی ہو؟ حالانکہ تمہی نے مجھے دشمنوں سے نمٹنے کے لئے اکسایا تھا۔ کیا تم بھول گئیں کہ میری بہن رخسانہ کو کس نے اغوا کرایا تھا؟ کیا رخسانہ بے گناہ نہیں تھی؟"

"میں تمہارے احساسات سے واقف ہوں جمیل! مگر مجھے اس کام میں کچھ اچھے آثار نظر نہیں آ رہے ہیں۔ اگر ہم انہیں معاف کرتے ہیں تو بن علی سے انتقام لینے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"مگر میں انہیں دیکھنا چاہتا ہوں وہ کیسی ہیں؟ انکا! کیا بن علی کے لئے اس سے بڑی سزا کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ اس کی بہنیں کوٹھے پر بیٹھیں؟"

"تم انہیں دیکھ سکتے ہو، وہ اوپری منزل پر رہتی ہیں لیکن بن علی کو اس سے زیادہ بھیانک سزا مل سکتی ہے۔ ابھی تو ابتدا ہوئی ہے۔" انکا مصر رہی۔

"ٹھیک ہے...... آؤ اوپری منزل پر چلتے ہیں۔ یہ موقع پھر نہیں آئے گا۔ تم ان میں سے ایک لڑکی

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

کے سر پر چلی جانا، اس طرح ہم اسے آسانی سے یہاں سے لے جائیں گے۔''

''مگر ... مگر جمیل!'' انکا نے جھجک کا اظہار کیا۔

''مگر کیا؟ انکا...... مجھے وہاں لے چلو۔ میں ان حسیناؤں کو دیکھنا چاہتا ہوں۔'' یہ کہہ کر میں اوپری منزل کی طرف جانے لگا۔ انکا کے انکار پر میرا جنون اور بڑھ گیا۔ مجھے انہیں دیکھنے کا اشتیاق تھا اور میرا عہد مجھے اکسا رہا تھا کہ میں اس کی تکمیل کروں۔ ابھی میں نے چند ہی قدم اٹھائے ہوں کہ انکا کے پنجوں کی چبھن مجھے اپنے سر پر محسوس ہوئی۔ وہ مجھے روک رہی تھی۔ ''ٹھہر جاؤ جمیل! آگے راستہ بند ہے۔''

''راستہ کہاں بند ہے انکا؟ سامنے نظر آ رہا ہے۔ کیا تمہیں کچھ نظر نہیں آ رہا۔'' میں نے برہمی سے کہا اور ایک دو سیڑھیاں اور پار کر لیں۔

''رک جاؤ۔'' ایک بھاری بھرکم مردانہ آواز مجھے سنائی دی، میں نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ ''کون ہے انکا! یہ آواز کس کی ہے؟'' میں نے جز بز ہو کر کہا۔

''چلو جمیل واپس چلتے ہیں۔'' انکا نے مجھے پچکارتے ہوئے کہا۔

''مگر کیوں؟ تم مجھے کچھ بتاتی کیوں نہیں ہو؟''

''راستہ بند ہے۔ راستہ کھل سکتا ہے مگر تمہارے لئے یہ بہتر نہ ہوگا۔'' انکا نے پہلو بدل کر کہا۔

''تم کیسی بھول بھلیوں والی باتیں کر رہی ہو۔'' میں نے ناراضی سے کہا۔

پھر اچانک اوپر کی سیڑھیوں میں مجھے ایک سایہ نظر آیا۔ ایک مرد کا سایہ جو ایک لمحے میں ایک شکیل و وجیہہ مرد کی صورت میں واضح ہو گیا۔ اس کے انداز میں شاہانہ جلال تھا اور وہ کوئی قدیم لباس زیب تن کئے ہوئے تھا۔ اس کا چہرہ اتنا پُر وقار اور خوب صورت تھا کہ اس پر کسی شہزادے کا گمان ہوتا تھا جیسے کتابوں میں کسی مسلمان شہزادے کا حلیہ ہوتا ہے۔ اسے دیکھ کر میں ٹھٹکا لیکن...... دوسرے ہی لمحے میرے اندر کا ضدی آدمی جاگ اٹھا۔ میں نے اوپر کی ایک سیڑھی پھلانگ لی۔

''رک جایئے۔'' اس نے نہایت مہذب لہجے میں کہا۔

''میں اوپر جانا چاہتا ہوں۔'' میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''آپ اوپر نہیں جا سکتے۔ ادھر زنان خانہ ہے۔'' اس کی شیریں زبانی نے مجھے متاثر کیا۔

''میں زنان خانے ہی میں جانا چاہتا ہوں۔ میرے راستے سے ہٹ جایئے۔'' میں نے سختی سے کہا۔

''ہم یہاں نگہبانی کرتے ہیں۔ آپ میری موجودگی میں اندر نہیں جا سکتے۔'' اس نے کہا۔

''آپ مجھ سے واقف نہیں ہیں۔ میں ایک ذلیل شخص کو اس کے کرتوت کا مزہ چکھانے آیا ہوں۔ نیچے بن علی بے ہوش پڑا ہوا ہے، اس کا انجام دیکھ لیجئے اور [illegible]''

''بن علی سے آپ جو چاہیں انتقام لے سکتے ہیں مگر اس کی بہنیں بے قصور ہیں اور پھر ہم ان کے نگاہبان ہیں، ہم ایک عرصے سے یہاں رہتے ہیں۔''

''آپ کون ہیں؟'' میں نے اس سے متاثر ہو کر پوچھا۔

''ہم درخشاں اور زرافشاں کے امین ہیں۔ ہمارا سایہ ان پر موجود ہے۔ ہم آپ کے کسی معاملے میں دخل اندازی پسند نہیں کرتے لیکن یہاں ہم آپ کے راستے میں حارج ہوں گے۔ بہتر ہے آپ چلے جائیں۔''

''ورنہ پھر آپ کیا کریں گے؟'' میں نے درشتی سے پوچھا۔

''ہمیں معلوم ہے کہ آپ بھی تنہا نہیں ہیں مگر ہم مزاحمت کریں گے۔ ممکن ہے آپ کو اس سے نقصان پہنچے۔ ممکن ہے ہمیں اپنے رفیقوں کو بلانا پڑے۔'' اس نے بے جھجک ہو کر کہا۔

''یہ کون ہیں؟'' میں نے انکا سے پوچھا تو وہ ایک ثانئے کے لئے خاموش ہو گئی پھر کہنے لگی۔ ''جمیل! یہاں سے چلے چلو۔ بن علی کی حویلی ایک قدیم حویلی ہے۔ زنان خانے کے اس حصے پر جہاں درخشاں اور زرافشاں رہتی ہیں، وہاں اس مسلمان جن کا تسلط ہے۔ تم اس کی موجودگی میں وہاں نہیں جا سکتے۔''

''جن!'' میں نے حیرت سے کہا۔ ''کیا واقعی یہ نوجوان شخص کوئی جن ہے؟ مگر تم کس مرض کی دوا ہو کیا تم اسے زیر نہیں کر سکتیں؟''

''تمہیں چاہئے کہ مجھے ایسے حالات میں نہ ڈالو جہاں خود مجھے کسی آزمائش میں پڑنے کا احتمال ہو۔ ماورائی قوتیں آپس میں اس طرح کی چپقلش سے گریز کرتی ہیں۔ پھر ہو سکتا ہے کہ اس جن کا ایک پرا یہاں موجود ہو۔ ہمیں کچھ اور کرنا پڑے گا۔ کوئی اور ترکیب سوچنی ہوگی۔ یہ جن پورے طور پر اپنے قدموں پر جما ہوا ہے۔ مجھے کچھ سوچنے کا موقع دو۔'' انکا نے اضطراب سے کہا۔

''آپ جانتے ہیں بن علی نے میرے ساتھ کیا کیا ہے؟'' میں نے اس نوجوان کو مخاطب کیا جو مسکرا کر مجھے دیکھ رہا تھا۔

''ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ درخشاں اور زرافشاں بالکل سادہ و معصوم ہیں۔''

''میری بہن بھی سادہ و معصوم تھی۔ بن علی نے اسے اغوا کرایا تھا۔'' میں نے زچ ہو کر کہا۔

''لیکن ہم وہاں موجود نہیں تھے۔ ہمارا مسکن یہاں ہے۔''

''کیا آپ یہ نکتہ سمجھ رہے ہیں کہ میں عام لوگوں سے مختلف شخص ہوں۔''

''ہمیں معلوم [illegible]''

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

"مگر میں آپ سے ایک بات کہہ دوں، اس وقت تو میں چلا جاتا ہوں لیکن میں اپنے عہد کی تکمیل کے لئے بے قرار رہوں گا۔"

"جب تک ہم اس حویلی میں موجود ہیں، ہم مزاحم ہوتے رہیں گے۔"

"بہتر ہے کہ آپ راستے سے ہٹ جائیں، جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں، میرے پاس اس سے زیادہ ہے۔"

"بخدا جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں، وہ بھی کم ہے۔ ہمیں اپنی برتری کا اظہار نہیں آتا، تاہم آپ خود محسوس کر سکتے ہیں۔"

"شاید آپ غلطی کر رہے ہیں۔ آپ اس شخص سے مخاطب ہیں جو برسوں سے انہی ہنگاموں کا عادی ہے۔ یقین کیجئے کہ آپ کے مخاطب نے ان ہنگاموں سے بہت کچھ سیکھا ہے۔" میں نے زور دے کر کہا۔

"لیکن آپ کی آنکھوں پر ایک غلاف چڑھا ہوا ہے۔"

"جمیل! بات نہ بڑھاؤ۔ یہاں سے چلے چلو۔ نیچے بن علی کی خواب گاہ میں ایک ہجوم جمع ہو چکا ہے۔" انکا نے مجھے ٹوکتے ہوئے کہا۔

"آپ کو صحیح مشورہ دیا جا رہا ہے۔" شہزادے نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ ایک چیلنج ہے، یہ ایک دھمکی ہے، مجھے دھمکیاں پسند نہیں ہیں۔ میں دوبارہ آؤں گا۔" میں نے تلملا کر کہا۔

"ہم آپ کے استقبال کے لئے موجود ہوں گے۔" یہ کہہ کر وہ وہاں سے غائب ہو گیا۔ میں نے پھر اوپر چڑھنا چاہا لیکن انکا نے بڑی سختی سے روک دیا۔ بہت بے بسی کی حالت میں مجھے نیچے آنا پڑا۔ یہاں شور ہو رہا تھا۔ میں خواب گاہ سے بچتا بچاتا، انکا پر پیچ و تاب کھاتا حویلی سے باہر آنے میں کامیاب ہو گیا۔ راستے میں انکا خاموش رہی۔ میں نے بھی اس سے بات کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ رات خاصی گزر گئی تھی۔ میں گھر جا کر بستر پر دراز ہو گیا اور جب مجھ پر غنودگی سی طاری ہونے لگی تو انکا نے سرگوشی کی۔

"جمیل! تم نے اچھا کیا جو وہاں سے چلے آئے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ کہنے لگی۔ "تمہارے بے قرار دل کو سکون پہنچنے کے لئے ابھی بن علی باقی ہے۔ ہمارے لئے کسی طور یہ مناسب نہیں تھا کہ ہم ایسے واقعات میں جنات سے کوئی جھگڑا مول لیتے۔ ان جنات میں بعض بہت پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ جہاں رہتے ہیں وہاں کے مکینوں کے محافظ ہوتے ہیں اور ان کے لئے آفت جاں بھی۔ یہ جن بن علی کی بہنوں سے شدید وابستگی رکھتا تھا۔

Downloaded from Paksociety.com

چنانچہ وہ اپنی ہر طاقت بروئے کار لاتا۔ ہم ایک معمولی کام کے لئے اتنا بڑا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔"

"مگر میں ہر حالت میں اپنے عہد کی تکمیل چاہتا ہوں۔" میں نے غصے میں کہا۔

"میں نے اس پر خوب سوچا ہے۔ بن علی کا زوال قریب ہے۔ تم اسے لکھنؤ کی سڑکوں پر رسوا ہوتے ہوئے دیکھ لینا۔ کل رات میں تمہیں اشرفی بیگم کے ہاں لے چلوں گی۔ وہاں تزئین کی جگہ پر کرنے کے لئے دل نشین نامی ایک قتالہ آئی ہوئی ہے۔ تم دل نشین کو دیکھو گے تو تمہارا برا حال ہو جائے گا۔ ہر حسین لڑکی نوابین کو مطلوب ہے۔ جس طرح تزئین کے لئے خون خرابا ہوا تھا اسی طرح دل نشین کے لئے ہو سکتا ہے۔" انکا نے کہا۔

"انکا، کیا ہم بن علی کی حویلی خرید نہیں سکتے؟" اچانک میرے ذہن میں یہ خیال آیا۔

"حویلی؟ ہم بن علی کو خرید سکتے ہیں مگر یہ کام چٹکی بجاتے نہیں ہو سکتا اس کے لئے ہمیں ایک طویل راستے سے چلنا ہوگا۔ ہمیں بازار حسن کی حرافہ اشرفی بیگم کو اعتماد میں لے کر بن علی کی تباہی کے اسباب پیدا کرنے ہوں گے۔"

انکا نے مجھے تفصیل سے بن علی کی عادتوں کے متعلق بتانا شروع کیا لیکن اس جن کی موجودگی میں سارا منصوبہ بگڑ گیا تھا، مجھے خدشہ تھا کہ جب بن علی کو ہوش آیا ہوگا تو اس نے اپنی چوٹ کے متعلق یقیناً میرا نام لیا ہوگا۔ وہاں ایک گواہ نوشابہ بھی موجود تھی جس نے زمرد کے قتل کا پورا واقعہ سن لیا تھا۔ مجھے احساس ہوا جیسے آنے والی صبح پولیس میرے دروازے پر موجود ہو سکتی ہے۔ میں نے انکا سے اپنے اس خدشے کا ذکر کیا تو اس نے ہنس کر ٹال دیا۔ اس کا خیال تھا کہ بن علی میرے حویلی میں اس طرح دیدہ دلیری سے دندناتے ہوئے گھس جانے کے باعث اب محتاط ہو گیا ہوگا۔ وہ خواہ مخواہ جھگڑے کو طول دینے سے گریز کرے گا۔ دوسرے اس نے نوشابہ کے سامنے اقبال جرم کیا تھا اس لئے وہ سب سے پہلے اس کا منہ بند کرنے کے لئے اسے قتل کرنے کی کوشش کرے گا۔

"بن علی اس بات سے واقف ہے کہ تم کوئی معمولی آدمی نہیں ہو۔ وہ تمہیں عمر قید نہیں کرا سکتا۔ جیل میں بھیجے گا تو بہت سی باتیں کھل کر سامنے آئیں گی اور پھر رہا ہونے کے بعد تم پہلے سے زیادہ مشتعل ہو گے۔" میں انکا کی ذہانت کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا لیکن ایک عجیب الجھن سی ذہن و دل پر طاری تھی۔ اس بر خود غلط جن کی تادیب کی خواہش بھی دل میں ابھر رہی تھی۔ ہم دونوں آدھی رات تک اس موضوع پر گفتگو کرتے رہے اور جب کسی ایک نتیجے پر پہنچ گئے تو مجھے نیند آ گئی۔

صبح میں دیر سے اٹھا اور وہ بھی اس وقت جب میری بہن رخسانہ نے مجھے جھنجھوڑ کر اٹھایا۔ برآمدے میں سارا گھر چائے کی میز پر موجود تھا۔ ملازمین کی چہل پہل تھی۔ نفیس آڑا پاجامہ پہنے، دوپٹا

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

سر پر اوڑھے، ادھر ادھر بھاگتی پھر رہی تھی۔ میں نے جلدی سے ہاتھ منہ دھویا اور میز پر آ کر بیٹھ گیا۔ چھوٹی بہن نے چائے بنائی۔ چچا جان نے جھجکتے ہوئے پھر وہی بات چھیڑ دی جس کا تذکرہ وہ کئی بار کر چکے تھے۔ رخسانہ بھی میرے کولھے سے لگ کر بیٹھ گئی اور کہنے لگی۔ ''ابا جان، اگر آپ اجازت دیں تو میں جمیل بھائی سے بات کرلوں؟''

میں نے یہ تذکرہ درمیان سے ختم کر دیا، میں نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ ''رخسانہ! ابھی وقت نہیں آیا ہے۔ ابھی یہ کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔''

''ہمیں اتنی جلدی نہیں ہے بیٹے لیکن......''

''میں بتاتی ہوں جمیل بھائی!'' رخسانہ نے چچا جان کی بات درمیان میں اچک لی۔ ''بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے پڑوس میں بنارس کا ایک خاندان آباد ہے۔ ابھی ابھی ہم لوگوں سے اس خاندان کے تعلقات قائم ہوئے ہیں۔ کل فرزانہ وہاں ملنے کی غرض سے گئی تھیں۔ اور آپ کے لئے ایک دلہن، چاند سی دلہن پسند کر آئیں۔ سچ جمیل بھائی! لڑکی چندے آفتاب چندے ماہتاب ہے۔ نام بھی بڑا خوبصورت ہے۔ روحی۔''

''رخسانہ، تم کتنی سنگدل ہو، ابھی تمہاری بھابی کا کفن بھی میلا نہیں ہوا ہوگا۔ کوئی اور بات کرو۔'' میں نے رخسانہ سے براہ راست بات کہی۔ وہ ہونٹ چبا کر خاموش ہوگئی۔ چچا جان نے میرے چہرے پر غم کی چھائیاں دیکھیں تو موضوع بدل دیا اور کاروبار کی بات کرنے لگے، بڑی مشکل سے ان لوگوں سے چھٹکارا ملا۔ چائے جلدی جلدی ختم کر کے میں نے غسل کیا اور کپڑے تبدیل کئے۔ انکا بیدار ہو چکی تھی اور سر پر چہل قدمی کرنے میں مصروف تھی۔ وہ خاصی چاق و چوبند نظر آ رہی تھی۔ میں باہر جانے کے ارادے سے نکلا تو رخسانہ میری منتظر تھی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں مچلتے ہوئے آنسوؤں کی نمی محسوس کر لی۔ وہ مجھ سے معافی مانگ رہی تھی۔ اس کی آواز شدت جذبات سے لرز رہی تھی۔ میں نے اسے خوش کرنے کے لئے مسکرا کر کہا۔ ''تمہیں اس شرارت کی سزا ضرور ملے گی۔ میں کل ہی کسی وقت چچا جان سے بات کروں گا کہ اب تمہاری ڈولی اٹھانے کا بندوبست کریں۔''

''بھائی جان!'' رخسانہ نے شرمیلی نظروں سے مجھے گھورا، پھر چہرے پر ہاتھ رکھ کر بھاگ گئی۔ میں ایک دلکش موڈ میں گھر سے باہر نکلا اور حضرت گنج کے ایک کافی ہاؤس میں تنہائی کا ایک کونا ڈھونڈ کر انکا سے باتیں کرنے لگا۔ مجھے آج تزئین اور کلدیپ یاد آ رہی تھیں۔ انکا کو ابھی میں نے ان کے متعلق نہیں بتایا تھا۔ میرا ارادہ جلد سے جلد یہاں سے جانے کا تھا لیکن درمیان میں ناظم علی، ببن علی اور اشرفی بیگم کی تثلیث آ گئی۔ دوپہر کو میں نے ہوٹل ہی میں کھانا کھایا اور انکا نے مجھے اس جگہ پہنچا دیا جہاں بازار حسن کے نامی گرامی دلال رہتے تھے۔ مجھے ان کی زبانی عجیب عجیب باتیں معلوم ہوئیں اور یہ بھی پتا چلا کہ دل

نشیں کو اشرفی بیگم نے ایک بڑی رقم کے عوض کسی کشمیری خاندان سے خریدا ہے، بہر حال میں نے ان کی جیب خاصی گرم کر دی، شام کو میں گھر چلا آیا۔

مجھے رات کا انتظار تھا۔ آفتاب غروب ہوا تو میں نے ایک شیروانی نکالی۔ عطر لگایا اور نوابوں کی طرح سج بن کر اس کوچہ دلبراں کا رخ کیا جہاں سر شام حسن کے چاند جلوہ گر ہو جاتے ہیں۔ بالا خانوں سے رقص و موسیقی چھن چھن کر باہر آ رہی تھی، خوشبوئیں بکھر رہی تھیں۔ پان کی دکانوں پر بانکے سجیلے نوجوان کھڑے گلوریاں بنوا رہے تھے۔ غرض ہر سمت زندگی شباب پر تھی۔ انکا ایک ایک چیز کو آنکھیں مٹکا مٹکا کر دیکھ رہی تھی۔ اس وقت ہم دونوں کا موڈ خوشگوار تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر بولی۔ ''جمیل یہاں ان منچلوں کو کیا لطف آتا ہے؟ یہاں تو ایک انار سو بیمار والا حساب ہوتا ہے۔''

''یہ سب اس وجہ سے ہے کہ عورت نایاب ہے۔ عورت اگر عام ہو جائے تو اس بازار کی یہ رونق نہ رہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''بہر حال تم پر بہت کچھ انحصار ہے۔ تم مستعد رہنا۔''

''میں آج بہت تر و تازہ ہوں۔''

''تمہیں خون کی ضرورت تو محسوس ہوتی ہوگی؟''

''ہاں، کل ناظم علی کا کچھ خون میرے حلق میں منتقل ہو گیا تھا۔''

''اوہ تو یہ وجہ ہے تمہاری شادابی کی؟''

''مگر میرے لئے تمہیں کوئی انتظام کرنا پڑے گا جمیل!'' انکا اٹھلا کر بولی۔

''جب تک دنیا میں برے لوگوں کی بہتات ہے، اس وقت تک تمہاری غذا کی بھی بہتات ہے۔ ببن علی کے متعلق کیا خیال ہے؟''

''وہ......!'' انکا نے مزے لے کر کہا۔ ''مگر اس میں ابھی بہت دیر ہے۔''

لوگوں کی بھیڑ سے گزرتا ہوا میں اشرفی بیگم کے بالا خانے پر پہنچ گیا۔ اوپر سے کسی مغنیہ کے گانے کی آواز آ رہی تھی۔ میں نے سیڑھیوں کی جانب قدم بڑھا دئے۔ اوپر پہنچا تو محفل گرم تھی۔ اشرفی بیگم سازندوں کے قریب بڑے ٹھسے سے بیٹھی اس نوخیز مغنیہ کو دیکھ رہی تھی جس کے گلے میں سوز تھا۔ وہ بلاشبہ ایک حسین لڑکی تھی۔ کمرے میں آٹھ دس افراد گاؤ تکیوں سے لگے بیٹھے تھے اور مغنیہ کو ہوس کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ میں چونکہ دروازے کی اوٹ میں تھا اس لئے اشرفی بیگم اور سازندوں کی نظر مجھ پر نہ پڑ سکی۔ چند ایک تماش بینوں نے مجھے دیکھ لیا لیکن وہ مغنیہ میں اتنے الجھے ہوئے تھے کہ مجھ پر اچٹتی نظر ڈال کر پھر ادھر مصروف ہو گئے۔ انکا نے مجھے اس نوخیز مغنیہ کے بارے میں بتانا شروع کیا۔ ''جمیل! اشرفی بیگم نے اپنی دکان سجانے کے لئے بڑے انمول موتی کا انتخاب کیا ہے۔ یہی دل نشین ہے۔ تین چار دن پہلے یہ اس کوچے میں جے پور سے آئی ہے۔ کشمیری ہے۔ جے پور میں رقص و موسیقی

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

کی تعلیم حاصل کر رہی تھی، اشرفی بیگم نے اسے بڑی معقول رقم دے کر خریدا ہے۔ یہ سودا پھر بھی سستا تھا۔ اب اس کا نیلام ہوگا اور لکھنو کے نوابین میں کھلبلی مچ جائے گی۔ لکھنو میں ابھی دل نشیں کے جلوے کی خوشبو نوابین کی حویلیوں تک نہیں پہنچی ہے۔ اشرفی بیگم نے اس کے حسن کے چرچے عام کرنے کے لئے چند دلال چھوڑ رکھے ہیں لیکن یہ کام اب میرے اور تمہارے ذمے ہوگا۔ ہم اس کی قیمت بڑھا دیں گے۔ یہاں اگلے چند دنوں میں تل دھرنے کی جگہ نہ ہوگی۔ لاکھوں روپے اشرفی بیگم اس کی نتھ کے وصول کر سکتی ہے۔"

میں نے دل نشین کو غور سے دیکھا، اس میں لوگوں کو دیوانہ بنانے کی تمام ادائیں موجود تھیں۔ دل نشین تو کوئی قیامت تھی۔ میں دروازے کی اوٹ سے نکل کر سامنے آیا پھر بے دھڑک اندر جا کر ایک گاؤ تکیئے سے ٹک گیا۔ اشرفی بیگم کی نظر مجھ پر پڑی تو اس کی حالت دگرگوں ہوگئی۔ غصے سے اس کا چہرہ لال سرخ ہوگیا۔ سازندوں نے مجھے دیکھا تو ان کے چہروں کے رنگ پھیکے پڑ گئے۔ میں نے جیبوں میں ہاتھ ڈالے اور روپے نچھاور کرنے شروع کر دیئے۔ جب میں نے پہلا بڑا نوٹ نکالا تو محفل کے آداب کے مطابق دل نشیں اٹھ کر میرے پاس آگئی اور میرے سامنے بیٹھ کر مصرع دہرانے لگی۔ میں نے نوٹ کے اس کے قدموں پر نچھاور کر دیا۔ پھر دوسرا نوٹ اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا، دل نشیں نے ایک دل نواز تبسم کے ساتھ میرا شکریہ ادا کیا۔ اس کی یہ ادا دل کو بہت بھائی۔ نوٹ تھام کر وہ جانے کے ارادے سے اٹھی تو میں نے دوسرا نوٹ نکال لیا پھر یہ سلسلہ جاری رہا تا کہ دل نشین میرے سامنے بیٹھی رہے اور کسی اور کے سامنے نہ جاسکے۔ اشرفی بیگم کانٹوں پر لوٹ رہی تھی۔ دل نشیں ان باتوں سے بے نیاز میرے سامنے بیٹھی دل نشیں انداز سے نغمہ سرائی کر رہی تھی۔ میں اس سے فرمائش کرتا رہا اور روپے نکالتا رہا، حاضرین محفل کے چہرے لٹکے ہوئے تھے۔ انہوں نے یہ رنگ دیکھا تو بد دل ہو کر اٹھنے لگے۔ میں ایک گھنٹے میں ہزاروں روپے لٹا چکا تھا اور اب وہاں میرے سوا کوئی اور تماش بین نہیں رہ گیا تھا۔ میں اشرفی بیگم کو کن انکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس وقت ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کے مصداق بنی بیٹھی تھی لیکن تا بکے؟ جب دل نشیں نے غزل ختم کی اور دوسری غزل شروع کرنے سے پیشتر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گنگنانا شروع کیا تو اشرفی بیگم چپ نہ رہ سکی۔ جہاں بیٹھی تھی وہیں سے بولی۔ "بس کرو دل نشیں۔ تمہاری طبیعت نصیب دشمناں پہلے سے ناساز ہے، اب خواب گاہ میں جا کر آرام کرو۔ خورشید تمہاری کمی پوری کرنے کی کوشش کرے گی۔"

دل نشیں نے تعجب سے اشرفی بیگم کو دیکھا۔ آنکھوں آنکھوں میں کچھ اشارے ہوئے، پھر وہ بڑے ادب سے اپنا حنائی ہاتھ پیشانی تک لے جا کر مجھے تسلیم کہتی ہوئی اٹھنے لگی۔ میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "اگر آپ کے مزاج ناساز ہیں تو نغمہ سرائی کی زحمت نہیں دوں گا۔ آپ سے گفتگو بھی تو شعروں

سے کم نہیں، آپ تو خود ایک غزل ہیں۔"

"آپ کی ذرہ نوازی ہے۔ کنیز حکم کی تعمیل کرے گی۔" دل نشیں نے اپنے تیکھے انداز میں کہا پھر میرے قریب ہو کر بیٹھ گئی۔ اشرفی بیگم ہاتھ مل رہی تھی۔ سازندے خاموش بیٹھے دزدیدہ نظروں مجھے گھور رہے تھے۔ میں نے ان سب کو نظر انداز کر دیا اور دل نشیں کو والہانہ نظروں سے دیکھ کر کہا۔ "آپ غالباً اس کوچہ عشرت میں نئی آئی ہیں؟"

"جی ہاں، کنیز کا یہ تیسرا دن ہے جو شرفا کے سامنے بیٹھنے کی جرات کر رہی ہے۔" دل نشیں نے شرماتے ہوئے کہا۔

"زہے نصیب۔ ہم بھی ان خوش نصیبوں میں شامل ہوگئے جنہوں نے آغاز شب میں آپ کا دیدار کر لیا۔"

دل نشیں کا چہرہ حیا سے گلنار ہوگیا۔ میں نے کہا۔ "یقین کیجئے، جو عرض کیا گیا ہے وہ دل کی آواز ہے۔"

دل نشیں نے ایک نظر مجھے دیکھا پھر لجا کر بولی۔ "قدر افزائی کا شکریہ۔"

اشرفی بیگم جو ابھی تک دور ہی دور بیٹھی تھی، تیزی سے اپنا بھاری غرارہ سنبھالتی ہوئی میرے قریب آگئی اور دل نشیں سے بولی۔ "دل نشیں جان من! تمہیں آرام کی ضرورت ہے، خواب گاہ تمہاری منتظر ہے۔"

دل نشیں نے سہم کر اشرفی بیگم کے چہرے پر نگاہ کی پھر کن انکھیوں سے میری جانب دیکھ کر معذرت طلب کی۔ تسلیم کرتی ہوئی اٹھی اور اندر چلی گئی۔ اشرفی بیگم کھڑی پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تشریف رکھئے اشرفی بیگم! آپ کا قدیم نیاز مند بارگاہ حسن میں حاضر ہے۔ کیا آپ نے مجھے پہچانا نہیں؟"

"جمیل میاں!" اشرفی بیگم الفاظ چباتے ہوئے بولی۔ "میں ایک ماہ پہلے بھی آپ سے دست بستہ عرض کر چکی ہوں کہ آپ مجھ سے کوئی تعلق نہ رکھیں۔ ازراہ کرم آپ یہاں آنے سے گریز کیا کریں۔ میرا کاروبار یہی ہے۔ آپ کیوں ہم لوگوں کو پریشان کرنے آجاتے ہیں؟"

"بہت خوب!" میں نے اشرفی بیگم کی جھلاہٹ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔ "گویا آپ کو اب میرا یہاں آنا بھی گوارا نہیں۔ میں یہاں آتا ہوں تو خالی ہاتھ نہیں آتا۔ یہ دروازہ تو سب کے لئے کھلا ہوتا ہے۔ ویسے میں عرض کروں کہ میں پہلے بھی آپ کو پریشان کرنے نہیں آیا تھا حالانکہ آپ نے مجھے رسوا کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ وہ باتیں تو خیر بعد میں ہوں گی، آپ مجھے دیکھ چکی ہیں۔ میں آپ کو برت چکا ہوں۔ میرا خیال ہے اب آپ کو محتاط رہنا چاہئے۔ اپنے مہمانوں سے ایسا سلوک نہ

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

کیجئے کہ وہ گستاخی کی جرات کرسکیں۔"

"دیکھئے جمیل میاں! اب بہت ہو چکا ہے۔ تزئین کا اب تک پتا نہیں ہے۔ قید خانہ، قتل، گولیاں۔ ہم ان جھگڑوں میں نہیں پڑتے۔ آپ جب بھی آتے ہیں، کوئی نہ کوئی قیامت آتی ہے۔ خدا کے لئے ہمیں معاف کیجئے۔"

"ارے رے، آپ تو بہت خوف زدہ ہیں مجھ سے۔ میں تو حسن کا پجاری ہوں۔ سنا تھا کہ آپ کے یہاں ایک نادر چیز موجود ہے۔ سودا کرنے چلا آیا۔"

"اگر آپ کا اشارہ دل نشیں کی طرف ہے تو میں معذرت چاہوں گی۔ تزئین کے بعد بڑی مشکل سے میں نے لکھنو کے امراء کے لئے یہ قیمتی لڑکی تلاش کی ہے۔"

"سچ، آپ کو حسن کا انتخاب آتا ہے۔ آپ کے کمالات کا میں دل سے قائل ہوں۔ سارا شہر آپ کی مٹھی میں ہے۔ عہدے دار آپ کے قدموں میں رہتے ہیں۔ نوابین آپ کی ایک نظر التفات کے متمنی ہیں۔ آپ حسین ہونے کے ساتھ سنگدل بھی ہیں۔ میں نے آپ سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ بہر حال میں دل نشیں کی تعریف سن کر چلا آیا۔ اس کلی کو شگفتگی دینے کے لئے آپ نے کیا نذرانہ مقرر کیا ہے؟"

"نذرانہ آدمی دیکھ کر مقرر کیا جاتا ہے۔"

"آپ پھر میری توہین کر رہی ہیں۔" میں نے طنز کیا۔

"نہیں، ایسی بات نہیں ہے۔" اشرفی بیگم سنبھل کر بولی۔ "خان صاحب! آپ اس نیلام میں بولی لگا سکتے ہیں لیکن میرا خیال ہے آپ کو مایوسی ہوگی۔"

"آپ موقع تو دیجئے مجھ پر ستم تو نہ کیجئے۔"

"آپ سے ڈر لگتا ہے۔" اشرفی بیگم نے اچانک کہا۔

"میں اتنا بدصورت تو نہیں ہوں۔ آپ کی نظر فریب خوردہ ہے۔" میں نے شوخی میں کہا۔

"آپ کوئی جن ہیں، یا دیو ہیں خان صاحب۔ آپ نے پنڈت مرلی دھر کو زچ کیا۔ جیل سے صاف نکل آئے، پُراسرار طور پر تزئین غائب ہوگئی۔ آپ نے پورے شہر میں ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ ناظم علی نے حیرت انگیز طور پر خودکشی کر لی۔ یہ سب اتنے تواتر اور تسلسل سے ہو رہا ہے کہ آپ سے دور رہنے ہی میں عافیت نظر آتی ہے۔" اشرفی بیگم کے لہجے میں خوف نمایاں تھا۔

"میں ایک سیدھا سادا سا آدمی ہوں، حسن کا دلدادہ ہوں، غیرت مند ہوں۔ آپ نے شروع سے مجھے غلط سمجھا اور تکلیفیں اٹھائیں، آپ یکے بعد دیگرے غلطیاں کرتی رہیں یہاں تک کہ آپ نے بن علی کو میری بہن کو اغوا کرنے پر اکسایا۔ بہر حال میں یہ باتیں تفصیل سے دہرانا نہیں چاہتا۔ یہ تو بعد کی باتیں ہیں، میں دل نشیں کی محبت رنگیں کا طلب گار ہوں۔ مجھے حکم دیجئے کہ کتنا نذرانہ پیش کر دیا جائے؟"

"خان صاحب! میں فی الحال اس کا سودا کرنے پر تیار نہیں ہوں۔ ابھی مجھے اس کی قیمت کا اندازہ کرنا ہے۔"

"وہ بھی کر لیجئے اور میری بھی سن لیجئے۔ میں ایک لاکھ روپے نذر کرنے پر آمادہ ہوں۔"

اشرفی بیگم نے حیرت سے مجھے دیکھا لیکن پھر فوراً ہی سنبھل گئی۔ "ایک لاکھ روپے! خان صاحب! آپ کو ہیرے کی پہچان ہے پھر بھی ایسی باتیں کر رہے ہیں۔ یہ نگینہ جب نوابین اودھ کی آغوش میں جگمگائے گا تو آپ کو اس کی صحیح قیمت کا اندازہ ہوگا۔"

"میں رقم بڑھا سکتا ہوں۔ سودے بازی مجھے اچھی نہیں لگتی۔ دو لاکھ روپے۔"

"مجھے سوچنے کا موقع دیجئے۔" اشرفی بیگم نے دیدے پھاڑ کر کہا۔

"میں یہاں آتا رہوں گا۔ آپ سوچ لیجئے اور کوئی اچھی سی غزل سنوا دیجئے۔ آپ خود بھی تو اچھا گاتی ہوں گی؟ اب بھی آپ کے تیوروں میں ان گنت حسیناؤں کا تیکھا پن ہے۔ کاٹ ہے۔" میں نے تفریحاً کہا۔

"جمیل صاحب! میں اب کہاں رہی؟ تزئین کے جانے کے بعد تو میری کمر ٹوٹ گئی۔ آپ میرا مذاق نہ اڑائیں۔"

"توبہ کیجئے۔ لیکن آپ مجھے اچھی لگتی ہیں۔"

"خدا کرے ایسا ہی رہے۔"

اشرفی بیگم فوراً اٹھ کر چلی گئی۔ دبلے پتلے نقش و نگار کی ایک لڑکی خورشید وہاں آئی اور اس نے گانا شروع کر دیا۔ میں کچھ دیر وہاں رہا اور اپنے پہلے دن کا کام نمٹا کر چلا آیا۔ دوسرے دن صبح میں دلالوں کے اس ہوٹل میں گیا جہاں عموماً ان کی بھیڑ رہتی تھی۔ میں نے ان کے کانوں میں یہ بات ڈال دی کہ میں دل نشیں کے لئے دو لاکھ روپے کی پیشکش کر آیا ہوں۔ مجھے معلوم تھا کہ رات تک یہ خبر تمام نوابین تک پہنچ جائے گی اور پھر رات کو اشرفی بیگم کے ہاں بہت ہجوم ہوگا اور یہی ہوا، دوسری رات جب میں وہاں پہنچا تو امرائے شہر خاصی تعداد میں وہاں موجود تھے۔ اشرفی بیگم مسرت سے کھلی جا رہی تھی اور دل نشیں کی آواز پر شباب آ گیا تھا۔ میں نے اس دن بھی روپے لٹائے لیکن احتیاط کے ساتھ۔ اس رات مجھے تنہائی کا موقع نہیں ملا۔ رات گئے تک مختلف امرا اشرفی بیگم سے دل نشیں کی باتیں کرتے رہے۔ انکا پھدک پھدک کر ان کے سروں پر جاتی رہی۔ ٹوہ لیتی رہی اور ان کا اشتیاق بڑھاتی رہی۔ بمبئی کے ایک من چلے سیٹھ داؤد بھائی نے اسی دن تین لاکھ روپے دل نشیں کے لئے طے کئے لیکن وہ مسکرا کر ٹال گئی۔ اس نے میری طرح اس سے بھی کچھ سوچنے کا وقت مانگا۔ گویا کشمیر کی ایک پری چہرہ لڑکی کی دوشیزگی کا نرخ ایک رات میں تین لاکھ روپے ہو گیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ حاسد نوابین ایک دوسرے کو زیر کرنے اور اپنی انا کا

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

سکہ بٹھانے کے لئے کس قدر بڑھ چڑھ کر بولیاں لگائیں گے اور وہ کم بخت ہن علی ......اس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی مگر یہ کس طرح ممکن تھا کہ اس کے گر گے اسے اشرفی بیگم کے ہاں بولی لگنے کی خبر نہ پہنچاتے اور وہ ملعون بوالہوس یہ کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ کوئی حسین لڑکی لکھنو کے دوسرے نوابین کی آغوش میں چلی جاتی۔ میں جو چاہتا تھا وہ بہت خوش اسلوبی سے ہو رہا تھا۔ ہر روز رات کو میں دیوانہ وار اشرفی بیگم کے کوٹھے پر جاتا۔ وہاں دل نشیں کا پُر شباب رقص ہوتا۔ یہاں میں شمار تفصیلات دانستہ حذف کر رہا ہوں حالانکہ جی یہی چاہتا ہے کہ ہر اس رات کا احوال لکھا جائے جو اشرفی بیگم کے بالا خانے پر گزری۔ ممکن ہے آپ حسن و جمال کا تذکرہ بیان کی طوالت پر محمول کریں۔ تاہم حسن کے ذکر میں بخل سے کام لینا میرے نزدیک گناہ ہے۔ اشرفی بیگم کے بالا خانے پر حسن کا اجتماع تھا، ایک سے ایک نادر لڑکی موجود تھی۔ ایک ہفتے بعد صورت حال یہ ہوئی کہ دل نشیں بہت سے لوگوں کے لئے چیلنج بن گئی۔ اشرفی بیگم دونوں ہاتھوں سے نقدی اور تحائف لوٹ رہی تھی اور دل نشیں کی قیمت میں روز افزوں اضافہ ہو رہا تھا۔ دل نشیں کے مشتاقان دید کا ہجوم بڑھتا جا رہا تھا۔ میرے لئے یہ سب سے دلچسپ اور انوکھا مشغلہ تھا۔ انکا بھی بہت خوش خوش نظر آتی تھی، ایک دن یہ بھی سنا کہ نواب ہن علی نے دل نشیں کی یہ شہرت سن کر اپنا خاص نمائندہ اشرفی بیگم کے پاس تحائف سے مالا مال کر کے بھیجا تھا اور غالباً اشرفی بیگم کو قیمت بڑھانے کے لئے نواب ہن علی جیسے صاحب ذوق ہی کا انتظار تھا۔ کوئی دس دن بعد، ایک رات وہ شورہ پشت، وہ کمینہ نواب سج دھج کر اپنے مصاحبین کے جلو میں اشرفی بیگم کے بالا خانے پر طلوع ہوا، اس کے سر پر دستار بندھی ہوئی تھی، اس نے مجھے دیکھا تو تلملا کر رہ گیا۔ میں نے حسب معمول اس رات پھر دل نشیں پر روپے کی برسات کی اور دوسرے نوابین نے بھی دل کھول کر اسے نوازا۔ ہن علی نے اپنے گلے کی مالا اتار کر دے دی۔ پھر میں نے اشرفی بیگم کو بلا کر پوچھا۔ ”اب کیا ارادہ ہے اشرفی بیگم؟ اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔“

”دیکھئے خان صاحب! بات چند دنوں میں لاکھوں روپے تک جا پہنچی ہے۔“

”مجھے معلوم ہے۔ بہرحال آپ کب تک تڑپاتی رہیں گی؟ ان لوگوں سے مجھے رقابت محسوس ہوتی ہے۔“

اشرفی بیگم نے ماہرانہ ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ ”مجھے کچھ کما لینے دیجئے۔ آپ نے دیکھا بولی دس لاکھ سے اوپر پہنچ گئی ہے۔“

”جن لوگوں کے پاس پیسہ محنت کے بغیر آ جاتا ہے، ان کے لئے دس لاکھ کیا حیثیت رکھتے ہیں۔“ میں نے چٹکی لی۔ ”میری پیش کش کو اولیت حاصل ہے۔ میں نے سب سے پہلے بولی لگائی تھی۔ اس سے زیادہ دینے کو تیار ہوں۔“

Downloaded from Paksociety.com

”آپ مجھے مہلت دیجئے۔“ اشرفی بیگم نے درخواست کی۔

”آپ کی یہ مہلت تو میری حرکت قلب بند کر کے رہے گی۔“

ہن علی نے اشرفی بیگم کو رازدارانہ انداز میں مجھ سے باتیں کرتے دیکھا تو منہ پھیر لیا۔ اشرفی بیگم میرے پاس سے اٹھ کر اس کے پاس چلی گئی۔ انکا ہن علی کے سر پر پہنچ گئی۔ ان کے درمیان دل نشیں کے سودے کی بات ہوئی اور ہن علی نے اس سے زیادہ کی پیش کش کر دی۔

پھر یہی سلسلہ چلتا رہا اور ایک مہینے کی مدت میں رقابت اور حسد کا ایسا بازو بندھا کہ کئی چھوٹے موٹے نوابوں نے ادھر جانے سے توبہ کر لی۔ ہن علی روز آتا اور روپے لٹا کر چلا جاتا۔ اس عرصے میں اسے چند گاؤں بیچنے پڑے۔ میں خاموش تماشائی بنا یہ دلچسپ ترین تماشا دیکھ رہا تھا۔ یہ دنیا کا سب سے سنسنی خیز نیلام تھا۔ اشرفی بیگم لاکھوں میں کھیل رہی تھی۔ گاتے گاتے دل نشیں کا گلا بیٹھ جاتا تھا۔ وہ نوابین جو اپنے نام کی خاطر اپنی مونچھ اونچی رکھنے کے لئے اپنا سب کچھ لٹانے اور اپنے آپ کو داؤ پر لگانے سے بھی دریغ نہیں کرتے، وہ ایک خوب صورت دوشیزہ کے لئے ایک دوسرے سے مقابلہ کر رہے تھے، کوئی تنگ دل بولی لگانے میں بخل سے کام لیتا تو میں انکا کو اس کے سر پر بھیج دیتا۔ اس میدان میں جیت اسی شخص کی ہوتی تھی جو پیسے کے لحاظ سے سب سے طاقت ور ہو۔ مجھے دل نشیں کے حصول کی کوئی تمنا نہ تھی، میرا مقصد تو کچھ اور تھا۔ میں دن بھر انکا کے ذریعے روپے اکٹھے کرتا اور رات کو اشرفی بیگم کے بالا خانے پر برسا دیتا۔ اب اشرفی بیگم کے تیور بدل گئے تھے۔ وہ میری عزت کرنے لگی تھی۔ اس کے ہاں کی دوسری لڑکیاں میرے سامنے بچھی بچھی جاتی تھیں۔ ایک لڑکی شمیم، جسے ایک رات گومتی کے کنارے لے گیا تھا، مجھے بڑی حسرت کی نگاہ سے دیکھتی تھی لیکن میں دانستہ دل نشیں میں دلچسپی لے رہا تھا۔ اشرفی بیگم کی ہوس روز بروز بڑھتی جا رہی تھی اور وہ جان بوجھ کر سودے کو طول دے رہی تھی۔ مجھے دو موسم گزارنے تھے تاکہ بدری نرائن کالی کے تحفظ سے باہر نکل آئے۔ وقت آہستہ آہستہ گزرنے لگا اور دو ماہ گزر گئے۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کتنی دولت صرف کی لیکن ہن علی کو میں نے دیوانہ بنا دیا تھا۔ اب اس کے پاس نقدی اور زیورات ختم ہو چکے تھے۔ پیسہ تیزی سے جا رہا تھا، کبھی وہ خود دیتا، کبھی انکا اس کے سر پر جا کر دولت لٹواتی۔ اس طرح وہ دوسرے امراء اور نوابین کے سامنے سرخ رو ہوتا اور دوسرے دن اس کے گرگے بڑھ چڑھ کر اس کے نام کے تذکرے کرتے، شہر میں ہن علی کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ دل نشیں ابھی تک اشرفی بیگم کے پاس تھی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہن علی سب کچھ لٹا بیٹھا اب لے دے کے ایک حویلی رہ گئی تھی۔ وہ حویلی جس پر میری نظر تھی۔ آخر ایک دن میں منظر سے غائب ہو گیا اور دوسرے نوابین بھی رفتہ رفتہ رخصت ہو گئے۔ ہن علی کو دل نشیں کی نتھ بہت مہنگی پڑی لیکن وہ ضد کا پکا اڑا رہا اور اشرفی بیگم نے اس کی حویلی کے عوض دل نشیں کا سودا کر دیا۔ اس کے سوا ہن علی کے پاس کچھ نہیں

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

رہا تھا۔ ہبن علی کی حویلی اشرفی بیگم کے حوالے ہوگئی اور لوگوں نے دیکھا کہ ہبن علی نے آخری رات دل نشیں کے گداز جسم کی چھاؤں میں گزار دی۔ دل نشیں کی یہ قیمت اسے سستی پڑی اس لئے کہ لوگوں نے بڑی بڑی بولیاں لگائی تھیں مگر وہ سب غائب ہوگئے۔ اشرفی بیگم کی آنکھ میں پرانے تعلق کی وجہ سے بہرحال اتنی مروت ضرورت تھی کہ اس نے دل نشیں کو ہبن علی کے حوالے کر دیا۔ وہ رات آخری رات تھی۔ ایک ہفتے تک وہ اس مست ناز کے ساتھ سرمست رہا۔ پھر اگلے ہفتے اسے اشرفی بیگم کے غنڈوں نے اسے حویلی سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا۔ یہ ایک نواب کا حیرت انگیز زوال تھا۔ حویلی سے سامان نکلا جو بازاروں میں آیا اور ہبن علی نے اسے بیچ کر اپنے لئے کرائے کا ایک مکان حاصل کیا۔ اس کی دونوں بہنیں اور دو وفادار ملازم ساتھ تھے۔ وہ لکھنو کے ایک محلے میں منتقل ہوگئے۔ ہبن علی کی زندگی ہی میں اس کی موت واقع ہوگئی۔ وہ ہذیانی انداز میں اشرفی بیگم کے ہاں جاتا اور اشرفی بیگم میرے سامنے اس سے نظریں پھیر لیتی۔

میں ہبن علی کی داستان عبرت کے ساتھ زیادتی کر رہا ہوں۔ اس کی بہنیں درخشاں اور زرافشاں تو کوٹھے پر نہ بیٹھ سکیں لیکن میں نے ایسی صورت پیدا کر دی کہ خود ہبن علی اشرفی بیگم کے ہاں چلمیں بھرنے لگا۔

یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس کے تمام اعزا اس سے دور ہو گئے تھے۔ وہ ایک بدنام اور بے عزت شخص کی طرح سے ہر طرف مشہور ہو گیا تھا اور آخر اس ڈرامے کا ڈراپ سین اس طرح ہوا کہ ہبن علی محض اشرفی بیگم کے بالا خانے کا ہو رہا۔ وہاں کسی مروت اور قدیم تعلق کی رعایت کی امید میں جاتا تھا۔ وہ اپنے گھر واپس نہیں آنا چاہتا تھا۔ درخشاں اور زرافشاں کی حفاظت اس کے دونوں وفادار ملازم کر رہے تھے۔ ہبن علی مستقل طور پر اشرفی بیگم کی ڈیوڑھی پر ٹک گیا۔ اس کی حالت دیوانوں کی سی تھی۔ اسے اپنا ہوش نہیں رہتا تھا۔ مجرے کے دوران وہ ایک کمتر کی حیثیت سے الگ تھلگ بیٹھا رہتا اور ایک ایک کا منہ تکتا رہتا۔

زرافشاں اور درخشاں کو دیکھنے کو جی چاہتا تھا۔ ایک دن میں ان کے مکان پر پہنچا۔ وہ ایک متوسط درجے کا مکان تھا، میں نے خود کو ہبن علی کا دوست ظاہر کیا لیکن مجھے اندر جانے کی اجازت نہیں ملی۔ دروازے پر وہی شہزادہ نظر آیا جو ہبن علی کی حویلی میں ملا تھا۔ اس نے میرا راستہ روک لیا۔

''آپ یہاں بھی ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں، ان لوگوں کو نگہبانی کی ضرورت تھی ہم یہاں چلے آئے۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''میں زرافشاں اور درخشاں کی مدد کرنا [illegible]

''خوب! اب آپ ان کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ بخدا اگر ہمیں روک نہ دیا جاتا تو ہم آپ کو دیکھ لیتے۔'' اس نے غصے میں کہا۔

''آپ کا مقصد کیا ہے؟'' میں نے تیور بدل لیا۔

''وقتی طور پر ہم مجبور ہو گئے تھے لیکن آپ اسے ہمیشہ کی مجبوری نہ سمجھیں۔'' اس نے نخوت سے کہا۔

''شاید آپ کوئی معرکہ چاہتے ہیں۔'' میں نے صاف گفتگو کی۔

''ہاں! لیکن اس وقت جب ہمیں اس کی اجازت مل جائے گی، آپ جا سکتے ہیں۔''

انکا نے پھر حسب سابق مجھے واپس چلنے کی تاکید کی۔ میں بھپر رہا تھا لیکن جب انکا ہی نے کچھ آگے کہنے سننے سے انکار کر دیا تھا تو مجھے بے نیل مرام واپس آنا پڑا۔ البتہ ایک بات واضح ہو گئی تھی کہ وہ شہزادہ مجھ سے سخت برافروختہ تھا مگر کوئی طاقت اسے روکے ہوئے تھی۔ وہ طاقت کون تھی؟ میں نے انکا سے دریافت کرنا چاہا۔ انکا نے موضوع بدلنے کی کوشش کی لیکن میرے دل میں اس کی یہ مزاحمت پھانس بن کر اٹک گئی، میں چلا آیا۔ یوں بھی ہبن علی کو اس عبرت ناک حالت میں دیکھ کر میری انتقامی شدت میں خاصی کمی آ گئی تھی۔ بلکہ مجھے اس پر کسی قدر ترس بھی آنے لگا تھا۔ ہاں زرافشاں اور درخشاں کو دیکھنے کی تمنا دل ہی میں رہ گئی۔ اب میرا کام ختم ہو گیا تھا۔ اب مجھے صرف اشرفی بیگم سے نمٹنا تھا۔ اسے میں نے اب تک ڈھیل دے رکھی تھی۔ تین مہینے سے زیادہ ہو گئے تھے۔ اسی طرح ایک موسم بھی گزر گیا اور سردیاں شروع ہو گئیں۔ دل نشیں سے اب مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ آخر ایک رات اشرفی بیگم کے بالا خانے پر میں سارا حساب کتاب چکانے کی غرض سے پہنچا۔ رنگ جما ہوا تھا۔ ہبن علی ایک کونے میں وحشت زدہ سا بیٹھا تھا۔ میں نے اس پر حقارت کی نظر ڈالی اور بیٹھ گیا۔ جب سب لوگ چھٹ گئے، دل نشیں گا چکی، خورشید گا چکی تو فانوس ٹمٹمانے لگے۔ اشرفی بیگم کو یہ جرأت نہیں تھی کہ وہ مجھ سے اجازت مانگے۔ آخر میں نے اسے قریب بلایا اور سختی سے کہا۔ ''اشرفی بیگم! اب تمہیں یہ پیشہ چھوڑ دینا چاہئے۔ گزشتہ دنوں تم نے بہت کمایا۔ جانتی ہو یہ سب کچھ کس کی وجہ سے ہوا؟'' میں نے رازداری سے پوچھا۔

''خان صاحب! کمایا کیا خاک؟ ان لڑکیوں کی تربیت پر اتنا صرف ہو جاتا ہے کہ بچتا بچاتا کچھ نہیں ہے۔ مگر آپ یہ کیسے سمجھ رہے ہیں کہ سب کچھ آپ کی وجہ سے ہوا؟ میں عرض کروں کہ یہ سب کچھ دل نشیں کے حسن کے سبب ممکن ہوا۔''

''بھول گئیں کہ ہم نے دل نشیں کی اوقات سے بڑھ کر اس کی بولی لگائی تھی؟ کیا گوشت پوست کے اس پنجر کی اتنی قیمت لگ سکتی تھی؟ لاکھ روپے، دس لاکھ روپے۔ لاکھوں روپے اشرفی بیگم کبھی تم نے سنا ہے کہ دوشیزگی کی اتنی مہنگی قیمت ہوتی ہے؟ تمہیں نہیں معلوم۔ سب کچھ میں نے کیا تھا اور میں نے

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

اپنے ایک بڑے مقصد سے کیا تھا۔ اب میں تم سے ایک چیز مانگ رہا ہوں، وہ مجھے دے دو۔ بن علی کی حویلی کے کاغذات۔" میرے لہجے میں تندی و ترشی تھی۔

مجھے معلوم تھا کہ اشرفی بیگم بے حد مغرور ہو گئی ہے۔ وہ اتنی دولت کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی، اس کا مزاج آسمان پر رہتا تھا پھر اس عرصے میں میری سادہ دلی سے اس کا وہ خوف بھی دور ہو گیا تھا جو شروع میں اسے مجھ سے تھا۔ وہ میرے متعلق مشہور ہونے والے افسانوں کو ایک وہم سمجھ رہی تھی اس لئے اس وقت میرے مطالبے پر وہ ہتھے سے اکھڑ گئی چیخ کر کہنے لگی۔ "ارے واہ، آپ بھی کمال کرتے ہیں خان صاحب! آپ نے اپنا حق خوب جتایا ہے، آپ نشے میں تو نہیں ہیں؟"

"اشرفی بیگم! میں جس حالت میں ہوں اس کا اندازہ تمہیں ہو جائے گا۔ تم میرا مطالبہ پورا کرو ورنہ نقصان اٹھاؤ گی۔ اس سے قبل کہ میں تم سے کچھ اور مطالبہ کروں اور تم سے وہ تمام نقدی اور زیوارت طلب کروں جو تم نے حاصل کئے ہیں، بہتر ہے کہ تم خود سمجھ جاؤ۔" میں نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

"آپ بہک رہے ہیں خان صاحب۔ ایسے لوگوں سے بنے خان نمٹتا ہے۔ میں آپ سے کہتی ہوں کہ آپ ازراہ کرم یہاں سے چلے جائیں۔ اشرفی بیگم کا بالا خانہ کوئی چڑیا گھر نہیں ہے جہاں بھانت بھانت کے جانور اپنی بولیاں بولیں۔" اشرفی بیگم نے بھی سختی سے جواب دیا۔

"تم حد سے بڑھ رہی ہو۔ میں تمہاری موت بن کر آیا ہوں۔" میں نے مشتعل ہو کر کہا۔

سازندے اٹھ گئے تھے۔ صرف بنے خان طبلچی موجود تھا۔ بن علی بھی ایک کونے میں سمٹا بیٹھا ہماری باتیں سن رہا تھا۔ جب بات زیادہ گرم ہوئی اور تو تڑاخ تک نوبت پہنچی تو اشرفی بیگم نے سختی کے ساتھ مجھے بالا خانے سے نکل جانے کا حکم دیا۔

"اشرفی بیگم! میں آج کے بعد یہاں نہیں آؤں گا مگر آج میں تمہیں تمہارے گناہوں اور کمینگیوں کی سزا دینے آیا ہوں۔ آج میرے آنے کا مقصد وہ نہیں ہے جو روز ہوتا تھا۔"

"بنے خان!" اشرفی بیگم نے دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ "جمیل احمد خان شاید زیادہ بہک گئے ہیں تمہیں انہیں راستہ دکھانے کی ضرورت پڑے گی۔"

بنے خان اشرفی بیگم کا پرانا نمک خوار تھا۔ بازار حسن میں اس کا طوطی بولتا تھا۔ آدمی جسامت اور خصلت دونوں اعتبار سے خطرناک تھا۔ اشرفی بیگم کا حکم سنتے ہی وہ آستین چڑھاتا ہوا اٹھا اور مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے بولا۔ "جمیل میاں! عزت عزیز ہے تو چلتے پھرتے نظر آؤ۔ بنے خان کی دشمنی مول لی تو لکھنؤ کی زمین تم پر تنگ ہو جائے گی۔ پھر یہاں کا آسمان بھی تم کو پناہ نہیں دے سکے گا۔"

بنے خان کا تضحیک آمیز جملہ سن کر میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ میں تیزی سے دروازے کی جانب بڑھا ہے۔ خان کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس عرصے میں بن علی کمرے سے

کھسک گیا تھا۔ اشرفی بیگم نے کھنکھار کر تھوکا۔ ان دونوں کا خیال تھا کہ میں ڈر کر جا رہا ہوں لیکن جب میں نے دروازہ بند کیا اور پلٹ کر ان دونوں پر نظر ڈالی تو اشرفی بیگم کو جھرجھری آ گئی۔ البتہ بنے خان اس وقت بھی بگڑے ہوئے تیوروں سے مجھے گھور رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "تم نے دروازہ بند کر کے خود اپنے لئے راہ فرار مسدود کر لی ہے جمیل احمد خان!" بنے خان نے کہا۔ "یہ آج تم پر منکشف ہو جائے گا۔"

بنے خان آگے بڑھنے لگا۔ وہاں تین نفر تھے۔ اشرفی بیگم اپنی جگہ کھڑی مجھے گھور رہی تھی۔ میرے لئے حالات پر قابو پانا کچھ مشکل نہ تھا چنانچہ میں نے انکا کو اشارہ کیا کہ وہ بنے خان کے سر پر پہنچے۔ جب انکا میرے سر سے اتر گئی میں تو میں نے بنے خان کو مخاطب کر کے سرد آواز میں کہا۔ "بنے خان! مجھے معلوم ہے کہ تم کون ہو لیکن آج تمہارا واسطہ کسی اور سے پڑا ہے۔ میرے سلسلے میں تمہیں خفت اٹھانی پڑے گی۔ بہتر ہے جہاں ہو وہیں رک جاؤ اور اپنی اوقات نہ بھولو۔"

بنے خان جو اس وقت انکا کی پُراسرار قوت کے زیر اثر تھا، میرا حکم پاتے ہی رک گیا اور اس کا رویہ اچانک بدل گیا۔ اشرفی بیگم نے اسے رکتے دیکھا تو چلا کر بولی۔ "نمک حرام۔ تو ایک ٹنٹے کی گیدڑ بھبکی سے رک گیا۔ آگے بڑھ اور اس کی انتڑیاں پیٹ سے نکال دے۔"

مجھے اسی لمحے کا انتظار تھا چنانچہ میں نے دل ہی دل میں انکا سے رابطہ قائم کر کے اسے ضروری ہدایتیں دیں اور اس تماشے کا انتظار کرنے لگا جو کچھ دیر بعد شروع ہونے والا تھا۔

"ذلیل، نطفہ نا تحقیق! کیا تو نے میرا حکم نہیں سنا؟" اشرفی بیگم نے جھلا کر بنے خان کو دوبارہ مخاطب کیا۔

بنے خان نے پلٹ کر کہا۔ "خانم! تمہارے حکم پر میں پورے لکھنؤ کی انتڑیاں باہر نکال سکتا ہوں لیکن اس کے عوض تمہیں میرا منہ مانگا انعام دینا ہو گا۔"

"دوں گی حرام زادے، دوں گی۔ تو ایک لاکھ بھی مانگے گا تو دوں گی لیکن شرط یہ ہے کہ آج اس ٹنٹے کا صفایا کر دے۔" اشرفی بیگم غصے سے سرتا پا لرز کر بولی۔

"اگر تم جان بھی مانگو گی تو بنے خان انکار نہیں کرے گا۔ خانم، میں مدت سے تمہارا آرزومند ہوں، بس وصال کا شربت درکار ہے، اپنے اس خادم خاص سے وعدہ کر لو۔"

"کمینے تیری یہ مجال!" اشرفی بیگم آپے سے باہر ہو گئی۔ اس نے فرش پر رکھا ہوا گلدان اٹھا کر بنے خان کو مارنا چاہا لیکن اتنی مہلت نہ مل سکی۔ بنے خان نے ٹھوکر ماری اور گل دان اچھل کر دور جا پڑا۔ اشرفی بیگم نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن بنے خان نے اسے اس کا موقع نہیں دیا اور تھپڑوں اور لاتوں سے اس کی تواضع کرنے لگا۔

بنے خان اشرفی بیگم کو فرش پر گرا کر رگید رہا تھا اور اشرفی بیگم اسے مغلظات سنا رہی تھی لیکن بنے

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

خان گویا بہرا ہو گیا تھا۔ اس نے ایک ہی جھٹکے میں اشرفی بیگم کا جمپر درمیان سے چاک کر دیا اور اشرفی بیگم کا سینہ عریاں کر کے اس پر دانت جما دئے۔ اشرفی بیگم کی کربناک چیخیں آس پاس کے بالا خانوں سے آنے والی موسیقی کی تیز آواز تلے دب کر رہ گئیں۔ وہ بڑا خونیں اور دہشت ناک منظر تھا۔ اشرفی بیگم کا سینہ لہولہان تھا۔ بنے خان نے بڑی بے دردی کے ساتھ اسے جگہ جگہ سے کاٹا تھا۔ بنے خان درندہ بن گیا تھا۔ وہ اسے نوچ رہا تھا، بھنبھوڑ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر درندگی کا راج تھا۔ اس خیال سے کہ کہیں اندر سے کوئی آ نہ جائے، میں تیزی سے لپک کر اندر گیا۔ اندر کے تمام کمرے دیکھ ڈالے لیکن سارے کمرے سنسان پڑے تھے۔ معاً مجھے پچھلے راستے کا خیال آیا۔ میں دوڑتا ہوا اس طرف گیا تو میرے شبہے کی تصدیق ہو گئی۔

وہ لوگ بیرونی کمرے میں کھیلے جانے والا خونیں ڈراما دیکھ کر چپکے سے فرار ہو چکے تھے۔ ببن علی بھی کہیں موجود نہ تھا۔ زیورات کی الماری کھلی پڑی تھی۔ میں نے جلدی سے پچھلا دروازہ بند کر کے چٹخنی لگا دی پھر باہر آ گیا۔ اشرفی بیگم کے جسم پر نظر پڑی تو ایک لمحے کے لئے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اشرفی بیگم عریاں حالت میں فرش پر پڑی تھی، اس کے سینے کے دونوں طرف کا گوشت غائب ہو چکا تھا۔ پیٹ درمیان سے چاک تھا۔ چہرہ لہولہان تھا۔ آنکھوں کے دونوں حلقوں سے خون ابل رہا تھا۔ گال پر جگہ جگہ خراشیں موجود تھیں۔ بنے خان اشرفی بیگم کے برابر چت پڑا تھا اور ایک خنجر دستے تک اس کے دل کے مقام پر پیوست نظر آ رہا تھا۔ ابھی میں یہ لرزہ خیز منظر دیکھ ہی رہا تھا کہ انکا میرے سر پر آ گئی اور پریشان لہجے میں بولی۔ ''جمیل! گھر کے تمام افراد فرار ہو گئے ہیں۔ ببن علی بھی حویلی کے کاغذات، نقدی اور زیورات لے کر فرار ہو گیا ہے۔ اب میرا اس کے سر پر جانا ضروری ہے۔ سازندے اس وقت پولیس چوکی پر اپنا بیان لکھوا رہے ہیں۔ پولیس چند منٹوں میں یہاں پہنچنے والی ہے۔ ببن علی ابھی دور نہیں گیا ہوگا۔ میں اسے لے کر آتی ہوں۔''

''ببن علی کو فوراً پکڑو۔ وہ پچھلے راستے سے فرار ہو گیا ہے۔'' میں نے انکا سے پریشانی سے کہا۔

''ہاں، مجھے فوراً جانا چاہئے۔ میں ببن علی کو واپس لاتی ہوں۔ ابھی لمحوں میں آ جاؤں گی۔ تمہیں اسی وقت کسی طرح یہاں سے نکلنا ہے۔'' انکا نے دوبارہ پریشانی کا احساس دلایا۔

میں نے کہا۔ ''تمہیں دیر نہیں لگنی چاہئے، فوراً آنا ہوگا۔''

''حالات سمجھنے کی کوشش کرو جمیل! جو کھیل یہاں شروع ہوا تھا، اس کی اطلاع نیچے پہنچ گئی ہے۔ ببن علی پھر خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ میں جا رہی ہوں اور تم یہاں سے نکلنے اور فرار ہونے کی کوشش کرو۔''

انکا فوراً چلی گئی۔ میں نے جھری سے جھانک کر باہر کی صورت حال کا جائزہ لیا۔ یہ دیکھ کر مجھے

پسینہ آ گیا کہ باہر ایک ہجوم جمع ہو رہا تھا۔ لوگ دروازے پر جمع تھے۔ گویا ابھی ابھی پولیس پہنچنے والی ہوگی۔ باہر نکلنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ مجھے غصہ آنے لگا کہ اس وقت انکا کیوں چلی گئی لیکن ببن علی کا تعاقب بھی ضروری تھا۔ اب میرے لئے سارے راستے بند ہو چکے تھے۔ ہرچند کہ اشرفی بیگم کا قتل اور بنے خان کی خودکشی کے واقعات مجھے پھانسی کے تختے سے دور رکھنے کے لئے کافی تھے لیکن لڑکیوں اور سازندوں کا بیان مجھے پھنسوا سکتا تھا۔ ببن علی کا فرار بھی رکاوٹیں ڈال سکتا تھا۔ وہ موقع غنیمت سمجھ کر اپنا کام کر گیا تھا۔ میں عجیب الجھن میں گرفتار تھا۔ میرے اردگرد خطرے کے دائرے تنگ ہوتے جا رہے تھے۔ میں نے سوچا، فرار کے لئے کیوں نہ پچھلا راستہ آزمایا جائے۔ میں تیزی سے پلٹ کے پچھلے دروازے پر پہنچا تو وہاں بھی نیچے سے لوگوں کی چیخ پکار کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اشرفی بیگم کا بالا خانہ اب میرے لئے چوہے دان کی حیثیت رکھتا تھا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ میں ناچار اس کمرے میں پہنچا جہاں اشرفی بیگم اور بنے خان کی لاشیں ایک بھیانک منظر پیش کر رہی تھیں۔ اس وقت نیچے ہزاروں کا مجمع موجود تھا۔ اگر میں انکا کے ذریعے نکل بھی جاتا تو بھی انصاف اور قانون کی ساری مشینری حرکت میں آ جاتی۔ حالات نے بہت تیزی سے سنگین صورت حال اختیار کر لی تھی۔ انکا تو چلی گئی تھی لیکن مجھے اس عذاب میں تنہا چھوڑ گئی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر وہ ہوتی تو میں کیا کرتا؟ اتنے بڑے ہجوم میں دروازہ کھول کر باہر نکلنا آسان ہوتا۔ مجمع میں کس طرح میرا جسم نکلتا؟ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، کیا کروں؟ ابھی میں کسی آخری فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ بیرونی سیڑھیوں پر متعدد قدموں کی آہٹیں ابھریں اور پھر کسی نے زور و شور سے دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

''جمیل احمد خان! دروازہ کھول دو ورنہ ہم دروازہ توڑ دیں گے۔ پولیس تمہیں چاروں طرف سے گھیر چکی ہے۔'' باہر کسی نے کرخت آواز میں کہا۔

میں پلٹ کر پچھلے دروازے پر جا پہنچا۔ جھری سے جھانک کر دیکھا تو اس طرف بھی مسلح پولیس کا ہجوم میری گھات میں تھا۔ نیچے پتلی گلی میں لاتعداد افراد اکٹھا تھے۔ کیا میں دروازہ کھول دوں؟ میں نے اپنے آپ سے سوال کیا مگر اس طرح پولیس اور بیانات اور سزا کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ تو پھر میں کیا کروں؟ کیا میں خاموش رہوں، ہاں مجھے خاموش رہنا چاہئے۔ انکا کا انتظار کرنا چاہئے۔ میں پھر بیرونی کمرے میں آ گیا۔ سامنے والے دروازے پر پھر ایک کرخت آواز ابھری۔ ''جمیل احمد خان! میں تمہیں آخری وارننگ دے رہا ہوں۔ دروازہ کھول دو اور خود کو ہمارے حوالے کر دو۔ اگر تم نے مقابلے کی کوشش کی تو بھون کر رکھ دئے جاؤ گے۔ میں تمہیں پانچ منٹ کی مہلت دیتا ہوں۔''

میں نے انکا کو یاد کیا، کلدیپ کو یاد کیا، جگدیو کو یاد کیا۔ پولیس کی ایک اور وارننگ مجھے مل گئی تھی اور پھر یکے بعد دیگرے اعلانات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ انکا ابھی تک غائب تھی۔ میں بہت پریشان تھا۔

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

سخت پریشان۔ میں نے انکا آواز دی کہ وہ جہاں بھی ہو، فوراً آ جائے۔

ابھی میرا جملہ ختم نہ ہوا تھا کہ بیرونی دروازہ چرچرانے لگا اور میری وحشت حد سے سوا ہوگئی۔ میں دوسرے کمرے میں چلا آیا اور میں نے اندر سے دروازہ بند کرلیا اور زور سے پھر انکا کو آواز دی۔ وہ بیرونی دروازہ توڑ کر اندر آ گئے تھے۔ میں دوسرے کمرے میں بند ہو گیا تھا۔

باہر ایک شور برپا تھا۔ گلیاں تماش بینوں سے بھر چکی تھیں۔ دونوں دروازے بند تھے میں اور کسی غیبی مدد کی آمد کا منتظر تھا اور اس انتظار میں کہ شاید انکا آ جائے، مجھے کچھ وقت لینا تھا۔ کچھ مہلت چاہئے تھی اس لئے میں دوسرے کمرے میں چلا آیا اور جھلا کر انکا کو آوازیں دیں۔ بیرونی کمرے میں ابھرنے والے وزنی قدموں کی آوازیں دل پر ضربیں لگا رہی تھیں۔ پولیس کے سنگین بردار سپاہی اور افسران دروازہ توڑ کر اندر آ چکے تھے۔ میرے لئے ایک ایک لمحہ جاں گسل تھا۔ انکا اس خطرناک موقع پر نہ جانے کہاں غائب ہو گئی تھی۔ انکا جواب میرے تصرف میں تھی، اس نازک موقع پر میری دسترس سے دور تھی۔

میں نے دل کی تمام گہرائیوں سے اسے پکارا۔ ''انکا مجھے اس وقت تمہاری ضرورت ہے، تمام کام چھوڑ کر آ جاؤ۔ بن علی کو جہنم میں ڈالو، میری مدد کرو۔'' مگر میری آواز حلق کے اندر گھٹ کر رہ گئی۔ اسی لمحے باہر سے ایک کرخت آواز ابھری۔ ''جمیل احمد خان! اب تمہارے لئے بچ نکلنا محال ہے۔ قانون کی نظروں سے بھاگ کر تم کہیں نہ جا سکو گے۔ خیریت چاہتے ہو تو دروازہ کھول دو ورنہ ہم اسے بھی توڑ دیں گے۔''

میرے دل میں آیا کہ انہیں کوئی منہ توڑ جواب دوں کیونکہ میں ان کے ہاتھ کہاں آنے والا تھا۔ اگر میں خود کو تنہا سمجھتا تو اشرفی بیگم کے کوٹھے پر یہ خون ریزی کیوں ہوتی؟ میں جس کے بھروسے پر تھا وہی مجھ سے دور تھی۔ میں نے دروازے کی جھری سے باہر جھانک کر دیکھنے کی کوشش کی۔ باہر افراتفری مچی ہوئی تھی۔ پولیس کے آدمی ان لوگوں کو سامنے سے ہٹانے کی کوشش کر رہے تھے جو اندر آ گئے تھے۔ میں چاروں طرف سے پھنس گیا تھا، تلملانے اور اپنے اوپر لعنت بھیجنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ مجھے جھرجھری آ گئی۔ میں نے جھری سے نگاہیں ہٹا لیں اور پھر کمرے کے اندر اپنے چھپنے کے امکانات پر غور کرنے لگا۔ یہ ایک مرصع کمرا تھا۔ قدیم طرز کے فرنیچر سے آراستہ، ایک شاندار مسہری جس پر غالباً اشرفی بیگم دراز ہوا کرتی تھی۔ میں اس کے نیچے چھپ سکتا تھا۔ الماریاں ملبوسات سے بھری پڑی تھیں، بار بار احمقانہ ترکیبیں میرے ذہن میں آتیں اور میں جھنجلا کر انہیں مسترد کر دیتا۔ وہ اب دروازہ پیٹنے لگے تھے۔ یکا یک ایک شور بلند ہوا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے مجمع میں کوئی شخص چیختا چنگھاڑتا آگے بڑھ رہا ہو۔ یہ آواز مجھے مانوس سی معلوم ہوئی، میں نے ایک کرسی قریب کر کے دروازے کے اوپری حصے سے جھانکنے کی کوشش کی اور مجھ پر حیرتیں ٹوٹ پڑیں، میں صرف ایک دائرے میں دیکھ سکا مگر مجھے وہ نظر آ گیا۔ وہ

Downloaded from Paksociety.com

مردود اور ملعون شخص بدری نرائن کمرے میں ہجوم کو چیرتا ہوا آگے بڑھا۔ ''مجھے راستہ دو۔ مجھے راستہ دو۔'' وہ چیخ رہا تھا۔

وہ لوگ حیرت سے اس کی طرف متوجہ ہو کر دیکھنے لگے۔ ''تم کون ہو مہاراج! یہاں کیسے؟'' ایک پولیس افسر نے اس کا راستہ روک کر کہا۔ ''شاید تم غلط جگہ آ گئے ہو۔''

''ہٹو۔ مجھے راستہ دو۔ میں ٹھیک وقت اور ٹھیک جگہ پر آیا ہوں۔ وہ تمہارے قابو میں نہیں آئے گا۔ میں تمہاری مدد کرنے آیا ہوں۔ ایک عرصے بعد مجھے موقع ملا ہے، میں اسے تمہارے حوالے کر دوں گا۔ تم نہیں جانتے کہ تمہارا واسطہ کتنے بڑے شیطان سے پڑا ہے۔'' بدری نرائن نے گرجدار آواز میں کہا۔

''کیا تم اسے جانتے ہو؟'' پولیس افسر نے نخوت سے پوچھا۔

''میں کیسے نہیں جانتا۔'' بدری نرائن نے لہرا کر کہا۔ ''وقت کم ہے، دیر نہ کرو۔ باقی باتیں بعد میں پوچھنا۔ وہ بڑی مشکل سے قابو میں آیا ہے۔ اس وقت اس کی پری انکا بھی اس کے ساتھ نہیں ہے، یہ موقع غنیمت ہے، وہ اندر موجود ہے۔ دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو جاؤ۔'' بدری نرائن نے جیسے اسے حکم دیا۔

''وہ اندر موجود ہے مگر تمہارا اس سے کیا تعلق ہے؟'' پولیس افسر نے تشویش سے پوچھا۔

''میری اس کی پرانی دوستی ہے۔ آج میں دوستی کا حق نبھانے آیا ہوں۔'' بدری نرائن نے طنز سے جواب دیا۔ ''ٹھہرو۔ دروازہ توڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ آؤ میں اسے کھولتا ہوں، میں اسے ابھی کھولے دیتا ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں اور بدبدانے لگا۔ پولیس کے لوگ سراسیمہ اور متوحش نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے، وہ بڑے متذبذب نظر آ رہے تھے کہ آیا بدری نرائن کی باتوں کا یقین کر لیں یا اسے عام لوگوں کی طرح دھتکار کر نیچے پھینک دیں۔ مجمع پر سکوت طاری ہو چکا تھا، بدری نرائن پورے انہماک سے کچھ پڑھ رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ دروازہ لمحوں میں کھل جائے گا اور وہ لوگ بدری نرائن کی عظمت کے قائل ہو جائیں گے۔ اتنی چھوٹی سی بات بدری نرائن کے لئے کیا اہمیت رکھتی تھی، میں نے جھری پر پردہ گرا دیا اور غیر اختیاری طور پر کرسی ہٹا کر چھپنے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔ میں کمرے میں ادھر ادھر بھاگ رہا تھا، مجھے اپنا انجام صاف نظر آ رہا تھا، یقیناً بدری نرائن نے انکا کی آمد کے راستے اپنے کسی جاپ سے مسدود کر دئے ہوں گے۔ وہ میری تاک میں تھا، میں اپنے سینے میں ڈوبنے لگا۔ لمحوں کی بات تھی، اس کے بعد میں پولیس کے چنگل میں پھنسنے والا تھا پھر وہی گرفتاریاں، پھر وہی ایذا رسانیاں۔ تھانہ، کچہری، پولیس، جیل خانہ۔ انکا کے آنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ مجھے مایوسیوں نے گھیر لیا اور میرا سانس اکھڑنے لگا۔ پھر میں نے دل کو دلاسا دیا۔ ٹھیک ہے وہ مجھے گرفتار کر لیں مگر یہ گرفتاری عارضی ہوگی کیونکہ انکا کسی نہ کسی طور پر میرے سر پر آ ہی جائے گی۔ اس جگہ نہ سہی، کسی اور جگہ سہی۔ اس وقت کے بعد سہی، لیکن تھوڑی دیر بعد پولیس کے ہاتھوں میری جو درگت بننے والی

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

تھی اس نے مجھے دہشت زدہ کر دیا تھا۔ جتنی دیر گزرتی جارہی تھی، پولیس کی شدت اور شور میں اضافے کا موجب ہو رہی تھی۔ میں سہمے ہوئے انداز میں دیواروں میں چھپنے کی کوشش کرنے لگا۔ میری نظریں دروازے پر مرکوز تھیں۔ وہ اب چرمرانے لگا تھا۔ پشت کی دیوار نے میرا راستہ روکا تو میں چونکا، میں نے پلٹ کر پچھلی گلی میں کھلنے والی کھڑکی کی اوٹ سے نیچے جھانکا۔ ہجوم دیکھ کر میرے رہے سہے اوسان خطا ہو گئے، گلی میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ وہ سب سنگ دل جمیل احمد خان کی رسوائی کا تماشا دیکھنے کے لئے بے تاب تھے۔ دروازہ پل بھر کا مہمان نظر آ رہا تھا۔ درودیوار میری حالت پر مسکرا رہے تھے۔ پھر اچانک ایک ضرب کے ساتھ دروازہ کھل گیا۔ سب سے پہلے ایک باوردی پولیس افسر تیزی سے اندر داخل ہوا۔ میرا جسم سمٹ گیا۔ اسی لمحے ایک مانوس آواز نے میرے کانوں میں سرگوشی کی۔ ''جمیل! کوئی آواز نہ نکالنا، جس جگہ کھڑے ہو، وہاں سے ذرا بھی جنبش نہ کرنا، پولیس تمہارا بال بیکا نہ کر سکے گی۔''

کلپنا! یہ آواز کلپنا کی تھی۔ دوسرے ہی لمحے پولیس دندناتی ہوئی کمرے میں داخل ہو گئی۔ وہ لمحات آج بھی میرے تصور میں محفوظ ہیں جب میں پولیس کی نگاہوں کے سامنے کھڑا تھا لیکن قانون کے بپھرے ہوئے نگہبان مجھے دیکھنے سے قاصر تھے۔ کمرے میں اپنے مخصوص لباس میں حسین و جمیل کلپنا جلوہ گر تھی۔ ایک پولیس افسر نے آگے بڑھ کر درشت لہجے میں اس سے پوچھا۔ ''تم کون ہو؟ وہ کہاں ہے؟''

''وہ کون؟ وہ تو کب کے چلے گئے۔'' کلپنا نے معصومیت سے جواب دیا۔

''لڑکی! وہ یہیں موجود ہے۔ ہمیں اس کا پتا بتا دو۔ وہ مجرم ہے اور زیادہ دیر تک ہمیں فریب نہیں دے سکتا۔'' پولیس افسر نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

''کون مجرم؟ کس کی بات کر رہے ہیں آپ؟ جمیل احمد خان تو کب کے چلے گئے۔'' کلپنا نے اسی سادگی سے کہا۔

میں بالکل خاموش ایک کونے میں کھڑا تھا اور حیران نظروں سے کبھی کلپنا کو اور کبھی پولیس کو دیکھ رہا تھا۔ پولیس افسر بھنایا ہوا کلپنا کے قریب پہنچ گیا پھر اس نے رعونت سے پوچھا۔ ''وہ کب گیا؟''

''بہت دیر ہو گئی۔ نہ جانے کتنی دیر ہو گئی۔'' کلپنا نے بچوں کی طرح کہا۔

''اور تم ...... تم کون ہو اور کیا کرتی ہو؟ تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ تم نے یہاں کیا کیا دیکھا ہے؟'' پولیس افسر نے بدحواسی سے پوچھا۔

''میں ...... میں جناب، کلپنا ہوں۔ ایک داسی، میں نے یہاں کچھ نہیں دیکھا۔ میں تو دیر سے آئی تھی۔'' کلپنا نے فلسفیانہ انداز سے جواب دیا۔

''داسی!'' پولیس افسر نے زیر لب دہرایا پھر گرج کر بولا۔ ''لڑکی! تمہارے سامنے پولیس

ہمیں صاف صاف بتاؤ، تم نے بار بار پکارنے پر بھی دروازہ نہیں کھولا۔ تم نے مجرم کو یقیناً کہیں چھپا دیا ہے، وہ یہاں سے کہیں نہیں جا سکتا۔ خیر ہم تم سے بعد میں نمٹ لیں گے۔ تم اس وقت خود کو گرفتار سمجھو۔ مہاراج!'' اس نے پشت کی طرف گھوم کر کہا۔ ''مہاراج کہاں گئے؟'' شاید وہ بدری نرائن کے دروازہ کھولنے کے معجزے سے متاثر ہو گیا تھا اور اپنی مدد کے لئے اسے طلب کرنا چاہتا تھا۔

بدری نرائن اس کی آواز سن کر مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا مگر دوسرے ہی لمحے کلپنا کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ کلپنا اور اس کے درمیان تیز تیز نظروں کا تبادلہ ہوا اور بدری نرائن بے پروائی سے پولیس افسر سے مخاطب ہوا۔ ''کیا ہے؟ تم نے مجھے پکارا مہاشے!''

''مہاراج! دروازہ کھولنے پر ہمیں یہ لڑکی نظر آئی۔ غالباً اس کا تعلق بھی اشرفی بیگم کی طوائفوں سے ہے۔ یہ کہتی ہے کہ ملزم جمیل احمد خان یہاں سے جا چکا ہے۔'' پولیس افسر نے بدری نرائن کو رپورٹ دیتے ہوئے کہا۔

''جا چکا ہے؟'' بدری نرائن نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ ''جا چکا ہے؟ مہاشے، کیا تم سب اندھے ہو گئے ہو؟ وہ تمہارے سامنے موجود ہے، دیکھو وہ سامنے کھڑا ہے۔ وہ کون بدمعاش دیوار سے چپکا، خوف زدہ کھڑا ہے، اسے پکڑ لو۔ آج اس کا کام تمام ہوا۔''

''کون مہاراج؟ آپ کیا کہہ رہے ہیں، یہاں تو اس لڑکی کے سوا کوئی نہیں ہے۔'' پولیس افسر نے عجیب سی نظروں سے بدری نرائن کو دیکھا۔

''کیا؟ کیا واقعی وہ تمہیں نظر نہیں آ رہا ہے؟ وہ سامنے دیکھو، ارے تمہارے بالکل سامنے۔ یہ ٹنٹا سیکڑوں جرائم میں ملوث ہے، نہ جانے کتنے انسانوں کا خون کر چکا ہے، کھڑکی کے قریب سہما ہوا کون کھڑا ہے؟'' بدری نرائن نے زچ ہو کر کہا۔

''مہاراج!'' پولیس افسر نے آنکھیں ملتے ہوئے اکتا کر کہا۔ ''کھڑکی کے قریب ...... کیا مذاق کر رہے ہیں؟ آپ خواب دیکھ رہے ہیں، کیا آپ ...... آپ پاگل ہو گئے ہیں؟''

''اوہ ...... ہو ......'' بدری نرائن جیسے کچھ سمجھ کر بولا۔ ''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ یہ سب اس کی شرارت ہے۔ اس سندر ناری ...... یہ لڑکی ...... تم اسے گرفتار کر لو۔ اس نے تمہاری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ تمہیں کچھ نظر نہیں آئے گا۔'' پھر تلملاتے ہوئے بولا۔ ''ٹھہرو ...... میں اس کا توڑ کرتا ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنی رانوں پر ایک زور کا ہاتھ مارا۔

اسی وقت کلپنا نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور بدری نرائن کی طرف جھٹک دیا۔ کلپنا اب تک پولیس اور بدری نرائن کی بدحواسی، دلچسپی اور سادگی سے دیکھ رہی تھی لیکن اب اس کا خاموش رہنا مناسب نہیں تھا۔ وہ مبہم انداز میں بولی۔ ''بدری نرائن! یہ حربے پرانے ہیں، تم بار بار زک اٹھانے کے بعد بھی باز نہیں آئے؟

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

تمہاری شکتی نے انکا کا راستہ تھوڑے عرصے کے لئے روک دیا لیکن کلپنا کو بھول گئے۔ جاؤ، ہمارے راستہ سے ہٹ جاؤ۔ اسی میں تمہاری مکتی ہے۔"

"دیوی۔ آج تمہارا کوئی جادو نہیں چلے گا۔ جمیل احمد خان نے دو قتل کئے ہیں۔ تم کب تک اسے بچاؤ گی۔ وہ پاپی جرم کرتا رہے اور ایک نہ ایک دن اپنی سزا کو پہنچ جائے گا۔ آج وہ دن آ گیا ہے۔ اب اسے کوئی نہیں بچا سکتا۔" بدری نرائن نے دبنگ لہجے میں کہا۔

"بدری نرائن!" کلپنا کی آواز میں نرمی تھی۔ "جمیل احمد خان پر اس وقت تک کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکتا جب تک میں موجود ہوں۔ تم ایک معمولی پنڈت...... اتنا بھی نہیں جان سکتے کہ میں کون ہوں۔"

کلپنا کی دیدہ دلیری دیکھ کر پولیس کا تمام عملہ چوکنا ہو گیا اور پولیس افسر نے سختی سے کہا۔ "لڑکی! زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ سیدھی طرح ہمیں اس کا پتا بتاؤ۔"

"اپنے مہاراج سے اس کا پتا پوچھو۔" کلپنا نے طنز سے کہا۔

"وہ ابھی گرفتار ہوا جاتا ہے، میں کچھ سوچ سمجھ کر یہاں آیا ہوں دیوی! میں یہ موقع ہاتھ سے نہیں جانے دوں گا۔" بدری نرائن نے بپھر کر کہا۔

"بدری نرائن! تمہارا وقت بھی قریب آ رہا ہے۔ یہ دو ماہ بھی ختم ہو جائیں گے۔ مالا رانی اور نرگس کا خون تمہاری گردن پر ہے۔ مجھے طیش مت دلاؤ۔ تم یہاں سے چلے جاؤ، میں تم سے آخری بار کہتی ہوں۔"

"کیوں دیوی! کیا مجھ سے ڈر لگنے لگا ہے؟ مجھ پر مالا رانی اور نرگس کا خون ہے۔ مگر جمیل احمد خان، تمہارے اس پریمی کی گردن پر انیک منشوں کا خون ہے۔" بدری نرائن نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا پھر اس نے چھت کی طرف دیکھ کر کچھ پڑھا اور اپنے ہاتھوں کو مضحکہ خیز انداز میں جنبش دی اور میری طرف انگلی کر دی۔ قریب تھا کہ میں لرز جاتا لیکن مجھے کلپنا کی نصیحت کا خیال آ گیا اور میں سانس روکے کھڑا رہا، بدری نرائن کے اس عمل پر کلپنا نے بھی اپنی انگلی سے دائرے بنانے شروع کر دئے اور اپنا رخ بدری نرائن کی طرف کر دیا۔ ان دونوں کے درمیان یہ حیرت انگیز نوک جھوک تھوڑی دیر اور جاری رہی۔

"دیوی۔ تم اسے یہاں سے نہیں لے جا سکتیں۔" بدری نرائن نے مضطرب ہو کر کہا۔ "پولیس کو ساری باتیں معلوم ہو گئی ہیں۔ اب جمیل احمد خان کا بچنا مشکل ہے۔ میرے آنے کا مقصد یہی تھا کہ میں اصل مجرم کا پتا پولیس کو بتاؤں اور میرا کام بڑی حد تک پورا ہو گیا ہے۔"

"میرے آنے کا بھی یہی مقصد تھا کہ میں جمیل احمد خان کی مدد کروں۔" کلپنا نے دوٹوک جواب دیا۔

"سن لیا...... سن لیا تم نے پولیس کے گرگو!" بدری نرائن نے پولیس سے مخاطب ہو کر کہا۔ "کیا

تمہیں یقین نہیں آیا کہ یہی وہ عورت ہے جس نے جمیل احمد خان کو اس کمرے میں موجود ہونے کے باوجود تمہاری نظروں سے اوجھل کر دیا ہے اور کیا اب تمہیں یقین آیا کہ وہ دشٹ اب تک کیوں بچتا رہا ہے۔"

"ان باتوں سے کوئی فائدہ نہیں ہے بدری نرائن!" کلپنا نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "تم نے دیکھ لیا کہ تم ناکام ہو چکے ہو مگر ان کے سامنے تم مزید رسوائی سے بچنا چاہتے ہو تو یہاں سے چلے جاؤ۔"

"دیوی، تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔" بدری نرائن کا لہجہ دفاعی ہو گیا تھا۔

"میں جانتی ہوں مگر دیوی کب تک تجھے اپنے شرن میں رکھے گی؟"

پولیس افسر اب اکتانے لگے تھے۔ وہ کلپنا اور بدری نرائن کی پُراسرار اور معنی خیز گفتگو سمجھنے سے قاصر تھے۔ ایک پولیس افسر کے اشارے پر دو کانسٹیبلوں نے پلنگ کے نیچے، الماریوں، میزوں اور قد آدم آئینے کے پیچھے مجھے تلاش کرنا شروع کیا۔ انہوں نے تمام اشیا بے دردی سے الٹ پلٹ ڈالیں، اس عرصے میں دو کانسٹیبل خوف زدہ دل نشیں، غزالہ، شمیم اور خورشید کو پکڑ کر اندر لائے۔ ان میں اشرفی بیگم کے ملازم بھی شامل تھے۔ شمیم کانپ رہی تھی اور دل نشیں تصویر یاس بنی ہوئی مجرموں کی طرح پولیس کے سامنے کھڑی تھی۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ یہاں موجود تھا؟" پولیس افسر نے ان سے پوچھا۔

"جی ہاں۔ ہم اسے یہیں چھوڑ کر گئے تھے۔"

"مگر ممکن ہے وہ آخر میں فرار ہو گیا ہو۔" شمیم نے ڈرتے ڈرتے زبان کھولی۔

"وہ کہاں فرار ہو سکتا ہے، تم سارا گھر دکھاؤ۔" پولیس افسر نے شمیم کو حکم دیا۔ دو کانسٹیبل اسے دھکا دیتے ہوئے کمرے سے باہر لے گئے۔

"یہ کون ہے؟" پولیس افسر نے کلپنا کی طرف اشارہ کر کے دل نشیں سے پوچھا۔

"یہ......؟ مجھے نہیں معلوم۔" دل نشیں نے لرزتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟ کیا یہ یہاں نہیں رہتی؟"

"جی نہیں۔ میں نے انہیں پہلی بار دیکھا ہے۔" دل نشیں نے خوف زدگی سے جواب دیا۔

"مہاشے! کیوں سمے برباد کر رہے ہو؟ یہ ناریاں تمہیں کیا بتائیں گی، جو پوچھنا ہے اس ناری سے پوچھو۔" بدری نرائن نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

"بدری نرائن!" کلپنا نے اسے گھور کر دیکھا۔ "انہیں کیوں مجبور کرتے ہو، کیا تم نے اپنی ناکامی قبول کر لی؟"

"تم اسے قابو میں کر لو تو میں جمیل احمد خان کو ابھی تمہارے حوالے کر دوں گا۔" بدری نرائن نے

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

پولیس افسر کو حکم دیا۔ وہ خود کلپنا کے پاس جاتے ہوئے جھجک رہا تھا۔ پھر بدری نرائن نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ ''جمیل احمد خان۔ میں اندھا نہیں ہوں۔ بہتر ہے اپنی جگہ سے چل کر خود آ جاؤ ورنہ تم وہیں اگنی میں جل کر بھسم ہو جاؤ گے۔'' یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا۔

''رک جاؤ بدری نرائن!'' کلپنا نے دہاڑ کر کہا۔ اسی وقت ایک کانسٹیبل نے اس کی کلائی پکڑ لی مگر دوسرے ہی لمحے وہ چیخ کر دور جا گرا۔ اس کا یہ حشر دیکھ کر دوسرا کانسٹیبل آگے بڑھا۔ اس نے کلپنا کو قابو میں کرنا چاہا مگر معاً اس کا بھی یہی حشر ہوا۔ نتیجتاً پولیس افسر کو اپنے پستول کا رخ کلپنا کی طرف کرنا پڑا۔

بدری نرائن آنکھیں پھاڑے دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کی رفتار بہت دھیمی تھی، چیونٹی کی سی، یکا یک بدری نرائن کسی چیز سے ٹکرا کر گرا حالانکہ اس کے سامنے کوئی چیز نہیں تھی، مڑ کر اس نے کلپنا کی طرف دیکھا۔ کلپنا کی آنکھیں سرخ تھیں۔ پنڈت بدری نرائن نے تیزی سے اٹھ کر زمین پر بے تحاشا ٹھوکریں مارنا شروع کر دیں اور پاگلوں کی طرح زور زور سے کوئی جاپ پڑھنے لگا۔

''یہ شخص پاگل معلوم ہوتا ہے۔'' ایک کانسٹیبل نے اپنے افسر کے کان میں کہا۔

''چپ رہو۔ کیا تم نے اسے دروازہ کھولتے نہیں دیکھا تھا؟''

بدری نرائن جب اٹھ کر کھڑا ہوا تو کلپنا تڑپ رہی تھی اور مچل رہی تھی جیسے کوئی قوت اسے شدید اذیت پہنچا رہی ہو۔ بدری نرائن کے چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی لیکن کلپنا ایک لمحے میں سنبھل گئی اور بدری نرائن جو میرے قریب آ گیا تھا، الٹے قدموں پیچھے کی طرف ہو گیا۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے مہاراج؟'' پولیس افسر نے جھنجلا کر پوچھا۔

''کچھ نہیں۔ یہ ناری ایک مہان پنڈت سے الجھ رہی ہے، اسے نہیں معلوم کہ وہ آگ سے کھیل رہی ہے، تم دیکھتے رہو۔'' بدری نرائن نے اسے حکم دے کر زمین پر گر گیا اور ماتھے سے زمین رگڑنے لگا۔

پولیس افسر نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں کلپنا کی طرف دیکھا۔ کلپنا اس وقت مضطرب نظر آ رہی تھی۔ یکا یک اس کی انگلیوں میں تناؤ پیدا ہوا اور وہ بھی پھرتی کے ساتھ زمین پر اکڑوں بیٹھ گئی۔ اس نے زمین پر اپنی انگلی سے ایک مثلث بنایا اور اس میں ٹھوکے مارنے لگی۔ اس آواز نے کمرے میں گرج پیدا کر دی اور ایسا محسوس ہوا جیسے در و دیوار لرزنے لگے ہیں، پولیس دہشت سے پیچھے ہٹ گئی۔ دل نشیں، غزالہ اور خورشید چیخیں مار کر پیچھے ہٹ گئیں۔ بدری نرائن اپنے جاپ میں مصروف تھا۔ جب اس نے سر اٹھایا تو اس کا چہرہ غضب ناک ہو رہا تھا۔ سارا کمرا چیخوں سے گونجنے لگا جیسے ایک معرکہ کارزار گرم ہو۔ بدری نرائن کے چہرے پر ایک رنگ آتا اور ایک رنگ جاتا تھا۔ اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگے۔ تھوڑی دیر میں کمرے میں چند پولیس والے، میں، بدری نرائن اور کلپنا موجود تھے۔ باقی سب بھاگ گئے تھے۔ مجھ پر جاں کنی کا عالم طاری تھا۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں کلپنا ناکام نہ ہو جائے۔

آج بدری نرائن ہر وار کرے گا۔ اپنے کمان کا ہر ترکش آزمائے گا۔ نازک اندام کلپنا کالی کے اس سیوک سے کب تک لڑے گی؟ وقت گزر رہا تھا کمرے میں بھیانک قسم کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ میرے قدم لرز رہے تھے اور دل ڈول رہا تھا۔ میں اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کھانس اور کھنکھار بھی نہیں سکتا تھا۔ کمرے میں شور و غل کی آوازیں دیر تک گونجتی رہیں۔

''بدری نرائن!'' کلپنا کی آواز شور میں گونجی۔ ''مجھے مجبور نہ کرو کہ میں کالی کی پناہ میں آئے ہوئے ایک سیوک کو نشٹ کر دوں۔ یہ جاپ بند کرو، کالی دیکھ رہی ہے...... وہ یقیناً مجھے شما کر دے گی۔ وہ دیکھ رہی ہے کہ تم غلطی کر رہے ہو۔ میں تم سے آخری بار کہہ رہی ہوں کہ ان جاپوں سے باز آ جاؤ۔ میں یہاں سے کسی وقت بھی جا سکتی ہوں۔ میں پہلے ہی چلی جاتی لیکن تمہیں یہ بتانا ضروری تھا کہ اب جمیل احمد خان کا خیال تمہیں چھوڑ دینا چاہئے۔ اس کے ساتھ دیوی کے سیوک موجود ہیں۔ تم آج پھر بہک گئے بدری نرائن!'' کلپنا کی آواز میں نہ جانے کہاں سے اتنی طاقت آ گئی تھی کہ وہ بے ہنگم شور اس آواز کے نیچے دب گیا تھا۔

جب وہ خاموش ہو گئی تو بدری نرائن نے ایک ہذیانی قہقہہ لگایا۔ ''پانچ مر گئے ہیں، اب صرف تیرہ باقی ہیں۔''

''وہ پانچ مرے نہیں ہیں، انہیں ہٹا لیا گیا ہے۔ یہ تیرہ کافی ہیں۔'' کلپنا نے چھت کی طرف گھور کر کہا۔ ''کیا میں ان پانچوں کو دوبارہ بلاؤں؟ تمہارے پاس تو تین ہیں مگر وہ ان پر بھاری ہیں۔''

''میں اور بلا سکتا ہوں۔''

''تمہیں شرمندگی ہوگی۔''

''میں آج فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔''

''فیصلے کا وقت ابھی نہیں آیا۔ فیصلہ بھی جلد ہو جائے گا۔ وقت اب کم ہی رہ گیا ہے۔'' کلپنا نے پُر اعتماد لہجے میں جواب دیا۔ ''میں جا رہی ہوں۔ میری یہاں موجودگی ضروری نہیں، اور سنو...... وہ بھی میرے ساتھ ہے۔'' کلپنا نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''میں نے ان کی تعداد بڑھا دی ہے۔ تم اسے یہاں سے نہیں لے جا سکتیں۔ اس کے ساتھ نیائے ہوگا۔''

''کیا تم گنتی کر سکتے ہو؟ لو دیکھو۔'' کلپنا کی آواز گونجی۔

بدری نرائن نے سراسیمہ ہو کر، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا۔ چیخ پکار اور تیز ہو گئی تھی۔ پولیس افسر بدری نرائن کو گھورنے لگا۔ بدری نرائن نے اسے دور پھینک دیا۔ پسینے نے اس کا جسم شرابور ہو گیا تھا۔ اسی وقت کمرے میں لوبان کی خوشبو مہکنے لگی اور لوبان کے دھوئیں نے سارے کمرے کا

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

اوجھل ہونے لگیں۔ بدری نرائن اور کلپنا،
احاطہ کرلیا۔ وہ دھواں اتنا بڑھا کہ سامنے کی چیزیں نظروں سے
پولیس کے لوگ، سب کے سب دھوئیں میں اٹ گئے۔ عود و عنبر اور کئی قسم کی خوشبوؤں سے کمرا مہک
رہا تھا اور ہر طرف شور برپا تھا۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ایسے لرزہ خیز وقت میں کلپنا نے
مجھے پکارا۔ ''جمیل! اب تم اس کھڑکی کے پاس سے ہٹ جاؤ۔ خیال رہے کہ تمہارا جسم ان میں سے کسی
کے جسم سے مس نہ ہو۔''

میں نے اس کی ہدایت اور اپنے اندازے کے مطابق کمرے کے مشرقی کونے کی طرف آہستہ
آہستہ کھسکنا شروع کردیا۔ ابھی میں کھڑکی کے پاس سے ہٹا ہی تھا کہ بدری نرائن کی آواز گونجی۔ ''وشنو!
وہ جارہا ہے۔ وہ اسے لے جارہی ہے۔ پھر وہ تمہارے ہاتھ نہیں آئے گا۔ تم اسے پھر کھو رہے ہو۔ گولیاں
چلاؤ۔''

''تمہارا اس شہر میں رہنا مناسب نہیں ہے۔ اپنی آنکھیں بند کرلو۔'' میں نے اس کے حکم پر سختی
سے عمل کیا اور آنکھیں بند کرلیں۔ کمرے میں اندھادھند فائرنگ ہورہی تھی۔ بدری نرائن چیخ رہا تھا۔ ''
ہر سمت نشانہ باندھو۔'' آنکھیں میچتے ہی مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے پاؤں فضا میں معلق ہوچکے ہوں۔
ہواؤں کی سنسناہٹ اور لوگوں کی چیخ و پکار میری سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ آوازیں دور ہوتی
گئیں اور میں اپنے حواس کھونے لگا۔ پتا نہیں کتنی دیر گزری۔ کتنے دن گزرے...... کتنے عالم گزرے، یہ
وقت میری زندگی میں شامل نہیں ہوتا۔ جب مجھے اپنے زندہ ہونے کا احساس ہوا تو میں ایک ویرانے میں
پڑا ہوا تھا۔ دور دور تک کسی آدمی کا نام و نشان نہ تھا البتہ وہ ایک سرسبز جگہ تھی۔ میں نے نظریں گھما کر
دیکھا۔ میری پشت پر کلپنا موجود تھی۔ وہ سرتاپا حسن کلپنا، ہری ساڑھی میں کھلی جارہی تھی۔ اس کا دودھیا
بدن میری نظروں میں چکاچوند پیدا کررہا تھا۔ اس وقت وہ بڑی معصوم اور بھولی بھالی نظر آرہی تھی۔ میں
نے اس کا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھا تو تمام پریشانیاں بھول کر محو نظارہ ہوگیا۔ کلپنا کے چہرے پر ایک عجیب
دل نواز تبسم پھیلا ہوا تھا۔ اس نے مجھے محو نظارہ دیکھا تو شرمگیں نگاہوں سے بولی۔ ''تم ایک بڑی مصیبت
میں پھنس گئے تھے۔''

''ہاں، اگر تم نہ آتیں اور میری مدد نہ کرتیں تو میں آج کہیں کا نہ رہتا۔ میں تمہارا احسان مند
ہوں۔'' میں نے عقیدت سے کہا۔

''مجھے وہاں پہنچنے میں ذرا دیر ہوگئی، وہ تمہاری تاک میں تھا۔ آج ہی اس نے تمام انتظام کیا
تھا۔''

''مگر کلپنا دیوی! تم تو حیرت انگیز طاقتوں کی مالک ہو۔ تم نے مجھے کبھی اپنے بارے میں نہیں بتایا۔
آخر تم ہو کون؟ اور کیسے میری مدد کو آجاتی ہو؟'' میں نے سراپا اشتیاق بن کر پوچھا۔

''میں ایک داسی ہوں، مجھے حکم ملا تھا، میں حاضر ہوگئی۔''

''کلدیپ نے کہا ہوگا۔ مجھے گمان ہے کہ تم کلدیپ کا کوئی روپ ہو۔ کلدیپ نے مجھ سے کہا تھا
کہ تم انتہائی خطرناک حالتوں میری مدد کروگی۔''

وہ شرما سی گئی۔ ''میں کون ہوں، یہ بات چھوڑ دو۔ بہت سی باتیں پوچھی نہیں جاتیں۔''

''مگر یہ کیا ستم ہے۔ تم میری مدد کرتی ہو اور مجھے اس پاپی سے نجات دلاتی ہو جو میری جان کے
پیچھے پڑا ہوا پھر بھی مجھے تمہارا اتا پتا بھی نہیں معلوم۔''

''میں تمہارے قریب ہی رہتی ہوں اور جب تمہارے قریب نہیں رہتی تو تمہارے متعلق سوچتی
رہتی ہوں۔'' کلپنا نے شیریں لہجے میں کہا۔

''مجھے اندازہ ہے لیکن اس سے سوا کی خواہش کو جی چاہتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ تم ہمیشہ پاس رہو۔
اتنی حسین لڑکی کی قربت زندہ رہنے کا احساس جوان رکھتی ہے۔''

میری باتوں کو جواب جن نظروں سے دیا گیا، ان میں خلوص تھا، اپنائیت تھی، خمار تھا۔ میرا دل چاہا
کہ وقت کی رفتار تھم جائے۔ میں اس کے سراپا میں ڈوبا ہوا تھا کہ وہ سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولی۔ ''
میں جارہی ہوں۔ تم ایسے گمبھیر حالات میں نہ پڑا کرو۔ تمہارے دشمن بہت ہیں۔''

''تم کہاں جارہی ہو؟'' میں نے اداسی سے کہا۔ ''میں کہاں ہوں؟''

''تم اپنی کلدیپ کے قریب ہو۔ یہ راستہ اوپر کلدیپ کی کٹیا تک جاتا ہے۔ تزئین بھی وہیں
ہے۔''

''مگر تم کیوں جارہی ہو؟ تم میرے ساتھ کیوں نہیں چلتیں؟''

''کام ختم ہوچکا ہے۔ میں تم سے ملتی رہوں گی، یہ میرا وچن ہے۔''

''میں تمہارے احسان تازندگی فراموش نہیں کرسکتا۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میری دعا ہے کہ تم سدا سکھی رہو۔''

''تمہاری باتوں سے کلدیپ کی خوشبو آتی ہے۔ کہیں تم کلدیپ ہی تو نہیں ہو؟ مجھے بتاؤ نا کہ تم
کون ہو؟'' مگر مجھے اس کا کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ چشم زدن غائب ہوگئی۔ میں اس سے انکا کے بارے
میں پوچھنا چاہتا تھا لیکن وہ کسی چھلاوے کی طرف فضاؤں میں تحلیل ہوگئی۔ میں دیر تک گم صم بیٹھا اس
کے ہوش ربا نظارے اور اس کے ملکوتی حسن میں کھویا رہا۔ پھر آخر تھکے ہوئے انداز میں اٹھا۔ میرے
سامنے ایک پگڈنڈی تھی، میں نے اوپر نگاہ کی اور اونچے نیچے راستوں پر بڑھنے لگا۔ مجھے احساس ہوا کہ
میں بوڑھا ہوگیا ہوں۔ تھک گیا ہوں، میں کہیں بھی گر پڑوں گا۔ کیا میں اتنے محیرالعقول، لرزہ خیز
ہنگاموں کا متحمل ہوسکوں گا؟ میں کب تک زندہ رہوں گا؟ زندگی کا یہ نازک تار تو ان حوادث میں کسی

Downloaded from Paksociety.com
Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

وقت بھی ٹوٹ جائے گا۔ میں اوپر چڑھنے لگا۔

☆......☆......☆

دنیا میں یہی ایک جگہ میرے لئے سب سے محفوظ تھی۔ اوپر کے راستوں پر چلتے چلتے میں کئی جگہ پھسل پڑا۔ بارش ہو چکی تھی لیکن اس کے تاثرات ابھی تک باقی تھے۔ سارا علاقہ سبزہ زار بنا ہوا تھا۔ ذہن پریشان تھا اور اشرفی بیگم کا واقعہ بار بار یاد آ جاتا تھا۔ درختوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ سنبھلتا، سنبھلتا، ان گنت فکریں اور یادیں تازہ کئے میں جھرنے کے قریب پہنچ گیا۔ جھرنے کی آواز سے مالا بے اختیار یاد آ گئی۔ بہت ضبط کیا مگر دل قابو میں نہ رہا۔ آنکھیں جلنے لگیں۔ ایک لمحے کو رک کر میں نے جھرنے سے پانی پیا اور دو چلو اپنے منہ پر ڈال لئے۔ میرے آنسو پانی میں بہہ گئے اور میں اپنا شکستہ دل لئے وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ میرے ذہن میں آنے والے دنوں کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ میں اپنی زندگی کا صرف ایک مقصد سمجھتا تھا اور وہ تھا، بدری نرائن کی بربادی۔ جس طرح میں نے تربینی سے انتقام لیا تھا اور ان تمام لوگوں کو تہ خاک کر دیا تھا جنہوں نے مجھ پر مظالم کے پہاڑ توڑے تھے۔ اسی طرح میں اس پنڈت کو بھی بلکتا، تڑپتا اور معذور و مفلوج دیکھنا چاہتا تھا۔ میں اس بار کلدیپ سے صاف صاف کہہ دینا چاہتا تھا کہ اب مجھے انتظار گوارا نہیں ہے۔ یہ دن گزر جائیں گے تو پھر نہ جانے کیا ہو جائے گا۔ وہ پنڈت اپنی طاقت بڑھانے اور تحفظ کے خیال سے کالی کے قرب کے لئے یقیناً ریاضت میں مصروف ہو گا۔ چنانچہ جتنے دن گزر رہے ہیں وہ میرے حق میں ہلاکت کا سبب بن رہے ہیں۔

میری رفتار میں تیزی آ گئی اونچے نیچے راستے طے کرتا ہوا جب اپنی محبوبہ، اپنی محسنہ کلدیپ کی حدود میں پہنچا تو وہ اور ترئین مجھے کٹیا کی منڈیر پر نظر آئیں۔ ترئین ایک سادہ سی ساڑھی میں ملبوس تھی۔ وہ بے اختیار آ کر مجھ سے لپٹ گئی۔ وہ میری آغوش میں مچلنے لگی۔ میں اس کی کمر پر تھپکیاں دیتا ہوا کلدیپ کی طرف بڑھا۔ میں بے اختیار اس سے چمٹ جانا چاہتا تھا لیکن ترئین کی موجودگی میں اس جذباتی مظاہرے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ ہم دونوں میں زبانی طور پر رسمی گفتگو اور نگاہوں نگاہوں میں غیر رسمی گفتگو ہوئی۔ وہ دونوں اس حیات آفریں اور سرسبز و شاداب خطے میں نوخیز پھولوں کی طرح شاداب تھیں بلکہ پہلے سے زیادہ نکھر گئی تھیں۔ کٹیا کے اندر داخل ہونے کے بعد ترئین نے لکھنؤ کے بارے میں بے شمار سوال کر ڈالے۔ میں نے اشرفی بیگم کے قتل کا واقعہ اسے نہیں بتایا کیونکہ اسے یقیناً ملال ہوتا بہر حال ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ترئین نے میرے اور اپنے رشتے کا احترام دل میں خوب بٹھا لیا ہے۔ وہ بڑی اپنائیت کا اظہار کر رہی تھی اور مجھے ایک بھولی بھالی بچی کی طرح نظر آ رہی تھی۔ بے حد سادہ اور معصوم لڑکی۔ میں اپنی بچی کے حسن کی تعریف خود کیسے کروں؟ خدا نے ایک پری زمین پر اتاری تھی۔ اس کا دل نازک، احساسات لطیف اور انداز بیان شیریں تھا۔ اس سے باتیں کرنے میں دل پر ایک عجیب

خوشگوار کیفیت طاری ہوتی تھی۔ وہ میرے بارے میں بہت کم جانتی تھی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ یہ احترام کس شخص کے لئے دل میں لئے ہوئے ہے۔ میں اس سے باہر کی دنیا کے بارے میں دلچسپ باتیں کرتا رہا اور کلدیپ خاموشی سے سب کچھ سنتی رہی۔ وہ ضد کرنے لگی کہ اب اسے اس طرح چھوڑ کر مجھے کہیں نہیں جانا چاہئے۔ بہت دیر بعد اس کی طولانی گفتگو ختم ہوئی اور وہ میرے لئے کھانے کا انتظام کرنے کے لئے باہر چلی گئی۔ کلدیپ اور میں تنہا رہ گئے۔ میں نے اسے اور اس نے مجھے پاس سے دیکھا۔ پھر مجھے نہ جانے کیا ہوا کہ میں بے تابانہ اٹھا اور لپک کر کلدیپ کو گود میں اٹھا لیا۔ اسے اس حرکت کی توقع نہیں تھی۔ سفید ساڑھی میں ملبوس میری محبوبہ گلاب کے مانند شگفتہ تھی۔ اس کے چہرے پر تقدس تھا۔ وہ بری طرح کسمسانے اور تلملانے لگی۔ ”مجھے چھوڑ دو۔“ اس نے کسی قدر برہمی سے کہا۔ ”یہ کیا کرتے ہو؟ وہ کسی بھی وقت اندر آ سکتی ہے۔“

”آنے دو۔ میں اس سے کب تک چھپاؤں گا۔“ میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔ ”مجھے تمہارا قرب درکار ہے۔ اس وقت مجھے منع مت کرو۔ میرا دل بہت بھرا ہوا ہے۔“ میں نے اسے نہیں چھوڑا اور اسے سینہ سے لگانا چاہا۔

وہ تڑپ کر میری آغوش سے گر پڑی اور اپنی ساڑھی درست کرنے لگی۔ ”ہوش میں آؤ جمیل! ایک بار پہلے بھی ہم اس جذباتی غلطی سے نقصان اٹھا چکے ہیں۔ میرے لئے یہ باتیں کسی طرح مناسب نہیں ہیں۔ اب میں ماضی سے تمام رشتے توڑ چکی ہوں۔“

”میرا تعلق بھی تو ماضی سے ہے کلدیپ! اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے مجھ سے بھی تعلق توڑ دیا۔“ میں نے برہم ہو کر کہا۔ ”کیا تم مجھے اپنے جذبات کا اظہار بھی نہیں کرنے دو گی؟“

”میں اپنا نفس مار چکی ہوں۔“ اس نے اداسی سے کہا۔ ”ضروری نہیں کہ جذبات کے اظہار کا یہی طریقہ ہو۔ یہ تمہارے لئے بھی نقصان دہ ہے۔ تمہارا اور میرا تعلق ان مظاہروں کے بغیر بھی قائم رہ سکتا ہے۔ میں نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ اپنے نفس کی قربانی دے کر حاصل کیا ہے، تمہیں میری ضرورت ہے۔ چاروں طرف تمہارے دشمن ہیں۔ تمہارے کام آنے کے لئے میرا پاک باز رہنا ضروری ہے۔“

”تم میرے لئے اتنا ایثار مت کرو۔ میں بہت برا آدمی ہوں۔ مجھے موت کیوں نہیں آ جاتی۔ آخر میں کب مروں گا۔“ میں نے مضطرب ہو کر کہا۔ اس نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور اپنا چہرہ اس کے سیاہ دراز بالوں میں چھپا لیا۔ پھر میرا سر ڈھلکتے ڈھلکتے اس کے سینہ تک آ گیا اور ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا۔ میں زندگی میں پہلی بار اتنا رویا، اتنا رویا کہ میرا سانس اکھڑنے لگا۔ کلدیپ کا سارا بلاؤز میرے آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ وہ اس عرصے میں ساکت و جامد کھڑی رہی۔ میں ہچکیوں سے روتا رہا۔ ایک سیلاب بہہ پڑا جو مدت سے رکا ہوا تھا۔ آنسو زبان رکھتے ہیں۔

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

میری زبان بند تھی مگر آنکھیں گفتار پر آمادہ تھیں۔ آنسو زندگی ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو آدمی اپنے اندر ختم ہو جائے۔ میرا غم بہہ رہا تھا۔ میرا اضطراب بہہ رہا تھا۔ کلدیپ کے سوا کون تھا جسے میں اتنے قریب کر کے اپنی زخم دکھا سکتا۔ کہاں کہاں کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ میرے آنسوؤں نے ایسا اثر کیا کہ کلدیپ کے بازو وا ہوئے اس نے زور سے مجھے بھینچ لیا۔ پھر اچانک اس کے ہاتھ مجھ سے جدا ہو گئے۔ اس نے اپنی ساڑھی کے پلو سے میرے آنسو پونچھے۔ میں نے سر اٹھا کر رحم طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں نم تھیں۔

"سنبھلو جمیل!" اس کی آواز میں درد تھا۔ "تم تو بالکل بچے بن گئے؟ دیکھو تزئین آتی ہوگی۔ وہ تمہیں اس حالت میں دیکھے گی تو کیا کہے گی؟"

میں اس بات کی وضاحت نہیں کر سکتا کہ میں اس سے کیا کہنا چاہتا تھا۔ بس میرا دل رونے کے لئے بے تاب تھا چنانچہ میں جی بھر کے رویا، زار و قطار رویا۔ پھر کلدیپ نے تزئین کے آنے سے پہلے مجھے قابو میں کر لیا۔ تزئین نے آتے ہی کٹیا کا سوگوار ماحول تبدیل کر دیا اور شگفتہ و شوخ باتیں کرنے لگی۔ یہ میرا گھر تھا، کلدیپ مجھ سے دور دور رہتی تھی لیکن وہ ہر وقت میرے قریب رہتی تھی۔ جی ذرا سنبھلا تو ہر چیز اچھی لگنے لگی اور میں نے سوچا کہ اب ساری عمر یہیں گزاروں گا لیکن تزئین...... مجھے اس کا کوئی انتظام کرنا تھا۔ تزئین کی وجہ سے مجھے باہر دنیا میں جانا پڑتا اور اسے کسی اچھے گھر کے سپرد کر دینے کے بعد ہی دنیا کے ہنگاموں سے نمٹ سکتا تھا۔ زندگی میں دو ہی تمنائیں رہ گئی تھیں، لیکن یہ یہاں کی بات تھی۔ باہر کی دنیا میں آدمی کو خود پر اختیار نہیں ہوتا۔ ہر طرف ترغیب اور طمع کا جال پھیلا ہوا ہے، کوئی کیسے اپنا دامن بچا سکتا ہے۔ پہلا دن یوں ہی گزر گیا۔ دوسرے دن میں حسب سابق تزئین کو لے کر جنگل میں چلا گیا۔ کلدیپ اپنے جاپ میں منہمک تھی۔ دوبارہ تخلیے کا موقع فراہم ہونے میں مجھے خاصا وقت لگ گیا۔ مجھے اس سے بے حد ضروری باتیں کرنی تھیں۔ انکا اب تک غائب تھی۔ اس کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا، چچا جان کی خیریت دریافت کرنی تھی۔ آخر تین دن گزرنے کے بعد کہیں اس کا موقع ملا۔ تزئین جھرنے پر پانی بھرنے گئی ہوئی تھی۔ میں نے کلدیپ سے کلپنا کے پُراسرار وجود کا تذکرہ کر کے اس کے بارے میں استفسار کیا تو وہ مسکرا کر ٹال گئی۔ میرے اس شبہے نے اور تقویت پکڑ لی کہ کلپنا یقیناً کلدیپ کا پہر تو ہے۔ کلدیپ سے کچھ بعید نہیں تھا۔ اس لئے کہ وہ ایک بہت بڑے پجاری پریتم لال کی جانشین تھی۔ اس نے مختصر سی مدت میں کامل، انہماک اور پیہم استغراق سے بہت کچھ حاصل کر لیا تھا۔ جب تزئین کا ذکر آیا تو کلدیپ نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم نے اچھا کیا جو اسے اشرفی بیگم کے بارے میں نہیں بتایا۔ ویسے وہ اس کی حقیقی ماں نہیں تھی۔"

"کیا مطلب؟...... یعنی......" میں کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

کلدیپ بولی۔ "وہ آگرے کے ایک بڑے خاندان سے تعلق رکھتی ہے لیکن حوادث اور سوئے اتفاق نے اسے بہت بچپن ہی میں اشرفی بیگم کے ہاں لا ڈالا تھا۔"

"سچ......؟ کیا اس کے والدین زندہ ہیں؟" میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"نہیں۔ وہ مر چکے ہیں۔ اشرفی بیگم نے ان دونوں کو زہر دے کر تزئین کو اغوا کر لیا تھا۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" میں نے بے خیالی میں پوچھا۔ حالانکہ یہ سوال غلط تھا۔ کلدیپ جواب میں صرف مسکرا کر رہ گئی۔ میں نے کہا۔ "یہ تو دلچسپ انکشاف ہے۔"

"مگر وہ ایک طوائف ہی کی لڑکی ہے۔ اس لئے کہ تزئین کی ماں اشرفی بیگم کی سگی بہن تھی۔ اس نے اشرفی بیگم کو چھوڑ کر ایک نواب سے شادی کر کے پیشہ ترک کر دیا تھا اور جب اس کے بطن سے لڑکی ہوئی تو اشرفی بیگم اپنی بہن سے انتقام لینے کے لئے اس کے گھر پہنچ گئی اور اس نے نہایت مہارت سے دونوں میاں بیوی کو قتل کر کے لڑکی ہتھیا لی۔ بہر حال اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ کس کی بیٹی ہے۔ وہ ایک بہت ذہین اور شریف لڑکی ہے۔ سوچتی ہوں اگر وہ نہ ہوتی تو کیا میں اتنی دیر تک یہاں اکیلی رہ سکتی تھی؟"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اشرفی بیگم اپنے انجام کو پہنچ گئی؟"

"ہاں یہ تو ہوا مگر وہ مرتے مرتے تمہارے لئے ایک مصیبت کھڑی کر گئی ہے۔ ویسے اپنے بہت سے مصائب کا سبب تم خود ہو۔"

"کیا تم بھی ایسی باتیں کرو گی؟ میں خود اپنی نظروں میں مجرم ہوں۔ تم تو میری خطا معاف کر دیتی ہو۔ تم نے تو بھگتی کی حد کر دی ہے۔" میں نے شاکیانہ کہا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم ایک شرارتی بچے ہو۔ تم بڑے ضدی ہو۔ میری بات دوسری ہے۔ اگر میں ہی تمہاری باتیں نظر انداز نہیں کروں گی تو پھر کون کرے گا؟" کلدیپ نے یاسیت سے کہا۔

"کاش، میں تمہیں کچھ دے سکتا مگر میں ایک تہی دست شخص ہوں۔ ہمیشہ میرا ہاتھ تمہارے سامنے دراز رہتا ہے۔ تم اتنے بڑے منصب پر پہنچنے کے بعد بھی مجھ جیسے گناہ گار شخص کی مدد کرتی ہو۔ یہ تمہارے ایثار اور عظمت کی دلیل ہے۔"

"تم یہ باتیں کر کے مجھے دکھ پہنچا رہے ہو۔ میں نے اپنی زندگی میں صرف تمہی کو عزیز رکھا ہے۔ تمہارا خیال کر کے مجھے ایک سکون ملتا ہے۔"

"تم عشق کی دیوی ہو۔ میں جب اپنے متعلق سوچتا ہوں تو مجھے شرم آنے لگتی ہے۔ میں اپنی نظروں سے گر جاتا ہوں۔"

"مجھے اس کی پروا نہیں ہے کہ تم میری عقیدتوں کا جواب کس طرح دیتے ہو۔ میں تو صرف تمہاری

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

یاد سے ایک لذت محسوس کرتی ہوں۔ تم جواب دیتے ہو، یہ میری خوش بختی ہے۔''

کلدیپ پر جذبات غالب تھے۔ اس کے بیان میں تاثر تھا۔ میں نے موقع غنیمت جان کر اس سے بدری نرائن کا ذکر چھیڑ دیا۔

میری باتیں سنتے سنتے اچانک کلدیپ کے چہرے پر تناؤ پیدا ہو گیا۔ ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس بدبخت نے پنڈت پریتم لال کے اس علاقے پر بھی حملہ کرنے کی جرأت کی تھی۔ اس نے کئی بار اپنی طاقت آزمانا چاہی مگر وہ ہر بار ناکام ہو گیا پھر آخر تھک کر اس نے تم سے زور آزمائی کا ارادہ ترک کر دیا تھا لیکن اشرفی بیگم کے بالا خانے پر جب تم مصیبت میں گھر گئے تو اس نے ایک کوشش اور کر ڈالی۔ اس کے ذہن و دل سے تم نہیں نکل سکے تھے۔ اس نے اپنا کام خوب کیا۔ کم بخت نے تمام راستے بند کر دیئے تھے۔ کلپنا کو بھی اس کا حصار توڑنے میں مشکل پیش آئی تھی۔ انکا بھی وہاں پہنچنا چاہتی تھی مگر وہ حصار بروقت نہ توڑ سکی۔ وہ اس میں کامیاب ہو جاتی مگر کچھ وقت لگتا۔ انکا پُراسرار طاقتوں کی جنگ سے بچتی ہے کیوں کہ اسے جو طاقتیں ودیعت کی گئی ہیں وہ کچھ اور ہیں۔ وہ بہت مجبور ہو کر اور اپنے لئے خطرہ مول لے کر کوئی انتہائی کام سرانجام دیتی ہے۔ تم نے ایک عرصہ انکا کے ساتھ گزارا ہے تمہیں معلوم ہے کہ اس کی صلاحیتیں کتنی محدود اور کتنی وسیع ہیں؟ انکا کو جب یہ معلوم ہو گیا تھا کہ کلپنا تمہاری مدد کو پہنچ چکی ہے تو وہ مطمئن ہو کر اپنے دوسرے کاموں میں لگ گئی تھی۔''

''مگر وہ اب تک غائب کہاں ہے؟''

''وہ تمہاری وجہ سے اب تک نہیں آئی لیکن بس وہ آیا ہی چاہتی ہے۔ اسے تمہارے بغیر چین نہیں آتا۔''

''تم رقابت کی باتیں کر رہی ہو۔'' میں نے شوخی سے کہا۔

''ہاں میں سوچتی ہوں کاش میں انکا ہوتی۔ انکا تمہیں بہت عزیز ہے نا؟''

''مگر تمہیں معلوم ہے کلدیپ، میں اس زندگی سے تنگ آ چکا ہوں۔ میرے دن ضائع ہو گئے۔ تم سے کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ یہ زندگی میں نے خود اختیار نہیں کی تھی۔ اسی شریر انکا نے مجھے اس راستے پر چلنے کے لئے مجبور کیا تھا۔ پھر میں اس میں گلے گلے پھنس گیا۔ انکا نے دنیا کے لطف سے ایسی چاٹ لگائی کہ میں اس کا عادی ہو گیا۔ میرے منہ کو خون لگ گیا لیکن اب مجھے خود سے ہول آنے لگا ہے۔ بڑی بھول ہو گئی مگر میرے اختیار میں کیا تھا؟''

''میں وضاحت طلب نہیں کر رہی ہوں۔'' کلدیپ نے ایک ادا سے کہا۔

رات کو ہم تینوں اس کٹیا میں سوتے تھے۔ رات کو جب سناٹا چھا جاتا اور میں کٹیا کے دوسرے حصے میں چلا جاتا تو میرا دل بے اختیار کلدیپ کی طرف کھنچنے لگتا۔ مجھے اس کی حالت پر ترس آتا تھا۔ میں

سوچتا، کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ میں کلدیپ کو اداس اور تنہا زندگی سے کہیں دور لے جاؤں؟ اس کا شباب کڑی تپسیا اور ریاضت کی نذر ہو رہا تھا۔ ایک گل بدن اور تعلیم یافتہ لڑکی میری وجہ سے کتنی زبردست آزمائش میں پڑ گئی تھی۔ میں اس سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ رات کو دیر تک مرگ چھالا پر بیٹھی کچھ نہ کچھ پڑھتی رہتی تھی۔ کوئی تصور کر سکتا ہے کہ ایک لڑکی نے اپنے ہرجائی اور سنگ دل محبوب کے لئے اتنی بڑی قربانی دی ہو گی؟ میں اسے وہاں سے لے جانا چاہتا تھا۔ صرف وقت کا انتظار تھا۔ وقت جو میرے قابو میں نہیں تھا۔ باہر ہر طرف موت کے پہرے تھے۔ میں ایک رسوائے زمانہ شخص تھا۔ پولیس کو مطلوب، ایک منتظر شخص۔ شہر جسے کاٹ کھانے کو دوڑتے تھے۔ اس کے دشمن زمینوں سے اگتے تھے۔ حادثے ہمیشہ جس کے تعاقب میں رواں رہتے تھے۔ شروع شروع میں تو میری حالت سنبھلی رہی، دن کسی طرح کٹ جاتا۔ میں تزئین کو لے کر آس پاس کے سبزہ زاروں میں گھوم آتا۔ رات مشکل سے بسر ہوتی۔ کلدیپ نے جگدیو کی طرح اس دوران کئی بار مجھے مجبور کیا کہ میں ملک چھوڑ کر دنیا کی سیاحت کے لئے چلا جاؤں تاکہ میری وحشت کسی حد تک کم ہو جائے اور میں اپنا ٹوٹا ہوا ہاتھ درست کروا لوں مگر فی الحال مجھے اپنے ٹوٹے ہاتھ کا کوئی غم نہیں تھا۔ انسان پر مختلف اوقات میں مختلف جذبے غالب رہتے ہیں۔ میں یہاں ہر طرح سے آرام میں تھا لیکن دل بے قرار تھا۔ سکون عنقا ہو گیا تھا۔ کلدیپ کو سامنے دیکھ کر دل و دماغ پر ایک عجیب طرح کا بوجھ ہوتا تھا۔ تزئین کو کھلکھلاتا دیکھ کر نظر جھک جاتی۔ کچھ کر گزرنے کو جی چاہتا تھا۔ جی چاہتا تھا کہ اس منحوس بدری نرائن کو کچا چبا جاؤں جس نے میری زندگی میں زہر بھر دیا ہے۔ اس کے لئے مختلف سزائیں تجویز کرتا اور زچ ہو کر تلملانے لگتا۔ کاش میں پُراسرار طاقتوں کا مالک ہوتا۔ میں نے کئی بار سوچا کہ میں کلدیپ کی روش اختیار کروں اور اس کے ساتھ ماورائی طاقتوں کے حصول کی ریاضت میں لگ جاؤں۔ وہ علوم سیکھ لوں جو انسانوں کو انسانوں پر فوقیت دیتے ہیں۔ پُراسرار واقعات اب مجھ پر زیادہ چونکا دینے والا تاثر نہیں چھوڑتے تھے۔ لیکن میں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو کلدیپ، جگدیو، بدری نرائن اور دوسرے سادھوؤں اور پنڈتوں کی طرح ایک طویل مدت تک دنیا سے کنارہ کشی کر کے تپسیا میں وقت گزارے۔ مجھے اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ یہ واقعات کیوں رونما ہوتے ہیں۔ اس معاملے پر سوچنا بے کار تھا۔ یہ شروع شروع کی بات تھی جب ذہن پریشان ہوا کرتا تھا۔ اب میرے خیال میں ہر لمحے یہ بات ممکن تھی۔ میں صرف یہ چاہتا تھا کہ مجھے کسی طرح کوئی ایسی قوت حاصل ہو جائے کہ میں ایک بار آزادی سے من مانیاں، سرشوریاں کر سکوں۔ انکا قسمت سے مجھے یوں ہی مل گئی تھی۔ صرف ایک دفعہ میں نے رام پور کے ایک ویران قبرستان میں بیٹھ کر اس کے حصول کے لئے چالیس روز کی کٹھن ریاضت کی تھی اور مجھے اندازہ تھا کہ کچھ حاصل کرنے کے لئے کتنی بڑی جہد و جہد کرنی پڑتی ہے۔ اب عمر کا بڑا حصہ گزر چکا تھا۔ میں بدری نرائن کو مردہ دیکھنے کا

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

خواہش مند تھا۔ جب تک وہ زندہ تھا، میری زندگی عذاب تھی۔ جب تک میں زندہ تھا، وہ مشکل میں تھا۔ ہم دونوں میں سے ایک کو مر جانا چاہئے تھا۔ نہ مجھے موت آتی تھی نہ اسے۔ اس آنکھ مچولی سے اعصاب شل ہو گئے تھے۔ کلدیپ اور انکا کے باوجود میں پریشان تھا۔

سات دن بعد جب میں جھرنے کے ٹھنڈے اور شفاف پانی سے نہا رہا تھا تو انکا میرے سر پر آ گئی۔ اس کی آنکھیں جل رہی تھیں جیسے وہ مدتوں سے نہ سوئی ہو۔ چہرے پر وحشت برس رہی تھی اور وہ نیم مردہ سی معلوم ہوتی تھی۔ مجھے اس پر بہت غصہ تھا لیکن اس کی حالت دیکھ کر میں نے نرمی سے پوچھا۔

''تم اتنے دنوں کہاں رہیں؟''

''مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ تم بخیریت کلدیپ کے ہاں پہنچ گئے ہو، اس لئے میں وہاں رک گئی۔'' انکا نے اداسی سے کہا۔

''خبر ہے، اس دن میں نے کتنی آوازیں دیں؟ اس دن تم نے مجھے تباہ کر کے رکھ دیا۔ اس وقت کا تصور کر کے اب بھی میرا رواں رواں لرز جاتا ہے۔''

''مجھے احساس ہے جمیل! لیکن میں جلدی میں بدری نرائن کو بھول گئی تھی۔ اس نے گو بہت تھوڑے وقت کے لئے سہی مگر میرا راستہ بند کر دیا تھا۔ یقین کرو جمیل، میں مجبور تھی، میں کیا کرتی؟''

''مجھے سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔ انکا! تم ایک پنڈت کے جاپ سے زیر ہو گئیں؟ ہر بار تمہارے سامنے کوئی نہ کوئی ایسی مجبوری آ جاتی ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک معمولی پنڈت کیسے تمہارا راستہ روک سکتا ہے۔ ایک سادھو تمہیں کس طرح معطل کر سکتا ہے۔ کوئی بھی تمہیں حاصل کر سکتا ہے۔ تمہاری ان حدود نے میری زندگی حرام کر رکھی ہے۔''

''جمیل!'' انکا نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔ ''تعجب ہے کہ میرے بارے میں تم ایسی باتیں کر رہے ہو۔ میں تمہارے لئے ماری ماری پھرتی رہی، اب تم میری مجبوریوں پر حرف زنی کر رہے ہو جب کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں کیا ہوں، تمہیں کیا معلوم کہ اس نے کیا جاپ کیا تھا۔''

''جاپ کیا تھا، جاپ کیا تھا......'' میں نے بگڑ کر کہا۔ ''کیا تمہارے پاس اس کا کوئی توڑ نہیں تھا، کلپنا کیسے اندر داخل ہو گئی تھی؟ تم تو بعض اوقات بہت مایوس کرتی ہو۔''

''کلپنا اور مجھ میں فرق ہے، بہر حال میں تم سے لڑنا نہیں چاہتی۔ تم میری خیریت کے بارے میں بھی نہیں پوچھ رہے ہو، مجھ پر کیا گزر گئی، یہ بھی تم نے نہیں پوچھا۔'' انکا نے ڈوبتے لہجے میں کہا۔

''کیا تم اسے ایک معمولی واقعہ سمجھتی ہو؟''

''اس واقعے کی سنگینی ہی کی وجہ سے میں اتنی دیر تم سے دور رہی، سارا شہر تمہاری فکر میں ہے۔ تمہارے متعلق عجیب و غریب افواہیں اڑ رہی ہیں۔ پولیس نے کئی مرتبہ چچا جان کے گھر کی تلاشی لی۔

تمہارے اچانک غائب ہونے پر شہر بھر میں ہنگامہ مچا ہوا ہے۔ جب میں تم سے دور ہو کر بن علی کی تلاش میں گئی تھی تو وہ اپنے گھر پہنچنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اس نے زیورات، نقدی اور کاغذات اپنی دونوں بہنوں کے حوالے کر دئے تھے۔ میں نے اس گھر میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی لیکن اسی جن نے میرا راستہ روک لیا جو تمہارے آڑے آیا تھا۔ بن علی اپنے گھر میں محفوظ ہو گیا تھا اور سارا الزام تم پر عائد کیا جا رہا تھا۔ دلنشیں، غزالہ اور دوسری لڑکیوں نے تمہارے خلاف گواہی دی تھی۔ میں کبھی اشرفی بیگم کے بالا خانے جاتی تھی اور کبھی بن علی کے گھر۔ میرے لئے دونوں گھر بند ہو چکے تھے۔ پھر جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ تم کلپنا کی حفاظت میں ہو تو میں بن علی کے گھر کے قریب دھرنا دے کر بیٹھ گئی اور میں نے ایک پولیس افسر کے سر پر جا کر بن علی کو گرفتار کرا دیا۔''

''اچھا، بن علی گرفتار ہو گیا؟'' میں نے اشتیاق سے پوچھا۔ ''پھر کیا ہوا؟''

''پھر کیا ہوا؟ اب تم کیسے مچل رہے ہو۔ تم بڑے خود غرض ہو۔''

''میری جان! ناراض ہو گئیں؟ مذاق بعد میں کرنا۔ جلدی جلدی بتاؤ کہ پھر کیا ہوا؟'' میں نے انکا سے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے۔ تمہیں میرا تو کوئی خیال ہے نہیں، کتنے دن ہو گئے میں بھوکی ہوں۔ تم نے مجھے پوچھا تک نہیں۔'' انکا نے اٹھلا کر کہا۔

''میں تمہارا انتظام ابھی کرتا ہوں۔ یہ میرا سر حاضر ہے۔ اس جگہ ایک بار پہلے بھی تم نے میرا خون پیا تھا مگر مجھے تڑپاؤ نہیں۔ بتاؤ آگے کیا ہوا؟''

''آگے کیا ہوتا، بن علی گرفتار ہو گیا۔ لاشوں کے معائنے سے پتہ چلا کہ بن علی نے قتل نہیں کیا ہے لیکن اس کے بھاگنے اور اشرفی بیگم سے اس کے پرانے تعلقات نے مقدمہ پیچیدہ بنانے میں مدد دی۔ اب انہیں تمہاری تلاش ہے۔ دل نشیں نے تمہارے خلاف بہت زہر اگلا ہے۔ پولیس تمہارے نام سے خوف زدہ ہے۔ بدری نرائن بھی غائب ہو گیا ہے۔ پولیس اس کی بھی تلاش میں ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ بن علی کے دوبارہ بچنے کے امکانات زیادہ ہیں۔''

''نہ صرف بچنے کے بلکہ کاغذات اس کی بہنوں کے پاس ہیں اور بہنیں جن کی پناہ میں ہیں۔ میں نے گھر میں گھسنے کی کئی مرتبہ کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ ادھر چچا جان کے گھر پر پولیس نے مصیبت ڈالی تھی اس لئے میرا وہاں موجود رہنا ضروری تھا۔ وہ سب لوگ ہراساں ہیں لیکن خیریت سے ہیں۔''

''تم بن علی کے سر پر کیوں نہیں گئیں؟''

''اس سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ مجھے یہاں آنا تھا۔ میں کب تک اس کے سر پر رہتی۔ وہ ویسے بھی مشکوک ہے۔''

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

''لیکن وہ میرے متعلق پولیس کو حیرت انگیز باتیں بتا رہا ہوگا۔''

''مگر اب تم وہاں کیوں جاؤ گے، لکھنؤ تم سے چھوٹ گیا۔''

''اور چچا جان بھی چھوٹ گئے؟ آہ وہ کتنا یاد کرتے ہوں گے۔ کیا کیا سوچتے ہوں گے؟''

''تم انہیں کہیں بھی بلا سکتے ہو اور اب وہ آسودہ حال ہیں۔ بہر حال یہ بتاؤ کہ تم یہاں کیسی زندگی گزار رہے ہو؟''

''بس وقت کاٹ رہا ہوں۔ وقت کاٹے نہیں کٹتا ہے۔ تم بہت یاد آتی تھیں۔ تم سے باتیں کرنے کی عادت جو پڑ گئی ہے۔''

''جھوٹ بولتے ہو۔ تم تزئین اور کلدیپ کے ساتھ مزے کر رہے تھے۔ تمہیں میری کیا فکر۔'' انکا نے ایک اور ادا کے ساتھ کہا۔

انکا کے آنے سے جی بہت بہل گیا تھا۔ میں شام تک اس سے باتیں کرتا رہا اور جب کلدیپ کی کٹیا میں داخل ہوا تو انکا میرے سر سے اتر گئی۔ میں نے اسے اجازت دے دی کہ وہ رات بھر کے لئے اس علاقے سے باہر چلی جائے اور اپنی بھوک مٹا لے۔ انکا واپس چلی گئی۔ تزئین اور کلدیپ میری منتظر تھیں۔ ہم تینوں نے سادہ سا کھانا کھایا۔ تزئین میری خاطر مدارت میں لگی ہوئی تھی۔ کلدیپ کے چہرے پر وہی مسکراہٹ تھی جو اس علاقے میں آنے کے بعد عموماً اس کے چہرے پر نظر آتی تھی۔ رات کو اس نے ارادہ کیا کہ میں ہر حالت میں کلدیپ سے ملنے کی کوشش کروں گا۔ تزئین، کلدیپ کے ساتھ سوتی تھی۔

آدھی رات کے وقت جب وہ دونوں سو چکی تھیں، میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ تزئین غافل سو رہی ہے، میں نے بہت آہستہ سے کلدیپ کے پاؤں سہلائے۔ وہ جاگ رہی تھی۔ اچانک اٹھ بیٹھی، اس نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا لیکن میں کھڑا رہا اور اشاروں اشاروں میں اصرار کرتا رہا۔ کلدیپ جھجکتی رہی۔ میں نے اسے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ اس نے پھر تزئین کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے اسے اطمینان دلانا چاہا لیکن وہ انکار کرتی رہی۔ آخر مجھے اپنی جگہ جما ہوا دیکھ کر اسے اٹھنا ہی پڑا۔ مشکل یہ تھی کہ وہ مجھ سے بول ہی نہیں سکتی تھی۔ وہ بادل ناخواستہ اٹھی اور اس نے انگلی کے اشارے سے تزئین کے گرد ایک دائرہ بنایا اور میرے ساتھ باہر آ گئی۔ باہر آ کر میں اس کے پہلو سے لگ گیا اور میں نے اس کی زلفوں کا بوسہ لیا۔ ''کلدیپ!'' میں نے جذبات میں ڈوب کر کہا۔ ''میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہاری حرمت پر کوئی حرف نہیں آنے دوں گا لیکن تم مجھ سے تنہائی میں باتیں تو کر سکتی ہو۔''

''یہ باتیں مجھے اور تمہیں [illegible]

''یہ میری برداشت سے باہر ہے کہ تم اتنے قریب ہو اور میں تم سے گفتگو بھی نہ کر سکوں۔ سنو کلدیپ! میں...... اب تمہیں یہاں سے لے چلنا چاہتا ہوں۔'' میں نے ایک عزم کے ساتھ کہا۔

''تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ اب بہت دیر ہو چکی ہے۔''

''کچھ نہیں۔ کوئی دیر نہیں ہوئی۔ مجھ سے تمہاری تنہائی اور اداسی نہیں دیکھی جاتی۔''

''میں تنہا اور اداس نہیں ہوں۔'' کلدیپ نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تم اپنے آپ کو فریب دے رہی ہو۔'' میں نے اس کے سامنے ہو کر اسے بازوؤں میں سمیٹ کر کہا۔ وہ میرے اس عمل پر کسمسانے لگی۔

''تم نے وعدہ کیا تھا۔'' وہ اکھڑے اکھڑے لہجے میں بولی۔

''مجھے وعدہ یاد ہے لیکن میں تم سے ایک قربانی چاہتا ہوں۔''

''تم پر جان بھی قربان کر سکتی ہوں۔ مجھے حکم دو۔''

''تم یہ سب چھوڑ کر میری ہو جاؤ۔ تم ایک عورت ہو۔ تمہیں ایک مرد کی ضرورت ہے۔ کیا تم یہ طرز زندگی نہیں چھوڑ سکتیں؟''

''چھوڑ سکتی ہوں لیکن باہر کی دنیا میں کیا رکھا ہے؟''

''وہاں سب کچھ ہے۔ وہاں میں ہوں۔'' میں نے زور دے کر کہا۔

''وہاں تمہارے دشمن ہیں جو کبھی تمہیں چین سے نہیں رہنے دیں گے۔ تمہارے لئے میرا یہاں رہنا ضروری ہے۔ تم آج کیسی باتیں کر رہے ہو۔''

''میں نے اس ہفتے میں تمہارے متعلق بہت سوچا ہے۔ کیا وقت سے پہلے کوئی ایسی صورت پیدا نہیں ہو سکتی کہ بدری نرائن ختم ہو جائے؟''

''ہو سکتی ہے۔'' کلدیپ نے مختصر جواب دیا۔

''وہ کیا؟'' میں نے چونک کر کہا۔

''اس کے لئے کالی کے چرنوں میں ایک جیون بلیدان کرنا ہوگا۔'' کلدیپ نے میری خوشی محسوس کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''مجھے بتاؤ یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ کس کی قربانی دی جائے؟''

''کوئی بڑا اپجاری اپنا بلیدان دے کر کالی کے فیصلے بدل سکتا ہے۔ پھر بدری نرائن تمہاری خواہش کے مطابق برباد ہو جائے گا۔''

کلدیپ کا لہجہ عجیب تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''بڑا اپجاری!''

''ہاں۔'' کلدیپ نے دردناک آواز میں جواب دیا۔ ''تمہیں دیوی کو خوش کرنے کے لئے اس

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

کے چرنوں میں مجھے قربان کرنا ہوگا۔''

''کلدیپ......!'' میں نے بے اختیار ہو کر اس کا بازو تھام لیا اور جذباتی انداز میں بولا۔ ''نرگس اور مالا کے بعد اب تمہی میرا سہارا ہو۔ میں اتنا سنگدل نہیں ہوں کہ تمہیں قربان کردوں۔ یہ ناممکن ہے۔ میں انتظار کروں گا، تم نے یہ کیا کہہ دیا؟''

''میری زندگی تمہارے کام آجائے تو یہ میری خوش قسمتی ہے۔''

میں نے اسے پورے زور سے اپنے سینے میں چھپالیا۔ پھر میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی۔ دونوں دیر تک اسی طرح گم صم کھڑے رہے۔ وہ رات اس نے میری آغوش میں گزاری لیکن اس قربت میں کتنی پاکیزگی تھی۔ میں اس کی زلفیں چومتا رہا اور وہ نمناک آنکھوں سے میرا چہرہ دیکھتی رہی۔

دوسری صبح میں نے ارادہ کرلیا کہ میں کلدیپ کی ہدایت پر لندن روانہ ہو جاؤں گا۔ انکا علی الصباح واپس آگئی تھی اور سرخ و شاداب نظر آرہی تھی۔ تزئین نے بہت ضد کی کہ وہ بھی میرے ساتھ چلے گی لیکن کلدیپ نے اسے روک دیا۔ تیسرے دن میں تزئین کو روتا ہوا اور کلدیپ کو سوگوار چھوڑ کر بمبئی کے لئے روانہ ہوگیا۔ میں نے رات میں سفر کرنا مناسب سمجھا۔ انکا میرے سر پر تھی اس لئے مجھے کوئی خاص فکر نہیں تھی۔ میرے پاس کوئی سامان نہیں تھا۔ ایک عرصے بعد میں بمبئی آیا تھا۔ یہاں آکر میں نے ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل میں قیام کیا۔ انکا کی موجودگی میں روپے کی کوئی فکر نہیں تھی۔ بمبئی پہنچ کر چند گھنٹوں میں معقول رقم فراہم ہوگئی، پاسپورٹ کا حصول مشکل تھا۔ انکا نے یہ کام بھی آسان کردیا۔ اس نے ہوٹل ہی میں ایک پاسپورٹ ایجنٹ کو میرے پاس بھیج دیا۔ بمبئی میں صرف رات کے وقت ہوٹل سے نکلتا تھا۔ وہ بھی ہوٹل کی گاڑی میں، ہوٹل میں میرا نام دولت علی خان درج تھا۔ پاسپورٹ ایجنٹ نے بھاری معاوضے کے تحت ہوٹل میں بیٹھے بیٹھے میرا کام کردیا۔ مجھے زرمبادلہ کی کوئی ضرورت نہیں تھی اس لئے کہ انکا میرے ساتھ تھی اور جب انکا تھی تو دولت بھی تھی۔ کپڑے، سوٹ کیس، دیگر سامان سابق جمیل احمد خان حال دولت علی خان کے ہاں ان چیزوں کی کیا حیثیت تھی۔ مجھے خیال تھا کہ میرے بارے میں بمبئی کی پولیس یقیناً باخبر ہوگی اس لئے میں نے ہر ممکن احتیاط رکھی۔ فوٹو بھی شیروانی اور ٹوپی میں کھنچوایا۔ بمبئی سے میری بہت سی ہنگامہ خیز یادیں وابستہ تھیں اور وہاں میرے کئی شناسا موجود تھے۔ بعض پولیس افسروں کے لئے میرا چہرہ اور نام نیا نہیں تھا۔ وہاں ایک زمانے میں میرا کاروبار، گھر اور بہت کچھ موجود تھا۔ میں نے ان سڑکوں سے گریز کیا جہاں کسی کے ملنے کا امکان ہوتا۔ ہوٹل کے بیرے حسب معمول مجھ پر دیوانہ وار نثار تھے۔ ہر چیز ہوٹل ہی میں فراہم ہو جاتی تھی۔ تیسرے دن، رات کی پرواز سے میں لندن کے لئے روانہ ہوگیا۔ میں نے وہ ملک چھوڑ دیا جہاں کے لوگوں نے میرے ساتھ اور جہاں کے لوگوں کے ساتھ میں نے کچھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ طیارے میں بیٹھ کر مجھے

Downloaded from Paksociety.com

کچھ سکون ملا۔ ہندوستانی باشندوں کی تعداد بہت کم تھی۔ یہ میرا پہلا ہوائی سفر تھا۔ تھوڑی دیر بعد جہاز اندھیروں میں گم ہوگیا اور میری یادیں مجھ سے دور ہوتی گئیں۔ زمان و مکاں کی تبدیلی بھی کیا اہمیت رکھتی ہے؟ آدمی اپنے گردوپیش اور اپنے وقت کا تابع ہے۔ جب وقت گزر جاتا ہے اور ماحول بدل جاتا ہے تو یادیں بھی دور معلوم ہونے لگتی ہیں۔ ہوائی جہاز میں کئی دلچسپ واقعے پیش آئے۔ انکا خاموشی سے پائلٹ کے سر پر بیٹھ گئی۔ وہ ادھر ادھر پھدکتی رہی۔ کبھی ائرہوسٹس کے سر پر بیٹھ جاتی کبھی کسی مسافر کے سر پر۔ رات خاصی گزر گئی تھی لیکن سفر کی یہ رات طویل تھی اس لئے کہ لندن اور ہندوستان کے وقت میں ساڑھے پانچ گھنٹے کا فرق تھا۔ جہاز بڑھتا رہا اور رات طویل ہوتی گئی۔ جہاز کے تقریباً تمام مسافر اونگھ رہے تھے۔ البتہ کچھ لوگ مشروبات میں ڈوبے ہوئے تھے۔ وہاں صرف دو نوجوان حسینائیں تھیں۔ میں نے مختلف ضروریات کے بہانے سے جا جا کر انہیں اچھی طرح دیکھ لیا تھا۔ ان سے بات کرنے کو جی چاہتا تھا۔ ان کے قریب ایک نوجوان بیٹھا ہوا تھا۔ اس جہاز میں تین تین نشستیں ایک ساتھ تھیں۔ نوجوان کو اٹھانے کے لئے مجھے انکا کی مدد لینی پڑی۔ وہ اس کے سر پر گئی اور نوجوان اپنی نشست سے اٹھ کر میرے پاس آیا اور مجھ سے میری سیٹ پر بیٹھنے کی درخواست کی۔ میں نے بخوشی اجازت دے دی اور خود اٹھ کر اس کی سیٹ پر آگیا۔ تھوڑی دیر میں انکا اسے بے تحاشا شراب کے نشے میں دھت چھوڑ کر میرے پاس آگئی۔ اس عرصے میں، میں نے اپنے قریب بیٹھی ہوئی حسین لڑکی سے رابطہ پیدا کرلیا تھا۔ اس کا نام سارا تھا۔ چست اسکرٹ بلاؤز میں اس کا کسا ہوا بدن اپنی تمام جولانیوں کے ساتھ نمایاں تھا مگر وہ ایک محتاط اور مشکل لڑکی تھی۔ چنانچہ مجھے بات آگے بڑھانے میں خاصی دشواری پیش آئی۔ بعد میں انکا نے مجھے بتایا کہ وہ کسی انگریز لارڈ کی مغرور لڑکی ہے جو ہندوستان اور مشرق بعید کے کئی ملکوں کی سیاحت کے بعد اپنے وطن واپس جارہی ہے۔ اسے متاثر کرنے کے لئے میں نے انکا سے پوچھ کر اس کے باپ کا نام لیا تو وہ حیرت میں پڑگئی۔ میں نے کہا۔ ''میں ایک بہت اچھا دست شناس ہوں اور پُراسرار علوم کا ماہر ہوں۔ دل کی بات بتادیتا ہوں۔ لندن میں سنا ہے بہت مانے ہوئے پروفیسر ہیں، ان سے ملاقات کرنے اور کچھ سیکھنے جارہا ہوں۔'' پُراسرار علوم کا تذکرہ ہی ایسا ہے کہ محتاط سے محتاط آدمی بھی جلد اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اس نے فوراً اپنا ہاتھ میرے سامنے کردیا اور میں نے نشست کے اوپر لگا ہوا بٹن دبا کر روشنی میں پوری توجہ سے اس کا ہاتھ دیکھنا شروع کردیا۔ اس کا نرم، ملائم اور سرخ و سپید ہاتھ میرے ہاتھ میں آیا تو خون کی گردش تیز ہوگئی۔ میں پورے انہماک سے اسے دیکھنے لگا۔ اس عرصے میں انکا اپنا کام کرتی رہی اور مجھے اس لڑکی کے ماضی، اس کی دلچسپیوں، اس کے پروگراموں اور اس کے دوستوں کے متعلق بتاتی رہی۔ میں نے ایک سرد آہ بھری۔ ''آہ خاتون۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کو سفر اچھا [illegible]
[illegible] ل ہوگیا ہے۔''

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

"ہاں، یہ صحیح ہے۔" وہ حیرت سے بولی۔ "آپ تو بہت ماہر معلوم ہوتے ہیں۔"

میں نے اس کی بات پر کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا بلکہ سنجیدگی اختیار کرلی۔ اس کا اشتیاق دو چند ہوگیا۔ "اور بتایئے۔" اس نے بے چینی سے کہا۔

میرے لئے بتانا کیا مشکل تھا۔ میرے پاس ایک فتنہ موجود تھا جس کی حیثیت جام جہاں نما کی سی تھی۔ میں نے بالکل صحیح صحیح، تمام معلومات اسے فراہم کردیں۔ وہ ہکا بکا، حیران و ششدر میرا منہ دیکھنے لگی۔ "آپ عظیم ہیں۔ میں نے ہندوستانی نجومیوں سے بھی اتنی مکمل معلومات حاصل نہیں کیں۔ آپ نے میرے بارے میں جو باتیں بتائی ہیں وہ سو فیصد درست ہیں۔" اس کے لہجے میں حیرت اور عقیدت تھی۔

میں نے خفیف سی مسکراہٹ پر اکتفا کیا اور اٹھنے کی اجازت چاہی۔ اس نے مجھے روک لیا اور پوچھنے لگی۔ "لندن میں آپ کا قیام کہاں ہوگا؟"

"میرا قیام؟" میں نے کہا۔ "مجھے معلوم نہیں، کوئی معقول ہوٹل تلاش کروں گا۔"

"آپ ہمارے گھر ٹھہریئے۔ ہم لندن سے چودہ پندرہ میل دور رہتے ہیں۔ وہ نیم شہری، نیم دیہاتی علاقہ ہے۔" اس نے دعوت دی۔

"مجھے افسوس ہے۔ میں ہوٹل میں ٹھہرنا زیادہ پسند کرتا ہوں، مجھے مطالعے، یوگا اور دوسری مشقوں کے لئے تنہائی کی ضرورت پڑتی ہے۔ آپ کی میزبانی مجھے پابند کرکے رکھ دے گی۔ آپ کی عنایت کا بہت بہت شکریہ۔" میں نے بے نیازی سے کہا۔

"کیا میں آپ کے پاس آسکتی ہوں؟ اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو۔"

"شوق سے..... لندن میں مجھے کسی ساتھی کی ضرورت پڑے گی۔ آپ کرم فرمائیں گی تو وہ اجنبی شہر میں اچھی طرح دیکھ سکوں گا۔"

"میری خوش قسمتی ہوگی۔" اس نے مسرت سے کہا۔ "یہ میرا فون نمبر ہے، آپ ہوٹل میں قیام کرنے کے بعد مجھے فون کرلیجئے گا۔"

گویا سفر کا آغاز ہی دلچسپ ہوا تھا۔ میں اپنی نشست پر آگیا اور دوسروں مسافروں کی طرح اونگھنے لگا۔ پھر مجھے نیند آگئی اور میں صبح سوا نو بجے لندن ائرپورٹ پر اترا۔ لندن، یورپ کا بادشاہ شہر۔ انسانوں کا جنگل۔ وہاں کہر چھائی ہوئی تھی۔ یہ دنیا ہی عجیب تھی۔ ہوائی اڈے پر اترتے ہی اندازہ ہوتا تھا کہ میں کسی دوسری دنیا میں آگیا ہوں۔ چہل پہل، بھاگتے ہوئے لوگ۔ بھاگتی ہوئی گاڑیاں۔ ریل پیل۔ انکا بھی دلچسپ نظروں سے لندن کا اولین تماشا دیکھ رہی تھی۔ "یہ انگلستان ہے انکا! انگریزوں کا، ہمارے آقاؤں کا ملک۔"

"میرے آقا تو تم ہو۔" انکا بولی۔

"کیا کچھ اچھا لگ رہا ہے؟ یہ سرخ سرخ چہرے دیکھ کر تو تمہارے منہ میں پانی آگیا ہوگا۔" میں نے اسے چھیڑا۔

"اور تم ان سرخ و شاداب لڑکیوں کو کیسی ہوس ناک نظروں سے دیکھ رہے ہو۔ یہاں تمہاری دل لگی کا بھی پورا سامان موجود ہے۔"

ہم نے ائرپورٹ سے ایک ٹیکسی پکڑی اور لندن کے ایک شاندار ہوٹل میں قیام کیا۔ اس ہوٹل کا کرایہ بہت زیادہ تھا اور میرے پاس گنتی کے چند پاؤنڈ تھے جو میں نے پیشگی کے طور پر جمع کرادئے۔ یہ ہوٹل قدیم طرز کی ایک پرشکوہ عمارت میں قائم تھا۔ رقص گاہ، نائٹ کلب اور سوئمنگ پول، اس میں جدید ہوٹل کے تمام لوازمات تھے۔ غسل کرنے کے بعد میں نے انکا کو اپنے سر سے جدا کردیا تاکہ وہ میرے لئے رقم کی فراہمی کا بندوبست کرے۔ انکا کے اشارے پر مجھے نیچے جانے کی زحمت کرنا پڑی۔ میری سرگزشت پڑھنے والے حضرات یقیناً بڑی آسانی سے اندازہ لگالیں کے کہ مجھے کیا کرنا پڑا ہوگا اور انکا کہاں گئی ہوگی۔ بہر حال مجھے معلوم تھا کہ انکا کے اترنے کے بعد خزانچی میرے پاس رقم کی طلبی کے لئے نہیں آئے۔ لندن میں مہمانوں کے ساتھ ایسا سلوک کم از کم نہیں کیا جانا چاہئے۔ لندن جیسے شہر میں اس رقم سے بہت کچھ بنا سکتا تھا۔ یہ ابتدائی سرمایہ تھا۔ اس دن تو میں شام تک بستر پر آرام کرتا رہا اور شام کو میں نے سارا کے پتے پر فون کیا اور اسے اپنے ہوٹل کا نام اور کمرے کا نمبر بتایا۔ اس نے اپنی ماں کے سوگ کی وجہ سے اس دن نہ آنے کی معذرت طلب کرلی لیکن دوسرے دن صبح آنے کا وعدہ کیا۔ لندن کے بڑے بڑے اخبارات میرے کمرے میں موجود تھے اور میں دن بھر اس شہر اور اس ملک کی روزمرہ زندگی اپنے ذہن میں منتقل کرتا رہا۔ شام کو میں ہوٹل سے نکل پڑا اور یوں ہی بے مقصد گھومتا گھامتا ایک جوئے خانے میں داخل ہوگیا۔ انکا کی موجودگی میں روپے بڑھانے کا یہ سب سے بہترین ذریعہ تھا۔ وہاں رات جاگ رہی تھی۔ خوب صورت لڑکیاں ساقی گری کے فرائض انجام دے رہی تھیں۔ سب سے پہلے میں نے جوئے کے اس نئے طریقے کا معائنہ کیا۔ وہاں صرف میں کالا تھا۔ ان لوگوں نے کھلے دل سے مجھے پیش کش کی۔ ان کا انداز بڑا مہذب تھا۔ میں نے جھجکتے جھجکتے بازی لگائی۔ مجھے دانستہ ہارنا تھا۔ میں خندہ پیشانی سے ہار گیا۔ دوسری بار بھی ایسا ہی ہوا، تیسری بار بھی لیکن چوتھی بار بازی پلٹ گئی۔ میں نے جیتنا شروع کیا۔ اٹھتے اٹھتے میری جیب میں آٹھ سو پاؤنڈ موجود تھے۔ میں زیادہ جیتنا بھی نہیں چاہتا تھا اور نہ میرے لئے مسائل کھڑے ہو جاتے۔ انکا نے مجھے روک دیا۔ رقم جیبوں میں ٹھونس کر میں اس ہنگامے اور شور کی جگہ سے واپس چلا آیا۔ باہر شدید سردی تھی اور دور دور تک ٹیکسی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ میں گلیوں سے ناواقف تھا لیکن انکا کی مدد سے ہوٹل کے راستے کی طرف جا رہا تھا کہ مجھے

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

یوں محسوس ہوا جیسے کوئی میرا تعاقب کر رہا ہے۔ وہ ایک چھوٹی سی سیاہ رنگ کی کار تھی۔ میرے قریب آ کر وہ رک گئی۔ میں سمجھا شاید وہ مجھے لفٹ دے رہے ہیں۔ انگریزوں کے اخلاق کی بڑی تعریف سنی تھی۔ کار میں سے دو نوجوان مہذب انداز میں باہر نکلے، انہوں نے سلام شب کہا اور جب قریب آئے تو ان میں سے ایک کے ہاتھ میں پستول تھا۔ دوسرے نے تیزی سے میرا واحد ہاتھ پکڑ لیا۔ انہوں نے بڑی آہستگی سے رقم کا مطالبہ کیا، میں نے بہت اخلاق سے منع کر دیا۔ اس شارع عام پر...... کسی قتل کا امکان نہیں تھا۔ میرے انکار پر انہوں نے مجھے کار میں زبردستی بٹھانے کی دھمکی دی۔ ناچار میں نے انکا کی طرف دیکھا جو بڑے غور سے یہ تماشا دیکھ رہی تھی۔ وہ کسمسا کر اٹھی اور اس نے مجھے ان کے ساتھ چلنے کا اشارہ کر دیا۔ میں ان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گیا۔ ظاہر ہے انکا میرے ساتھ نہیں تھی۔ دوسرا نوجوان میرے قریب بیٹھا ہوا تھا اور میرا ہاتھ تھامے ہوئے تھا۔ میں نے اس سے عام انداز میں گفتگو شروع کر دی۔ لندن کے بارے میں، انگریزوں کے اخلاق کے بارے میں، وہ مجھ سے شٹ اپ، شٹ اپ کہتا رہا۔ جب اس نے گاڑی اپنے اندازے کے خلاف دوسرے راستے پر چلتے دیکھی تو غضب ناک آواز میں اپنے ساتھی کو پکارا لیکن اس کے ساتھی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یوں مجھے بھی کوئنس کی ضرورت تھی۔ میرے ہوٹل کے سامنے گاڑی رک گئی۔ اسٹیئرنگ پر بیٹھے ہوئے نوجوان نے آگے بڑھ کر ادب سے دروازہ کھولا، مجھے باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔ اس واقعے پر وہ نوجوان مشتعل ہو گیا جو میرے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ یہ بات اس کی سمجھ سے بالاتر تھی کہ اس کا ساتھی ویران راستوں کے بجائے اس بارونق سڑک پر کیوں آیا ہے۔ اس نے سخت برہمی کا اظہار کیا۔ میں اکیلا اس کے لئے کافی تھا۔ میں نے اپنا ہاتھ چھڑا کر اس کی گردن کے گرد زور سے لپٹا۔ اس کی چیخ نکل گئی۔ اب بھی میرے اعصاب میں بڑی طاقت تھی۔ اس چھوکرے کو راستے سے ہٹا کر میں باہر آ گیا۔ میرے باہر نکلتے ہی دوسرے نوجوان نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ انکا انہیں دور تک چھوڑنے گئی اور جب میں کمرے میں واپس آ گیا تو انکا بھی لمحوں میں اپنی قیام گاہ پر پہنچ گئی۔ لندن میں پہلے دن شاہانہ انداز سے میری پذیرائی ہوئی۔

دوسرے دن صبح توقع کے مطابق سارا ہوٹل پہنچ گئی۔ وہ نفیس قسم کا لباس پہنے ہوئے تھی۔ انداز میں انگریزوں کی روایتی سنجیدگی اور تمکنت تھی لیکن میرے لئے وہ ایک حسین لڑکی تھی۔ اس کا قد دراز، رخسار چمکتے ہوئے، ہونٹ گلابی، رنگ شہابی تھا۔ انکا بھی اسے خاص نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ پہلی ملاقات کا بھرم قائم تھا۔ سارا بہت وارفتہ و شیدا نظر آتی تھی۔ اس کے ساتھ میں ہوٹل سے باہر نکلا۔ اس کی طویل سیاہ گاڑی مجھے لندن کی سیر کراتی رہی۔ دوپہر کو ہم نے ایک چینی ریستوران میں کھانا کھایا۔ شام کو میں اس کی عظیم الشان کوٹھی میں تھا۔ اس کا باپ لارڈ رالف اسمتھ ایک بہت بردبار، تعلیم یافتہ اور ہوش مند شخص تھا۔ اس نے میری ذات میں گہری دلچسپی لی۔ علوم نجوم کے بارے میں آجاتا جاتا بالکل نہیں تھا

Downloaded from Paksociety.com

لیکن میں نے عام طرز کی گفتگو کے بجائے بالکل تجریدی انداز میں لکیروں کے اسرار کے بارے میں اول فول بتانا شروع کیا۔ میں نے کیرو کی پامسٹری بالکل رد کر دی اور قدیم سنسکرتی پامسٹری کو ترجیح دی اور نہ جانے کتنے پنڈتوں کا نام لے لیا۔ لارڈ نے اپنا ہاتھ دکھانے کی خواہش ظاہر کی۔

میں نے تخلیے کی اجازت چاہی، سارا وہاں سے چلی گئی۔ پھر میں نے شروع تا آخر لارڈ کے ماضی کے واقعات بتانے شروع کر دیئے۔ اس کی آنکھیں پھٹنے لگیں اور وہ سنجیدہ و متین شخص ایک گھنٹے کے اندر اندر میرے سامنے بچہ بن گیا۔ تھوڑی دیر میں سارا کو آواز دی گئی۔ لارڈ نے میری تعریف میں غیر معمولی فصاحت سے کام لیا۔ اس نے اصرار کیا کہ میں اس کے ساتھ اس کے محل میں قیام کروں لیکن میں نے انکار کر دیا۔

مؤدب ملازموں کی فوج نے رات کا کھانا لگایا۔ تمام وقت لارڈ بولتا رہا۔ رات کو مجھے سارا ہوٹل چھوڑنے آئی۔ میں نے کمرے تک پہنچتے پہنچتے اس کا نرم و نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ میں اسے رات بھر روکنا چاہتا تھا۔ صرف ایک پیگ حلق میں انڈیلنے کے بعد اس نے اجازت چاہی، چلتے وقت اس نے کل آنے کا وعدہ کیا۔ اس کی نظروں میں احترام تھا۔ حسین لڑکی کی آنکھوں میں احترام ہو، شوق نہ ہو تو بڑی عذاب ناک بات ہے، احترام شوق کا قاطع ہے۔ میں نے طے کر لیا کہ دوسرے دن میں یہ کیفیت بدلوں گا۔ لندن کی دوسری رات تنہا گزر رہی تھی۔

لارڈ رالف اسمتھ کے ساتھ اتنی دماغ ریزی بے مقصد نہیں تھی۔ اس اجنبی شہر میں مجھے بااثر لوگوں کا حلقہ پیدا کر کے اپنے علاج کا بندوبست کرنا تھا اور وقت پوری تفریح کے ساتھ گزارنا تھا۔ سارا دوسرے دن بھی مجھے لندن گھماتی رہی۔ اس نے مجھے کئی ڈاکٹروں کو دکھایا۔ پھر رالف اسمتھ کے مشورے پر یہ طے ہوا کہ اس کا خاندانی سرجن براؤن میرے ہاتھ کا معائنہ کرے گا۔ ایک عرصہ گزر گیا لہٰذا یہ بات ناممکن تھی کہ میرا ہاتھ بدل دیا جاتا، اب صرف یہی صورت تھی کہ میرا ٹوٹا ہوا ہاتھ اس طرح بنایا جائے کہ نقل پر اصل کا گمان ہو اور یہ بدہیئتی دور ہو جو مجھے بعض موقعوں پر شدید احساس کمتری میں مبتلا کرتی تھی۔ میں اس ہاتھ کو اٹھا سکتا تھا لیکن اس کی انگلیوں میں کوئی چیز پکڑنے کی قوت موجود نہ ہوتی۔ یہ اہم کام کرانے سے پہلے میں اس خاندان کو اور اعتماد میں لینا چاہتا تھا۔

میں نے سارا سے غیر رسمی باتیں شروع کر دیں اور اس کے ساتھ سینما، کلب، تھیٹر وغیرہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ سارا بہت مضبوط ارادے کی لڑکی تھی۔ انکا کے ذریعے میں اس کا خوب صورت بدن کسی وقت بھی اپنے ارادے کے تابع کر سکتا تھا لیکن دھیمے تعلقات اور بتدریج بڑھتے ہوئے مراسم میں جو لطف آ رہا تھا، وہ ختم ہو جاتا۔ ہاں مجھے انکا کے ذریعے سارا کے سامنے کچھ حیرت انگیز کرشمے، چٹکلے دکھانے پڑے۔ کلدیپ بھی پونا کلب میں اسی طرح مجھ سے متاثر ہوئی تھی۔ ایک تھیٹر میں جب ہم

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

دونوں ساتھ بیٹھے ہوئے تھے تو سارا نے ایک اداکارہ کی بڑی تعریف کی۔ میں نے کہا۔ "لو تمہیں ایک کرشمہ دکھاتے ہیں۔ یہ اداکارہ اسٹیج سے اداکاری کرتے ہوئے تمہارے پاس آ جائے گی۔"

"یہ کس طرح ہو سکتا ہے، یہ ناممکن ہے۔"

"اور اگر یہ ممکن ہوا تو؟"

"شرط رکھ لیجئے......"

"جو میں مانگوں گا، تم دو گی؟ یقیناً میں کوئی ایسی چیز مانگوں گا جو تمہارے لئے مشکل کا سبب نہ ہو۔" میں نے جرأت سے کہا۔

"اگر یہ بات ہے تو مجھے منظور ہے۔" اس نے کہا۔

"تو پھر کان ادھر لے آئیے۔" میں نے اس کے کان میں ایک ایسی خواہش کا اظہار کر دیا جس سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ میری خواہش بہت معمولی تھی لیکن یہ اسے قریب لانے اور بے تکلف کرنے کی ابتدا کا درجہ رکھتی تھی۔ اس نے شرما کر اپنے لبوں کی حلاوت منتقل کرنے کی اجازت دے دی اور اس وقت بری طرح خوف زدہ ہو گئی جب سارے تماش بینوں کے سامنے وہ اداکارہ، اداکاری کرتے ہوئے اسٹیج سے اتر کر سارا کے پاس آ گئی اور اس نے اس سے مصافحہ کیا، خیریت پوچھی، سارا کی زبان میں لکنت آ گئی تھی۔ یہ ایک بہت عجیب واقعہ تھا۔ سب لوگ دم بخود تھے۔ سارا میری صورت دیکھ رہی تھی اور میں بے نیازی سے اپنی نشست پر مسکرا رہا تھا۔ "کیا میں خواب دیکھ رہی ہوں؟" اس نے اٹک اٹک کر کہا۔

"نہیں۔ تم میرے ساتھ بیٹھی ہو اور میں خود پر ناز کر رہا ہوں کہ میرے پہلو میں ایک نازک بدن دوشیزہ فرنگ موجود ہے۔" میں نے شوخی سے کہا۔

"تم کوئی جادوگر ہو۔ بخدا یہ سب کچھ حیرت انگیز ہے۔"

"یہ تو کچھ بھی نہیں، کچھ اور شرط رکھو گی؟ کیا خیال ہے؟"

"تم سے ڈر لگتا ہے۔" اس نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر مشرقی انداز میں مجھ سے کہا۔

"نہیں۔ یہ تو مذاق تھا۔ ایک چھوٹا سا شعبدہ۔ میں ایک معمولی آدمی ہوں۔ تم کوئی خواہش کرو۔ مجھے اس کی تعمیل میں خوشی ہو گی۔"

اس رات کا ذکر کر دیا جائے جب شرط کے مطابق اسے میرے قریب آنا تھا۔ وہ اپنی شرط پوری کرنے کے لئے تیار تھی۔ رخصت ہوتے وقت میں نے اسے معاف کر دیا اس نے میری فراخ دلی کا اچھا اثر لیا ہو گا۔ چنانچہ پھر یہ ہوا کہ میں اور سارا لندن میں ایک ساتھ دیکھے جانے لگے۔ وہ مجھ سے ہاتھ کے علاج کے لئے اصرار کرتی رہی اور میں اسے ٹالتا رہا کہ چلتے وقت درست کرا لوں گا۔ میں بظاہر ہوٹل

Downloaded from Paksociety.com

میں مقیم تھا لیکن میں اصل میں لارڈ رالف اسمتھ کا مہمان تھا۔ اس کی چراگاہوں میں میری کار دوڑتی رہتی۔ میں اس کے ساتھ شکار کھیلتا تھا۔ انکا مجھے سرخرو کرتی رہی اور میں سارا کے قریب آتا رہا۔ لندن کے نائٹ کلب جہاں عورتیں لباس کی ضرورت محسوس نہیں کرتیں، ان دھیمی روشنیوں میں ان کے بدن ہمیشہ مضطرب رہتے ہیں، کارخانے، موسیقی کی محفلیں، عورت وہاں عام تھی۔ ہر ایک کا تیور منفرد تھا۔ یہ لوگ شاید بہت تھک گئے تھے اور جدت کی تلاش میں نہ جانے کہاں سے کہاں چلے گئے تھے۔ سارے انگلستان میں دنیا کی دولت جمع ہو کر آتی تھی اور اس کی نوآبادیوں کے کم تر درجے کے لوگ انگریزوں کے اعلیٰ درجے کے ہوٹلوں میں ٹھہرتے ہوئے گھبراتے تھے۔ صرف میں یا چند اور لوگ ایسے تھے جو انگریزوں کے لئے مسئلہ بن گئے تھے۔ لارڈ رالف اسمتھ جیسے متکبر، سخت مزاج شخص کو میری رفاقت مطلوب تھی، سارا جیسی لڑکی میرے ساتھ تھی۔ لندن میں قدیم طرز کی میلی کچیلی عمارتیں، کہر دھند، چند یادگار چیزیں، برٹش میوزیم، ہائیڈ پارک، 10 ڈاؤ ننگ اسٹریٹ، برطانیہ کا شاہی محل اور نائٹ کلب۔ ان کے علاوہ کیا تھا مگر میری طبیعت یہاں بہت لگی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے گزشتہ چند برسوں میں نہایت دردناک زندگی گزاری تھی۔ یہاں نہ بدری نرائن کا اشتعال تھا اور نہ پرانے سلسلے۔ میں ایک نیا آدمی تھا، ایک آزاد آدمی۔ جہاں چاہتا، گھومتا۔ دولت جب چاہتا حاصل کر لیتا، لٹا دیتا۔ میں نے سب کچھ بھلا دینا چاہا۔ انکا بھی مگن تھی۔ وہ میرے سر پر بیٹھی نئی نئی چیزیں، نئے نئے چہرے دیکھتی رہتی اور تنقید کرتی رہتی۔ لارڈ رالف اسمتھ کے قریبی دوست اور عزیز مجھ سے واقف ہو گئے تھے۔ میں نے انہیں انگشت بدنداں کر دیا تھا' لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ ہندوستان جیسے غلام ملک کے ایک آدمی کے ساتھ، اس اخلاق اور مروت سے پیش نہیں آتے جو میزبانوں کا مہمانوں کے ساتھ ہونا چاہئے، میرے کمالات پر ان کا داد دینے کا لہجہ مدبرانہ، مفکرانہ، سرپرستانہ اور تحکمانہ ہوتا تھا۔ ان کے قہقہوں میں اقتدار اور برتری کا غرور تھا۔ مجھے یہ بات بہت بری لگتی تھی حالانکہ میں نے مختلف موقعوں اور بحثوں کے درمیان انہیں قائل کر دیا تھا لیکن جب وہ اٹھتے تو ایک شان سے۔ یہ دبدبہ اور طنطنہ میں نے نوابین اودھ میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ لارڈ رالف اسمتھ کے سوا تمام لارڈ مجھ سے ایک طرح کی دوری برقرار رکھتے تھے اور انہیں سارا کا میرے ساتھ گھومنا پھرنا پسند نہیں تھا۔ یہ بات سارا نے مجھے بتائی اور میں نے خود بھی محسوس کی۔ ان میں لارڈ جارج فیدر کا فرزند رابرٹ فیدر سب سے نمایاں تھا۔ انکا نے مجھے بتایا کہ وہ اکثر سارا کے ساتھ گھوما پھرا کرتا تھا اور سارا کا محبوب اول تھا۔ لندن میں سارا کی عمر تک پہنچتے پہنچتے لڑکیاں کئی محبوب بدل لیتی ہیں، میرے آنے کے بعد نوجوان رابرٹ کی شامیں تنہا گزرنے لگیں۔ جب پہلی مرتبہ رالف اسمتھ کے ہاں اس سے میرا تعارف ہوا تو اس نے مجھے طنز اور استہزا کا نشانہ بنایا۔ میں خوب صورتی سے نبھا گیا اس لئے کہ میں لندن میں کوئی جھگڑا مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ میں یکسوئی، تفریح

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

اورعلاج کے لئے آیا تھا۔ایک شام رابرٹ نے مجھے اور سارا کو مدعو کیا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ وجیہہ انگریز نوجوان کسی طرح سارا کے سامنے میری توہین کرنا چاہتا ہے مگر مجبوراً مجھے یہ دعوت قبول کرنی پڑی۔رات کا کھانا ہم نے ایک عالی شان ہوٹل میں کھایا جہاں صرف ممبر جاسکتے تھے۔وہاں رقص کا پروگرام تھا۔میں اپنے ٹوٹے ہوئے ہاتھ سے رقص کرنے میں مشکل محسوس کرتا تھا۔سارا، رابرٹ کے ساتھ چلی گئی اور میں تنہا انکا سے الجھنے لگا۔

جب موسیقی کا شور ختم ہوا وہ دونوں مسکراتے ہوئے میز پر آگئے۔رابرٹ نے کچھ دل آزار باتیں شروع کردیں، اس نے ہندوستان کے لوگوں کی حماقتوں کے لطیفے سنائے اور انہیں گندے، جاہل اور بونے کہا۔وہ نجوم اور دیگر پُراسرار علوم کا مذاق اڑانے لگا اور کہنے لگا کہ قیافے، تکنیک، فن اور مہارت سے بڑے بڑے شعبدے ممکن ہوسکتے ہیں، سارا اس شام کی بے رونقی محسوس کررہی تھی، میں نے رابرٹ کی تمام باتیں نہایت اطمینان سے سنیں اور سرہلاتا رہا۔وہاں سے مجھے ترکی کے ایک شعبدہ باز، جادوگر کے مظاہرے میں لے گیا۔سارا ہم دونوں کے درمیان بیٹھی تھی، سارا نے تھیٹر والا واقعہ رابرٹ سے دہرایا۔رابرٹ اس پر قہقہے لگانے لگا اور اس نے سارا کی سادہ دلی پر محمول کیا اور مجھ سے کہا۔''مسٹر دولت علی! اس جادوگر کے کمالات کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟''

میں نے کہا۔''خوب ہے۔مجھے لطف آرہا ہے۔''

''کیا آپ ایسا کوئی مظاہرہ دکھا سکتے ہیں؟'' اس نے اچانک کہا۔

''میں نے ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔'' میں نے کہا۔''لیکن یہ سب کیا ہے؟''

''یہ مہارت ہے......سارا یہ فن ہے۔اس میں اسرار نہیں ہے۔''

''ممکن ہے۔'' میں نے کسی طرح بحث سے پہلو تہی کی۔''لیکن آپ پُراسرار واقعات سے انکار نہیں کرسکتے۔''

اس عرصے میں جادوگر نے ہال میں کسی ایک شخص کو آواز دی کہ وہ اسٹیج پر آئے اور معمول بنے۔ اس لمحے رابرٹ بولا۔''مسٹر دولت علی۔آپ چلے جایئے۔میرے خیال میں یہ دلچسپ رہے گا۔''

انکا نے مجھے ٹھوکا دیا۔''یہ بڑھ رہا ہے۔اسے قابو میں کرو۔''

میں نے ہاتھ اٹھادیا۔ہم اگلی صف میں تھے۔میں اٹھ کر اسٹیج پر پہنچ گیا۔ترکی کے جادوگر نے ایک نظر غور سے مجھے دیکھا اور مسکرا کر مجھے خوش آمدید کہا۔

''آپ کا نام؟'' اس نے پوچھا۔

''دولت علی خان!'' میں نے جواب دیا۔

''آپ کمزور اعصاب کے آدمی تو نہیں ہیں؟ [illegible]''

''میں اپنے اعصاب پر قابو پانے کی کوشش کروں گا۔'' میں نے مؤدب جواب دیا۔

''خوب......!'' اس نے کہا اور میری آنکھوں میں جھانکنا شروع کردیا۔وہ ایک عامل تھا اور تنویمی عمل کا ماہر تھا، مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس کی صلاحیتیں عام جادوگروں سے کہیں زیادہ ہیں۔اس نے پانچ منٹ کا وعدہ کیا تھا۔وہ میری آنکھوں میں آنکھیں گاڑے پانچ منٹ تک کوشش کرتا رہا، میں بہت سادگی اور بے پروائی سے کھڑا رہا۔وہ مجھے معمول نہیں بنا سکا۔ہال میں سرگوشیاں ابھرنے لگیں۔انکا مجھے قابو میں کئے ہوئے تھی۔اس نے حاضرین سے معذرت چاہی اور پانچ منٹ اور مانگے۔حاضرین کے لئے یہ وقت تکلیف دہ تھا۔وہ جھنجلا رہا تھا اور اس کے ماتھے پر شکنیں نمودار ہوگئی تھیں۔نتیجتاً اس نے ایک اور وار کیا۔اس نے جادو کی مدد سے کوئی ایسا عمل کیا ہے جس سے میں پاگل پنے کی حرکتیں کرنے لگتا۔وہ اس میں بھی ناکام ہوگا ہوگیا۔پھر وہ میرے قریب آیا اور اس نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔''یہ میری زندگی کا پہلا واقعہ ہے۔میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری عزت رکھ لیجئے۔آپ مجھ پر رحم کیجئے۔میں آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔''

میں عام حالات میں اس کی درخواست منظور کرلیتا لیکن یہاں معاملہ ہی دوسرا تھا۔میں نے اس کا ہاتھ تھاما اور بہ بلند آواز میں کہا۔

''حاضرین! میرے معمول نہ بننے میں ترکی جادوگر کا کوئی قصور نہیں ہے۔دراصل میں خود تنویمی عمل کا ماہر ہوں اس لئے اس کا معمول نہیں بن سکتا۔مجھے افسوس ہے کہ آپ کا خاصا قیمتی وقت ضائع ہوا۔'' یہ کہہ کر میں چلنے لگا۔

ترکی جادوگر نے مجھے لپک لیا۔''میں اپنے معزز مہمان دولت علی خان سے درخواست کروں گا کہ وہ تنویمی عمل کا کوئی مظاہرہ کریں۔''

ہال میں تالیاں بجنے لگیں۔میں نے بہت ردوقدح کے بعد آخر ہامی بھرلی اور ایک شخص کو اسٹیج پر طلب کیا۔وہ رابرٹ کی طرح کا ایک نوجوان تھا۔ترکی جادوگر ایک کونے میں کھڑا ہوگیا۔میں نے پوچھا۔''کتنے منٹ میں؟''

آوازیں آئیں۔''پانچ منٹ میں۔''

میں نے کہا۔''یہ زیادہ ہے۔''

کوئی دو منٹ کی خاموشی کے بعد میں نے انکا کو اشارہ کیا اور وہ نوجوان دوسرے ہی لمحے بے بس ہوچکا تھا اور میری ہدایات پر کسی مشین کی طرح عمل کررہا تھا۔وہ پوری طرح میرے احکام کا تابع تھا۔میں کبھی اسے رقص کرنے کا حکم دیتا، کبھی کسی شخص کا ہیٹ اور چشمے لانے کا اور کبھی کچھ کبھی کچھ۔یہ دلچسپ مظاہرہ چند منٹ میں ختم ہوگیا اور ترکی جادوگر کی تالیاں ہال کی پُرشور تالیوں میں ڈوب گئیں۔

Downloaded from Paksociety.com
Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

اپنی نشست پر آنے کے بعد میرے لئے بڑی مشکل ہوگئی۔ ہجوم نے مجھے گھیر لیا۔ بڑی مشکل سے راستہ بناتے بناتے میں وہاں سے آیا۔ شو اسی وقت ختم ہوگیا تھا اور ہال میں افراتفری مچی ہوئی تھی۔ سارا بہت جوشیلی نظروں سے میرا چہرہ تک رہی تھی۔ اس دن کے بعد سے بے چارہ ترکی جادوگر لندن میں کوئی شو نہ کرسکا۔ اس کی ساکھ اور آمدنی یکلخت ختم ہوکر رہ گئی تھی۔ اس نے کئی بار مجھ سے ملنے کی کوشش کی لیکن میں نے اس سے ملنا مناسب نہیں سمجھا۔ میں ہمیشہ بڑی خوب صورتی سے اسے ٹال دیتا تھا۔

مختصر یہ کہ صرف یہی ایک واقعہ نہیں، اس قسم کے کئی چھوٹے موٹے دلچسپ واقعات تسلسل سے پیش آئے۔ یہ ایک دلچسپ زندگی تھی جس کا تصور میں نے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ یہاں نہ کوئی بدری نرائن تھا نہ پولیس، میں تنہا اپنی انکا کو ساتھ لئے انہیں حیرت زدہ کررہا تھا۔ وہ مجھے کوئی جن یا بھوت سمجھ رہے تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ ابھی میری انکا نے ان کے سامنے صرف دوچار ہاتھ دکھائے ہیں۔ ابھی کیا ہے، سارا کے سامنے میں عمداً یہ کوشش کرتا کہ انکا کوئی ہنگامہ برپا نہ کرے اور میں ایک عام آدمی کی طرح اس سے ملتا رہوں ورنہ وہ مجھ سے خوف زدہ ہوجاتی اور سارا لطف کرکرا ہوجاتا لیکن یہ واقعات خودبخود رونما ہوجاتے۔ کچھ سارا کی رفاقت کو طول دینے کے لئے، کچھ اسے محظوظ کرنے کے لئے بعض چیلنج قبول کرنے ہی پڑتے تھے۔ میں اپنے پُراسرار واقعات کی توجیہہ کرتے ہوئے عجب مضحکہ خیز دلیلیں دیا کرتا تھا۔ سارا میرے کمالات کا ایک مظاہرہ دیکھنا چاہتی تھی۔ میں نے اسے سختی سے منع کردیا کہ مجھے شہرت ناپسند ہے۔ میں یہ حصہ حذف کررہا ہوں حالانکہ یہ ایک منفرد سفرنامہ ہے۔ ان پے درپے واقعات سے اور میری حد سے زیادہ چاہت کے بعد سارا مجھ میں شامل ہوتی گئی اور میں اس میں کھوتا گیا۔ یہ سفر بہت خوش گوار گزر رہا تھا۔ میں لندن میں ایک شاہانہ زندگی بسر کررہا تھا، ایک حسین لڑکی میرے دام الفت میں گرفتار۔ روز بروز میں اس خاندان سے قریب ہورہا تھا۔ اس ذی حشم اور نامور خاندان میں ایک غلام ملک کا شخص، ٹوٹے ہوئے ہاتھ کا ایک ایسا شخص داخل ہورہا تھا جو بیش سے بیش قیمت نوادر آن کی آن میں سارا کو پیش کردیتا تھا لیکن خوشیاں جمیل احمد خان کو راس نہیں آتیں۔ میری تمام تر احتیاط اور انکا کی کم سے کم فعالی کے باوجود حادثے میرے منتظر تھے۔

میں اس رات لارڈ رالف اسمتھ کے ہال میں مہمان تھا۔ وہ مجھ سے حسب معمول بہت شگفتہ گفتگو کررہا تھا اور تنہائی میں اپنے ماضی کے عشقیہ واقعات سنارہا تھا۔ لارڈ کو شیمپین سے شغف تھا۔ جب میں اس سے باتیں کررہا ہوتا تو سارا اس طول بیانی سے اکتا کر وہاں سے چلی جاتی اور جاتے جاتے مجھے بھی وہاں سے کھسک آنے کا اشارہ کردیتی۔ اس رات بھی یہی ہوا۔ لارڈ کی باتیں ختم ہونے میں نہیں آرہی تھیں، سارا جھنجلا کر چلی گئی تھی۔ آخر خدا خدا کرکے بہت دیر بعد لارڈ نے مجھے جانے کی اجازت دی اور میں نیچے ہی سے سارا کو لئے ہوئے اپنے ہوٹل کی طرف چل پڑا۔ سارا کچھ دیر میرے کمرے میں

قریب میرے ساتھ رہی، پھر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں بستر پر دراز ہوگیا اور انکا سے نوک جھونک کرنے لگا پھر مجھے جلد ہی نیند آگئی۔ لیکن ابھی مجھے سوئے ہوئے کوئی آدھا گھنٹا ہوا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی نے چونکا دیا۔ سارا وحشت زدہ انداز میں کہہ رہی تھی۔ ''دولت علی! پاپا اپنے کمرے میں مردہ حالت میں پائے گئے۔''

☆......☆......☆

سارا کی دی ہوئی اطلاع تعجب خیز تھی۔

میں چند گھنٹے پیشتر اس کے باپ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ کسے معلوم تھا کہ میری اور اس کی یہ آخری ملاقات ہے۔ اس حیرت انگیز اطلاع پر مجھے سکتہ سا ہوگیا۔ میں اس سے تعزیتی جملے بھی نہ کہہ سکا اور نہ حیرت کا اظہار کرسکا۔ اس نے فون بند کردیا۔ لارڈ رالف اسمتھ بہت بردبار، ملنسار اور دلچسپ شخصیت کا مالک تھا۔ اتنی مختصر مدت میں وہ مجھ سے بہت قریب ہوچکا تھا۔ اس کی اچانک ہلاکت سے مجھے بڑا صدمہ پہنچا۔ میری نیند اڑ گئی۔ اور جب میں نے فون پر سارا کے ادا کئے ہوئے جملے پر غور کیا تو ایک سنسنی سی میرے جسم میں دوڑ گئی کیا...... کیا لارڈ کی موت میں کسی سازش کا ہاتھ ہے؟ کیا اتنی دور آجانے کے بعد بھی گردشوں نے جمیل احمد خان کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ قاتل نے باقاعدہ منصوبہ بندی کی ہے اور اس نے ایسے وقت کا انتخاب کیا جب قتل کا سارا الزام آسانی سے مجھ پر عائد ہوجائے مگر لارڈ کو قتل کیوں کردیا گیا؟ وہ تو ایک منکسر المزاج، ہمدرد اور خوش اخلاق شخص تھا۔ پھر کوئی خاندانی رنجش؟ حصول دولت کا چکر؟ کوئی پرانی رقابت؟ یا پھر سارا؟ انکا آرام سے سورہی تھی۔ لندن میں یوں بھی وہ کچھ بے فکری ہوگئی تھی۔ گھنٹوں پاؤں پسار کر سوتی رہتی۔ یا ٹک ٹک انگریزوں کا شہر دیکھتی رہتی۔ اسے سارا کے فون کی خبر بھی نہ ہوسکی۔ ہندوستان میں تو وہ بہت محتاط ہر وقت ہوشیار اور مستعد رہتی تھی لیکن یہاں آکر اسے نہ کسی حریف کا خطرہ تھا نہ کسی عتاب کا خوف۔ لارڈ کے قتل کی اطلاع سن کر میرا ذہن بہت تیزی سے سوچ رہا تھا۔ میں جس بات سے گھبراتا تھا وہی پھر میرے آڑے آرہی تھی۔ وہی پولیس، تفتیش، سراغ رسانی، گرفتاری، سزا مقدمہ وغیرہ۔ لندن میں بھی یہ بلائیں میرے پیچھے لگنے والی تھیں۔ لندن سے کہیں بھاگنے کا سوال نہیں تھا۔ مجھے بہرطور وہاں جاکر اپنی وضاحت کرنی تھی۔ میں نے جھلاہٹ کے عالم میں اپنا لباس تبدیل کیا اور انکا کو جگانے کی کوشش کی۔

انکا کی موجودگی میں قتل کے اصل سبب کا سراغ لگانا مشکل نہیں تھا۔ میں نے اسے دوچار آوازیں دیں تو اس نے ایک توبہ شکن انگڑائی لی اور آنکھیں کھولتے ہوئے بولی۔ ''کیا وحشت ہے جمیل! میں اس وقت بڑے مزے کی نیند سو رہی تھی۔''

''سونے کے دن گئے میری جان، اب جاگ جاؤ۔''

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

''کیوں؟ کیا یہاں بھی وہ منحوس بدری نرائن آ گیا؟''

''بدری نرائن سے تم بہت خوف زدہ ہو؟'' میں نے طنزاً کہا پھر اداسی سے بولا۔ ''انکا رانی! بدری نرائن تو ہر جگہ موجود ہیں۔''

''کیوں کہ جمیل احمد خان بھی ہر جگہ موجود ہیں۔'' انکا نے تیزی سے کہا۔

''یہ چھیڑ خانیاں پھر کرنا۔ میں تمہیں ایک اہم خبر سنانا چاہتا ہوں۔'' میں نے انکا کی شوخی نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ ''سارا کا فون ابھی ابھی آیا تھا۔ اس نے اطلاع دی کہ لارڈ رالف اسمتھ اپنی خواب گاہ میں مردہ حالت میں پائے گئے ہیں۔ میں اصل واقعات جاننا چاہتا ہوں۔''

انکا میری بات سن کر اچانک کھڑی ہو گئی۔ چند ثانیوں تک وہ خلا میں گھورتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی اور اس نے کہنا شروع کیا۔

''لارڈ کی موت میں رابرٹ کا ہاتھ ہے۔ اس خوب صورت نوجوان نے پوری مہارت سے تمہارے گرد خوب صورت جال پھیلا دیا ہے۔ تمام ثبوت تمہارے خلاف ہیں۔ سارا کی قربت رنگ لائی۔ رابرٹ نے تمہیں پھانسی کے پھندے تک لے جانے کی عمدہ منصوبہ بندی کی ہے۔''

''میری زندگی کے دن بہت ہیں۔ یہ انگریز کا بچہ مجھے کیا مارے گا۔ مجھے تفصیلات درکار نہیں۔'' میں نے ناراضی سے کہا۔ ''رابرٹ کے پھیلائے ہوئے جال کی فکر اس وقت ہوتی جب تم میرے ساتھ نہ ہوتیں اور جب تم نہ ہوتیں تو سارا کیوں ملتی؟ لارڈ کے گھر میں میرا اتنا عمل دخل ہی کیوں ہوتا۔ میں لندن میں کیسے آتا۔ میں کسی خستہ شکستہ دفتر میں کلرک کی میز پر بیٹھا فائلوں میں سر کھپا رہا ہوتا اور میرے چھوٹے بچے چیتھڑے لگائے گلی میں کھیل رہے ہوتے۔''

''کیا تم اس وقت بہت اداس ہو؟ سارا کے باپ کی موت کا صدمہ کچھ زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ ہاں سارا تم سے قریب بھی تو آ گئی تھی۔''

انکا اس واقعے کو زیادہ اہمیت نہیں دے رہی تھی۔

''میں اداس اس لئے ہوں انکا کہ میں یہاں آرام سے کچھ دن گزارنا چاہتا ہوں۔ میں کسی معاملے میں نہیں پڑنا چاہتا۔''

''اس کی فکر بے کار ہے لیکن تمہیں سارا کے گھر اس وقت جانا ضرور ہوگا۔ جمیل تم بہت تھڑدلے ہو گئے ہو۔''

''میں اس وقت تفصیل جاننا چاہتا ہوں۔'' میں نے زچ ہو کر کہا۔

انکا مجھے اسمتھ کے قتل اور رابرٹ کی سازش کی تفصیل بتانے لگی۔ اس کے منصوبے کی باریکیاں اس کی ذہانت پر دلالت کرتی تھیں۔ مجھ سے اسے سخت نفرت تھی۔ اس پہلو کا ذکر سن کر میرا خون گرم

ہونے لگا اور میں نے طے کر لیا کہ یہ معاملہ اتنی آسانی سے ختم نہیں کیا جائے گا۔ ہوٹل سے باہر آ کر اور ٹیکسی پکڑ کر میں سارا کے مکان کی جانب روانہ ہو گیا۔ انکا راستے بھر مجھے تفصیلات بتاتی رہی۔ میں سنجیدگی سے اس کی ایک ایک بات ذہن نشین کر رہا تھا۔ اچانک انکا کے چہرے پر غصے اور حقارت کے تاثرات ابھرے، وہ تلملائی۔ ''جمیل! تم سارا کے گھر پہنچو۔ میں رابرٹ کی طرف جا رہی ہوں۔ اسے سارا کا فون مل چکا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے گھر سے روانہ ہو، میرا وہاں پہنچنا بے حد ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو بات خواہ مخواہ طولانی ہو جائے گی اور بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔''

''کیا وہ بدبخت کوئی اور گل کھلانے کی سوچ رہا ہے؟'' میں نے نفرت سے پوچھا۔

''وقت کم ہے جمیل! اس وقت ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ میں واپس آ کر تمہیں سب کچھ بتا دوں گی۔'' انکا یہ کہہ کر پھدکتی ہوئی میرے سر سے اتر گئی اور میں خود کو سارا کے گھر پیش آنے والے واقعات سے نمٹنے کے لئے تیار کرنے لگا۔ ٹیکسی میری ہدایت پر برق رفتاری سے فاصلہ کم کر رہی تھی۔

رالف اسمتھ کے محل نما مکان کے باہر پولیس کی کاروں کی قطار دیکھ کر ماتھا ٹھنکا۔ لندن کے مشہور زمانہ سراغ رسانوں اور پولیس کے لوگوں نے پہلے ہی وہاں کارروائی شروع کر دی تھی۔ میں ٹیکسی والے کا کرایہ ادا کر کے عمارت کا احاطہ عبور کرنے لگا۔ اندر پہنچا تو میرا اندیشہ درست ثابت ہوا۔ لارڈ رالف اسمتھ کی لاش اس کی خواب گاہ میں مسہری کے قریب فرش پر پڑی تھی۔ بستر کی بے داغ چادر آدھی مسہری پر تھی اور آدھی نیچے جھول رہی تھی۔ مجھے اس کرب کا اندازہ ہوا جس سے دوچار ہونے کے بعد اس زندہ دل بوڑھے نے موت سے شکست کھائی ہوگی۔ پولیس کے فوٹو گرافر اور انگلیوں کے نشانات کے ماہرین بڑی سرگرمی سے اپنا کام کر رہے تھے۔ ایک پولیس افسر کمرے میں ایک جانب کھڑا سارا سے باتیں کر رہا تھا۔ میں نے سارا کے چہرے کا جائزہ لیا۔ اس کی حالت الم ناک تھی۔ اس کے چہرے کی ساری شگفتگی اور رعنائی ماند پڑ چکی تھی۔ اس کی خوب صورت آنکھوں میں ویرانیاں رقص کر رہی تھیں۔ میں اس سے نگاہیں نہ ملا سکا۔ تعزیت کرتے ہوئے مجھے ایک پشیمانی سی ہوتی ہے۔ نہ جانے کیوں میرا جی قدرت کی ستم ظریفی پر مسکرانے کو چاہتا ہے۔ جب میں کسی سے تعزیت کے جملے کہتا ہوں تو مجھے خود پر جبر کرنا پڑتا ہے۔ الفاظ منہ سے ادا نہیں ہوتے اور سارا اظہار غم مصنوعی معلوم ہوتا ہے۔ موت کا غم جسے ہوتا ہے اسے پُرسا دینے والے ہمیشہ اپنے بیان میں ایک کمی محسوس کرتے ہیں۔ میری حیثیت مشکوک تھی۔ میں سارا کو کیا پُرسا دیتا، پولیس کے دوسرے ماہرین اور سراغ رساں مختلف زاویوں سے لاش کا معائنہ کر رہے تھے۔ یہاں کی پولیس اور ہندوستان کی پولیس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہ لوگ بہت شائستہ انداز میں، بہت انہماک اور سنجیدگی سے کوئی گالی دئے بغیر اپنا کام کر رہے تھے۔ میں نے معاً اس میز کی جانب نظر اٹھائی جو لارڈ کی مسہری کے سرہانے موجود تھی۔ میز پر رکھے ہوئے گلاس میں کچھ دودھ اب بھی موجود

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

تھا۔ انکا نے مجھے بتایا تھا کہ لارڈ کی موت یہ دودھ پینے سے واقع ہوئی ہے۔ اس میں مہلک زہر کی آمیزش تھی۔ میں ابھی دودھ کا گلاس بغور دیکھ رہا تھا کہ انکا میرے سر پر واپس آ گئی۔ میں نے اس کی جانب دیکھا۔ وہ سنجیدگی سے بولی۔ ''جمیل، اب تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے ایسے حالات پیدا کر دیئے ہیں کہ پولیس آسانی سے اصل مجرم تک پہنچ جائے گی۔'' پھر انکا نے جو تفصیل مجھے بتائی اسے سن کر میرا دل چاہا کہ اسے گود میں اٹھا کر سینے سے لگا لوں۔ اس نے مجھے بچانے کی خاطر جو اقدام کیا تھا وہ انتہائی جامع اور دلچسپ تھا۔ اچانک سارا کی نظر مجھ پر پڑی، وہ کسی وحشت زدہ بیوی کی طرح دوڑتی ہوئی میرے قریب آئی اور میرے سینے سے لپٹ کر روتے ہوئے بولی۔ ''دولت علی! یہ کیا ہو گیا؟ میرے پاپا مجھ سے کیوں ناراض ہو گئے؟ کیا میں اتنی بری تھی؟''

''ہمت سے کام لو سارا۔'' میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ''سارے انسانوں کا مقدر یہی ہے، پہلے یا بعد کی بات ہے۔ قدرت کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔ انسان صبر کے سوا اور کیا کر سکتا ہے۔''

سارا میرے سینے سے لگی بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی۔ مجھ سے ضبط نہیں ہوا۔ میری آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ کمرے میں موجود ماہرین میں سے کچھ نے ایک لمحے کے لئے میری جانب غور سے دیکھا پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ وہ پولیس افسر آگے بڑھا جو سارا سے بات کر رہا تھا۔ پھر اس نے مجھے اشارے سے ہدایت کی کہ میں سارا کو جائے حادثہ سے الگ لے جاؤں۔ میں نے اثبات میں سر کو جنبش دی اور سارا کو دوسرے کمرے میں لے گیا۔ وہ بری طرح بین کر رہی تھی۔ میرے لئے یہ لمحے بڑے صبر آزما تھا۔ اس کا غم دیکھ کر مجھے اپنی ماں اور نرگس کی موتیں یاد آ گئیں، مالا کا زخم بھی ہرا ہو گیا۔ میں اسے صبر کی تلقین کر رہا تھا حالانکہ میں خود بھی نڈھال ہو گیا تھا۔ اسی وقت رابرٹ تیز قدمی سے کمرے میں داخل ہوا۔ ہم دونوں میں معنی خیز نظروں کا تبادلہ ہوا۔ ایک بار جی میں آئی کہ اس کم بخت کو ابھی زیر زمین کر دوں۔ رابرٹ نے مجھے دیکھ کر رعونت سے منہ پھیر لیا پھر لپک کر قریب آیا اور سارا سے مخاطب ہوا۔ ''یہ سب اچانک کیسے ہو گیا سارا؟ انکل شام تک تو ٹھیک تھے۔ میری ان سے فون پر بات ہوئی تھی۔ تمہارا فون آیا تو مجھے یقین نہیں آیا۔ میرا خیال تھا کہ تم نے مجھے پریشان کرنے کے لئے خطرناک مذاق کیا ہے لیکن یہاں آ کر معلوم ہوا ہے کہ بساط واقعی الٹ گئی ہے۔ مجھے شدید صدمہ ہے۔ میں تمہارا غم محسوس کر رہا ہوں۔''

سارا نے رابرٹ کی بات کا جواب نہیں دیا۔ رحم طلب نظروں سے اسے دیکھ کر دوبارہ میرے سینے میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ مجھے احساس تھا کہ سارا کو میرے سینے سے لگا دیکھ کر رابرٹ پر کیا گزری ہوگی۔ اس لمحے انکا نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ ''جمیل! دیکھ رہے ہو اس حسین نوجوان کی دیدہ دلیری؟ اجازت ہو تو لمحوں میں اس کا بھرم خاک میں ملا دوں؟ میری مانو تو اسے

زیادہ ڈھیل دینا مناسب نہیں ہے۔''

''جلد بازی سے کام مت لو انکا۔'' میں نے دل ہی دل میں اسے مخاطب کیا۔ ''اسے اس طرح نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اس کی رسوائی کا تماشا سب کو دیکھنا چاہئے۔ یہ بچ کر کہاں جائے گا لیکن اسے عبرت انگیز انجام سے دوچار کرنا ضروری ہے۔''

کچھ دیر بعد پولیس کے دو افسر کمرے میں آ گئے۔ رابرٹ نے پریشانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''کیوں آفیسر! انکل اسمتھ کی افسوس ناک موت کا سبب معلوم ہوا؟''

''ہاں۔ ڈاکٹر کا خیال ہے کہ لارڈ نے کوئی زہر پیا تھا لیکن پوسٹ مارٹم رپورٹ آنے سے پہلے کوئی قطعی بات نہیں کہی جا سکتی۔''

''زہر؟ نہیں نہیں آفیسر۔ میں نہیں مان سکتا۔'' رابرٹ نے جذباتی لہجے میں کہا۔ ''انکل بڑے مضبوط اعصاب کے مالک تھے۔ ان کا شمار ایسے لوگوں میں کیا نہیں جا سکتا جو کسی نازک لمحے میں تنگ آ کر موت کا فیصلہ کر بیٹھیں۔ میرا خیال ہے...... انکل یقیناً کسی سازش کا شکار ہوئے ہیں مگر ان کا دشمن کون ہو سکتا ہے۔'' رابرٹ نے سوچتے ہوئے کہا۔

''آپ کی تعریف؟'' پولیس افسر نے رابرٹ سے سوال کیا۔

''میرا نام رابرٹ ہے۔ انکل اسمتھ سے ہمارا خاندانی رابطہ ہے۔ کچھ اور رابطے ہونے والے تھے مگر آہ...'' رابرٹ نے سارا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مجھے اس دردناک حادثے کی اطلاع سارا نے دی تھی۔''

''ہو سکتا ہے آپ کا اندیشہ درست ہو۔'' پولیس افسر نے متانت سے جواب دیا۔ ''پوسٹ مارٹم اور نشانات کے ماہرین کی رپورٹ ملنے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔''

سارا نے جیسے طے کر لیا تھا کہ اسے صرف میرے سینے میں سکون ملے گا۔ وہ سسک رہی تھی اور میں رابرٹ اور پولیس افسر کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہا تھا۔ رابرٹ بار بار اس شبہے کا اظہار کر رہا تھا کہ لارڈ اسمتھ کی موت میں کسی گہری سازش کا ہاتھ ہے۔ اس کی گفتگو کا انداز بڑا جذباتی تھا۔ وہ بار بار طیش میں ہاتھ ملنے لگا۔ اسمتھ خاندان سے اپنے رشتوں اور رابطوں کا ذکر وہ ایسے لہجے میں کر رہا تھا جیسے لارڈ کی موت کا دکھ عرصے تک محسوس کرتا رہے گا۔ رابرٹ کے بعد پولیس افسر نے سارا سے سوال کرنے شروع کر دیئے۔ میں اس تمام عرصے میں خاموش تماشائی کی طرح کھڑا رہا۔ سارا نے کسی سازش کے امکان پر لاعلمی کا اظہار کیا۔ ایک اور سوال کے جواب میں اس نے پولیس کو میرا اور رابرٹ کا نام بتایا۔ سارا کے بیان کے مطابق اس روز میرے اور رابرٹ کے سوا کسی نے مرحوم سے ملاقات نہیں کی تھی۔ پولیس افسر نے اپنے ایک ماتحت کو حکم دیا کہ گھر کے تمام ملازمین کی انگلیوں کے نشانات لئے جائیں۔

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

ماتحت کے جانے کے بعد رابرٹ نے ایثار پسندانہ انداز میں اپنی انگلیاں بھی پولیس کے سامنے پیش کر دیں۔ پولیس افسر بھی یہی چاہتا تھا۔ اس نے پہلے رابرٹ کی انگلیوں کے نشانات لئے پھر میری جانب دیکھا انکا تمام کارروائی دیکھ رہی تھی، وہ دخل دیتے ہوئی بولی۔ ''جمیل! اب برداشت نہیں ہو سکتا۔ یہ وقت خاموشی کا نہیں ہے۔ اگر اب بھی تم نے بساط نہ پلٹی تو حالات بگڑ جائیں گے۔''

میرے لئے اب خاموش رہنا مناسب نہیں تھا۔ پولیس افسر نے میری انگلیوں کے نشان لینے کی خواہش ظاہر کی تو میں نے خاموشی سے اس کی بات مان لی۔ جس وقت میں اپنی انگلیوں کے نشانات کاغذ پر منتقل کر رہا تھا، رابرٹ کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔ پولیس افسر جب میرے نشان لے چکا تو رابرٹ نے کہا۔

''مسٹر دولت علی! آپ تو علم نجوم کے ماہر ہیں اور تنویمی عمل میں آپ کی مہارت میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔ سنا ہے آپ بہت سے باطنی علوم سے بھی واقف ہیں۔ کیا آپ انکل اسمتھ کی موت کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتے؟''

''جمیل!'' انکا غرا کر بولی۔ ''بس کرو۔ یہ شخص اپنے آپے میں نہیں ہے، اسے بڑی خوش فہمی ہو رہی ہے کہ یہ پوری طرح محفوظ ہے۔''

''مسٹر دولت علی!'' پولیس افسر نے میرا تعارف سننے کے بعد مضحکہ خیز لہجے میں کہا۔ ''ہندوستانیوں کے بارے میں ایسی باتیں کتابوں میں ہیں، کیا آپ ہم سے تعاون نہیں کریں گے؟''

میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ پولیس افسر جس کا نام ہارڈی تھا، وہ رابرٹ کی شہ پا کر میری اور ہندوستانیوں کی تضحیک کر رہا تھا۔ یہ تضحیک یوں تو ہر انگریز ہندوستانی کو دیکھ کر کرتا تھا جیسے ہم نیچ نسل کے لوگ ہیں۔ یہاں آ کر میرے ذہن میں اس پوری اونچی نسل سے انتقام لینے کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ میں ان کی نگاہیں پہچانتا تھا جن میں غرور اور تکبر ہمیشہ موجود رہتا تھا۔ میں نے ایک نظر سارا پر ڈالی۔ وہ سر جھکائے بیٹھی سسک رہی تھی۔ رابرٹ پولیس افسر کے قریب فخر سے گردن اکڑائے کھڑا تھا۔ میں نے ہارڈی کو مخاطب کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ ''آفیسر! میں پولیس سے تعاون کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں لیکن یہ موقع میری باطنی صلاحیتوں کے آزمانے کا نہیں۔ کیا لندن کے تجربے کار پولیس افسر میری باتیں درخور اعتنا سمجھیں گے؟''

''یقیناً!'' ہارڈی نے الفاظ چباتے ہوئے شانے اچکا کر جواب دیا۔ ''اگر آپ کا علم قانون کو کوئی ٹھوس ثبوت فراہم کر سکے تو اسے نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔ ویسے یہ تجربہ ہم سب کے لئے دلچسپ ہو گا۔''

''لیکن ایک شرط ہے۔ میں واقعے کی تشہیر پسند نہیں کروں گا۔ اگر لندن کی معزز پولیس یہ وعدہ کرے کہ وہ میری شہادتوں کی [illegible]

یہاں تفریح کے لئے آیا ہوں۔ اپنے پیچھے ہجوم لگانے نہیں آیا۔ یوں بھی میں ایک گوشہ نشین شخص ہوں۔'' میں نے انکسار سے کہا۔

''ہمیں آپ کی ذات میں دلچسپی ہو رہی ہے۔'' ہارڈی نے طنز آمیز لہجے میں کہا۔ ''آپ کی شرط ہمیں قبول ہے۔ یہ گفتگو آف دی ریکارڈ ہے۔ آپ اعتماد رکھئے۔''

میں نے ہارڈی کو گھور کر آنکھیں بند کر لیں۔ انکا مجھے پہلی حالات سے باخبر کر چکی تھی۔ کمرے میں موجود افراد کو متاثر کرنے کے لئے میں یوں ہی کچھ دیر آنکھیں بند کئے کھڑا رہا اور بڑبڑاتا رہا۔ پھر آنکھیں کھول کر بولا۔ ''مسٹر ہارڈی! میں سمجھتا ہوں کہ لارڈ رالف اسمتھ کو قتل کیا گیا ہے اور قاتل مع ثبوت اسی چھت کے نیچے موجود ہے۔''

رابرٹ میری بات سن کر ایک لمحے کے لئے چونکا پھر تیزی سے بولا۔ ''سوچ لیجئے۔ آپ حیرت انگیز بات کر رہے ہیں دولت علی۔ کیا آپ نشانات کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں جو ماہرین کو جائے واردات سے دستیاب ہوئے ہیں۔''

''میرا باطن پکار رہا ہے کہ لارڈ رالف اسمتھ کو دودھ میں زہر دیا گیا ہے۔'' میں نے رابرٹ کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے ہارڈی سے کہا۔ ''اس سازش میں مجھے ایک مرد اور ایک عورت کا ہاتھ نظر آ رہا ہے کیونکہ مرد کا ستارہ دلو میں داخل ہو چکا ہے اور عورت بھی دلو میں پہنچ گئی ہے۔ رہا گلاس پر ملنے والے انگلیوں کے نشانات کا مسئلہ تو وہ یقیناً میرے ثابت ہوں گے۔''

ہارڈی مجھے حیرت سے دیکھنے لگا اور میرا جواب سن کر یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔ رابرٹ کے ہونٹوں پر ابھرنے والی مسکراہٹ بڑی گہری اور معنی خیز تھی۔ ہارڈی نے مجھے سخت نظروں سے گھور کر بولا۔ ''آپ کا بیان آپ کے حق میں سنگین صورت اختیار کر سکتا ہے۔''

''اگر مسٹر ہارڈی میرے بیان کی تصدیق چاہتے ہیں تو نشانات کے جو ماہرین موجود ہیں، وہ اس وقت بھی اپنی رپورٹ مرتب کر سکتے ہیں۔'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔ رابرٹ نے اس وقت ہارڈی کے کان میں کوئی سرگوشی کی جس کے بعد نشانات کے ماہرین کو قریب بلا کر ضروری ہدایات دے دی گئیں۔ سارا اس ساری کارروائی کو حیران نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''مسٹر دولت! اگر ماہرین نے آپ کے بیان کی تصدیق کر دی تو مجھے آپ کو حراست میں لینا پڑے گا۔'' ہارڈی نے شک کے لہجے میں کہا۔

''مجھے افسوس ہو گا۔ میں اسے لندن کے ایک تجربے کار اور عالی دماغ افسر کا جذباتی فیصلہ سمجھوں گا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''محض دودھ کے گلاس پر میری انگلیوں کے نشانات کا ملنا مجھے قاتل ثابت نہیں کر سکتا۔ مس سارا، غریب سارا اپنے بیان میں اس حقیقت کا اظہار کر چکی ہے کہ لارڈ کی موت

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

سے قبل آخری بار میں نے مرحوم سے ملاقات کی تھی۔ آپ اس پہلو پر کیوں نہیں سوچتے کہ مجھ اجنبی کو سازش میں ملوث کرنے کے لئے ہی گلاس استعمال کیا گیا ہوگا جو میں نے مرحوم کے ساتھ مشروب پیتے وقت استعمال کیا تھا۔ ویسے پوسٹ مارٹم رپورٹ کے بعد قتل کے وقت کا تعین ہو سکتا ہے، تاہم فی الحال اس طوالت میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں چند بنیادی باتیں جناب کے گوش گزار کر چکا ہوں۔'' میں نے نہایت سکون سے کہا۔

''میرا اندازہ ہے کہ آپ ان سنگین واقعات کے بارے میں خاصے ہوش مند اور تجربے کار آدمی ہیں۔ مسٹر دولت علی! آپ ہندوستان میں کیا کرتے ہیں؟'' ہارڈی نے اچانک سوال کیا۔

''لارڈ اسمتھ کیا کرتے تھے؟ نوابین کام نہیں کرتے۔'' میں نے افتخار سے کہا۔ ''بخدا یہ سوال اگر ہندوستان میں کیا جاتا تو توہین میں شمار ہوتا۔''

''خوب!'' ہارڈی کے ساتھ جو سراغ رساں تھا، وہ بولا۔ ''میرا خیال ہے آپ ہمارا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ اس واقعے کے بعد اگر آپ کے ہاتھ صاف نظر آئے تو میں آپ سے ملنا پسند کروں گا۔''

''مجھے مسرت ہوگی۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''یہ غلط ہے میرے محترم دوست کہ میں وقت ضائع کر رہا ہوں۔ مجرم شہادتوں کے ساتھ پہچانا جائے تو میری ذمے داری ختم ہو جائے گی اور میں آرام سے یہاں تفریح کر سکوں گا اسی لئے میں کارروائی ہر لحاظ سے مکمل چاہتا ہوں۔ مسٹر رابرٹ اگر میرا تعارف نہ کراتے تو میں شاید اپنی زبان بند رکھتا مگر اب یہ ضروری ہے کہ اب میں اپنے اس علم کا ثبوت پیش کروں جس پر مجھے پورا پورا اعتماد ہے اور ساتھ ہی اپنا دامن بھی بچاؤں۔''

سراغ رساں میرا جواب سن کر پہلو بدلنے لگا۔ کمرے میں کچھ دیر سکوت رہا۔ پھر اس وقت ہارڈی کی نظریں کھلی کی کھلی رہ گئیں جب نشانات کے ماہر نے اپنی رپورٹ لا کر دی پھر اس نے مجھے کرخت لہجے میں مخاطب کیا۔ ''مسٹر دولت علی! یہ ثابت ہو گیا ہے کہ دودھ کے گلاس پر ملنے والے نشان صد فیصد تمہاری انگلیوں کے ہیں۔ میں تمہیں فوراً حراست میں لینے پر مجبور ہوں۔''

''مسٹر ہارڈی! آپ عجلت کر رہے ہیں اور آپ بھول رہے ہیں کہ میں نے اس سازش میں ایک مرد اور ایک عورت کو شریک بتایا تھا جو اس وقت بھی مکان کے اندر موجود ہیں۔'' میں نے بھی سخت لہجہ اختیار کیا۔ ''مسٹر رابرٹ کو میرے بارے میں بہت سی باتیں معلوم نہیں ہیں۔ یہی نادانی اصل میں ان کی کمزوری بن گئی، میں علم نجوم اور نفسیاتی طریقہ کار کے علاوہ دیگر مشرقی علوم کے بارے میں بھی تھوڑی بہت شد بد رکھتا ہوں جنہیں مغرب کے دماغ قبول نہیں کرتے مگر آپ نے مردہ آدمیوں سے گفتگو کے علم کے بارے میں ضرور سنا ہوگا؟ ہمارے مشرق میں یہ یقین ہے کہ روحیں جسم سے جدا ہو کر فضاؤں میں بھٹکتی رہتی ہیں۔ ان کی اپنی ایک دنیا ہوتی ہے اور انہیں کسی بھی وقت طلب کیا جا سکتا ہے۔ میں سامنے کی

Downloaded from Paksociety.com

بات کرتا ہوں، رات گزر گئی ہے۔ آپ لوگوں کو زحمت ہو رہی ہے۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں لارڈ اسمتھ کی روح سے حقیقت حال جاننے کی درخواست کروں۔ مجھے کچھ دیر کے لئے مہلت دیجئے۔''

''یہ کس طرح ممکن ہے؟'' سراغ رساں نے بیزاری سے کہا۔

''مجھے ایک کوشش کی اجازت دی جائے۔ میں صرف پندرہ منٹ لوں گا لیکن مجھے ایک شخص کی ضرورت ہے جو میرا معمول بن کر لارڈ اسمتھ کی روح کی ترجمانی کر سکے۔ مجھے ایک گلاس اور ایک میز کی بھی ضرورت ہے۔ یہ عمل آپ کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ کیا یہ بات دلچسپ نہیں ہوگی کہ لارڈ اسمتھ اپنے قتل کا واقع خود بیان کریں؟'' میں نے پُر اثر لہجے میں کہا۔

''پندرہ منٹ!'' سراغ رساں نے کچھ سوچ کر کہا۔ ''مسٹر دولت علی! آپ قانون کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ بہر حال میں آپ کا معمول بننے کے لئے آمادہ ہوں۔''

''خوب!'' میں نے کہا اور بعجلت تمام اسے ایک میز کے گرد بٹھا دیا اور ایک گلاس اس کے سامنے رکھ کر اسے حرکت دینے کو کہا جس طرح عام طور پر لوگ روح کو بلانے کے لئے کرتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ روح کو بلانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں یا نہیں۔ میرا مقصد کچھ اور تھا۔ میں انکا کو سراغ رساں کے سر پر بھیج کر اپنے مطلب کی بات کہلوانا چاہتا تھا۔ جب گلاس کی گردش تھم گئی اور انکا سراغ رساں کے سر پر چلی گئی تو میں نے اسے مخاطب کیا، ظاہر ہے روح نے جواب دیا۔ لارڈ اسمتھ کی روح نے۔ سارا پاپا، کہہ کر چیخنے لگی۔ ہارڈی نے اسے سنبھالا دیا۔ میں نے سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ میں نے ماحول کو کچھ تاثر دینے کے لئے روشنیاں کم سے کم کروا دی تھیں۔ پھر میں نے بھاری آواز میں سراغ رساں کو مخاطب کیا۔ ''لارڈ اسمتھ کی پاک روح! میں معذرت خواہ ہوں کہ تجھے طلب کیا گیا ہے۔ میرے سوالات کا جواب دینے کے لئے اپنی آمادگی کا اظہار کر۔ کیا تو وہی ہے جو میں سمجھ رہا ہوں۔''

اچانک سراغ رساں کی زبان کھل گئی۔ ''میں لارڈ اسمتھ کی روح ہوں، مجھے جلد جانے دو۔''

''صرف چند لمحے!'' میں نے زور دے کر کہا۔ ''اے پاک روح! تیرا رشتہ ابد سے ہے۔ بتا ہے تجھے لارڈ کے جسم سے جدا کرنے کی سازش میں کون کون شریک تھا؟ تو باطن کا حال جانتی ہے کیوں کہ تو ایک روح ہے۔ مجھے صحیح صحیح بتا، اب تیری صلاحیتیں بے پناہ ہیں۔''

''مجھے میرے جسم سے ایک مرد اور ایک عورت نے جدا کیا ہے۔ مجھے اب جانے دو۔'' سراغ رساں کے ہونٹوں سے مدھم آواز ابھری۔ کمرے میں پُر ہول سناٹا طاری تھا۔ کسی کے سانس لینے کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی۔

''اس عورت کا نام کیا ہے؟ اور اس نے اس سازش میں کیوں حصہ لیا؟'' میں نے بہ عجلت تمام دریافت کیا۔

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

''اس عورت کا نام لزی ہے۔ اس نے دودھ میں زہر دیا تھا اور اسے اس کام کے عوض بھاری رقم کا لالچ دیا گیا تھا۔''

''مجھے تفصیل درکار ہے اے پاک روح! اس کے بغیر تیری واپسی ناممکن ہے۔'' میں نے سراغ رساں کے ہونٹ ساکت دیکھ کر کرخت آواز میں کہا۔

''لزی کو دو سو پاؤنڈ کی رقم دی گئی تھی جو اس وقت بھی اس کے سوٹ کیس میں موجود ہے۔ وہ بظاہر ایک شریف عورت ہے لیکن دولت کے لالچ نے اسے اس سازش میں شریک ہونے پر مجبور کر دیا۔ زہر دینے کے لئے وہ گلاس استعمال کیا گیا تھا جس پر دولت علی کی انگلیوں کے نشان موجود تھے۔ رابرٹ نے لزی کو زہر فراہم کیا تھا۔ زہر کی باقی مقدار نیلے رنگ کی شیشی میں ہے۔ وہ شیشی اس وقت رابرٹ کے کوٹ کی جیب میں موجود ہے۔''

رابرٹ اس انکشاف پر بوکھلا گیا۔ اس نے فوراً فرار ہونے کی کوشش کی لیکن دروازے بند ہونے کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکا۔ ہارڈی اور پولیس کے دوسرے عملے نے اسے پل بھر میں بے بس کر دیا۔ سارا غم و غصے سے لرزنے لگی۔ میں نے ان سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا پھر اپنے معمول سراغ رساں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''رابرٹ نے اس سازش کا جال کیوں پھیلایا تھا؟''

''اس سازش کے ذریعے رابرٹ، دولت علی خان کو راستے سے ہٹا کر سارا سے شادی کر کے تمام جائیداد اور دولت پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ اسے دولت علی خان کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ سے یہ خدشہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں سارا اس کے ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ اس سے زیادہ مجھ سے مت معلوم کرو۔ میں کرب کی حالت سے دوچار ہوں، مجھے آزادی درکار ہے۔''

''اجازت ہے۔'' میں نے ٹھوس آواز میں جواب دیا۔

دوسرے ہی لمحے سراغ رساں سر جھٹک کر اپنی اصلی حالت میں واپس آ گیا۔ ہارڈی مجھ سے بری طرح مرعوب نظر آ رہا تھا۔ سراغ رساں کے اٹھنے کے بعد اس نے سب سے پہلے رابرٹ کی جامہ تلاشی لی۔ زہر کی شیشی برآمد ہو گئی۔ وہ اس کے کوٹ کی اندرونی جیب میں موجود تھی۔ ہوٹل سے میری روانگی کے بعد انکا اسی لئے رخصت ہوئی تھی کہ رابرٹ کو وہی کوٹ پہننے پر مجبور کرے جس میں زہر کی شیشی موجود ہے۔ رابرٹ نے زہر کی شیشی برآمد ہونے کے بعد بھی لارڈ کے قتل کا اقرار نہیں کیا لیکن لزی نامی ملازمہ کے سوٹ کیس سے دو سو پاؤنڈ کی رقم دستیاب ہو گئی اور لزی نے اقرار جرم کرتے ہوئے کہا کہ اس نے محض رابرٹ کی دی ہوئی رقم کے لالچ کے تحت دودھ میں زہر ملایا تھا۔ رابرٹ کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ سارا کی کیفیت اس دوران پاگلوں کی سی رہی۔ وہ بار بار رابرٹ کی طرف ہذیانی انداز میں لپکتی تھی لیکن میں نے اسے سختی سے پکڑ رکھا تھا۔ پولیس کا عملہ جب رابرٹ اور لزی کو ٹھوس ثبوت کے ساتھ گرفتار کر کے

جانے لگا تو ہارڈی نے مجھ سے کہا۔ ''مسٹر دولت علی! آپ سے دوسری ملاقات یقیناً میرے لئے باعث فخر ہو گی۔''

سارا کی دیوانگی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ دل دوز انداز میں بین کر رہی تھی۔ رابرٹ کے قاتل ہونے کے انکشاف نے سارا کے ذہن پر برا اثر ڈالا تھا۔ میرے لئے اسے سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ جب تک ڈاکٹر نہیں آیا، سارا در و دیوار سے سر ٹکرانے کی کوشش کرتی رہی۔ ڈاکٹر نے اسے بے ہوشی کا انجکشن دے دیا۔ آخر اس کی حالت بتدریج سنبھلنے لگی، مجھے رات اسی کے ہاں گزارنی پڑی۔

یہاں یہ سوال کیا جائے گا کہ اس طویل شعبدے بازی کی کیا ضرورت تھی؟ رابرٹ کو انکا کے سر پر بھیج کر اقرار جرم کرا لیا جاتا؟ ہاں یہ بات آسان تھی مگر اس کے لئے عرصے تک انکا کو رابرٹ کے سر پر رہنا پڑتا اور میں لندن جیسے اجنبی شہر میں انکا کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے پولیس کے عملے، سراغ رساں اور سارا کے سامنے ایسی صورت حال پیدا کر دی کہ انکا کو بھیجنے کی زحمت بار بار نہ کرنی پڑے اور میں کسی مشکوک شخص کی حیثیت سے پولیس کی نظروں میں بھی نہ رہوں۔ اس واقعے کی تشہیر کے متعلق میں نے پولیس سے وعدہ لے لیا تھا اور مجھے امید تھی کہ اب وہ مجھے بدنام نہیں کریں گے کیوں کہ اگر وہ درمیان کے واقعات حذف بھی کر جاتے تو بھی ثبوت کی فراہمی کاروائی میں ریکارڈ کی جا سکتی تھی۔ لندن میں بہت جلد اس سنگین واقعے سے گلو خلاصی ہو گئی ورنہ نہ جانے کہاں کہاں مارے مارے پھرنا پڑتا۔

☆......☆......☆

لارڈ اسمتھ کی موت کو تقریباً بیس دن گزر چکے تھے۔ رابرٹ اور لزی کا معاملہ عدالت میں پیش تھا لیکن اس حادثے نے لندن میں میرا سکون منتشر کر دیا تھا۔ ویسے مجھے عدالت میں کبھی پیش نہیں ہونا پڑا۔ مجھے احساس تھا کہ جو نوجوان کسی کے قتل کا ارادہ کرے، اس کا ماضی میں یقیناً جرائم پیشہ لوگوں سے وابستہ رہا ہو گا۔ اس لئے اندیشہ تھا کہ اس کے جرائم پیشہ حمایتی یقیناً مجھے پریشان کریں گے اور یہی ہوا۔ مجھے اغوا کرنے، اقرار جرم کروانے اور آخر قتل کرنے تک کی کوششیں کی گئیں۔ کئی چھوٹے چھوٹے واقعات رونما ہوئے مگر وہ زیادہ دلچسپی کے حامل نہیں ہیں چنانچہ میں انہیں بیان کرنے سے گریز کر رہا ہوں۔ میری سرگزشت خاصی طویل ہو گئی ہے۔ میں واقعات سمیٹ رہا ہوں۔ کوئی کہاں تک میری روداد اشک و خون، میری داستان عبرت سنے گا اور میں کہاں تک سناؤں گا لیکن بعض واقعات دل پر ایسے نقش ہیں اور ان کا ایسا غبار ذہن پر ہے کہ ایک واقعہ کریدتا ہوں تو دوسرا اس کے پہلو میں نکل آتا ہے۔ ایک بات ختم کرتا ہوں تو دوسری خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ میری اس سرگزشت سے لوگوں نے کیا تاثر قبول کیا ہو گا؟ تاہم اس حقیقت میں کسی کو کوئی کلام نہ ہو گا کہ میں نے عام انسانوں سے کہیں زیادہ تجربے کئے ہیں اور صدمے اٹھائے ہیں۔ ایسے حیران کن واقعات سے میرا سابقہ پڑا ہے کہ انسانی ذہن

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

انہیں قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ میرے پاس ایک طاقت تھی اور میں نے اس کے ذریعے انسانوں کو اندر سے کھنگالا اور ٹٹولا ہے۔ میں نے لوگ دیکھے، دنیا دیکھی اور زندگی کے عجیب نشیب و فراز دیکھے۔ یہ سرگزشت جب اختتام کو پہنچے گی تو شاید آپ اس شخص کی خونیں روداد سے کوئی نتیجہ اخذ کریں اور پُراسرار کائنات، انسان کا ظاہر و باطن، موت و زندگی کے بارے میں کوئی رائے قائم کرسکیں۔ یہ فلسفہ نہیں ہے اور نہ ہی میں نے اس کا دعویٰ کیا ہے۔ مجھ پر جو گزری ہے، وہ میں بے کم و کاست بیان کردیتا ہوں۔

لندن میں بھی میرے ساتھ حسب معمول عجیب عجیب حادثے پیش آئے۔ میری ساری زندگی حادثوں سے عبارت ہے۔ بہرحال...... رابرٹ کے لوگ میرے پیچھے لگ گئے لیکن انکا کی وابستگی کے ساتھ جمیل احمد خان کا یہ لفنگے کیا بگاڑ سکتے تھے۔ ادھر رابرٹ کے والدین اپنے فرزند دل بند کو بری کرانے کی سرتوڑ کوششیں کررہے تھے۔ اب میرا لندن میں رہنا ضروری تھا۔ اگر میں فرار ہو جاتا تو اونچی نسل کے برخود غلط لوگ ہندوستان تک میرا پیچھا نہ چھوڑتے۔ اس لئے کہ ہند پر بھی ان کی حکومت تھی۔ جب رابرٹ کے کردار کی چھان بین کی گئی تو اس کی شوری پشتی کے بیسیوں واقعات پولیس کے سامنے آئے۔ سوگوار سارا رفتہ رفتہ معمول پر آرہی تھی۔ وہ حسین لڑکی اب اپنے باپ کی تمام جاگیر اور اثاثوں کی تنہا مالک تھی۔ اس نے مجھ سے بہت اصرار کیا کہ میں اسی کے ہاں قیام کروں لیکن میں حتی الامکان محتاط رہنے کی کوشش کرتا۔ شروع شروع میں تو سارا کا حسین سراپا دیکھ کر میرے دل میں کسک سی ہوتی تھی لیکن اب لارڈ کے اچانک انتقال کے بعد مجھے سارا کی حالت زار پر ترس آنے لگا تھا اور وہ تھی کہ میرے نام پر جیتی تھی۔ سارا کے اعزا اور لارڈ کے قریبی دوستوں نے اس کے گرد گھیرا ڈال لیا کیونکہ اب وہ ایک مال دار ترین لڑکی تھی۔ اس کی دلجوئی اور غم خواری کے لئے ہر وقت ایک ہجوم جمع رہتا۔ یہ ہجوم دیکھ کر میں اس سے کسی قدر دور رہنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ لوگ مجھے مشکوک اور نفرت بھری نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ میں نے اکثر اشارتاً سارا کو سمجھایا کہ اس کے باپ کے مرنے کے بعد وہ خیر خواہ اچانک اکٹھے ہو گئے ہیں، ان سے ہوشیار رہنا چاہئے۔ شام کو میں اسے چھوڑ دیتا تھا اور شام ہی کو یہ لوگ اس کے گھر جمع ہو جاتے تھے۔ میں اس کے ساتھ شب و روز نہیں رہ سکتا تھا اس لئے کہ میں لندن میں صرف سارا کی وجہ سے نہیں آیا تھا۔ سارا تو سر راہ مل گئی تھی۔ شہر میں جب غنڈوں نے مجھے پریشان کیا تو میں لندن کے ایک مضافاتی علاقے میں منتقل ہو گیا۔ یہ جگہ شہر سے تیس میل دور تھی لیکن سارا روز مجھ سے ملنے آتی اور گھنٹوں تک میرے پاس، میرے پہلو میں بیٹھی رہتی۔ میری آغوش میں سمٹی رہتی۔ میں اس کی اداس آنکھوں میں جھانکتا رہتا۔ اس نے کئی بار مجھے رقم کی پیش کش کی مگر میں نے مسکرا کر ٹال دیا۔

کسے کیا معلوم تھا کہ جمیل احمد خان سر شام زندہ ہوتے تھے، جس طرح لندن پہ شام ڈھلے شاب آتا تھا۔ دن میں یورپ اور ایشیا میں کیا فرق ہے۔ فرق صرف رات کا ہے۔ لندن میں رات بڑی حسین

ہوتی ہے۔ رات کو لندن کے اونچے درجے کے قمار خانوں میں داخل ہونے کے بعد میرے پاس دولت کی کمی نہیں رہتی تھی۔ میں دن بھر یہی سوچتا رہتا تھا کہ یہ رقم ٹھکانے کس طرح لگاؤں۔ روز رات آجاتی تھی اور رقم پھر بھی باقی رہ جاتی تھی۔ کچھ دن لارڈ کے انتقال کے بعد سارا کے ساتھ گزر گئے۔ اس کے بعد میں لندن میں گھوما اور میں نے کل پر اعتبار نہ کرتے ہوئے اپنی راتیں لندن کی رنگینیوں میں ڈبو دیں۔ ایک کے بعد ایک ہوٹل، شباب و مستی کی محفلیں، نازک ادا دوشیزاؤں کے قرب کی سرسراہٹیں، ان کے بدن کی خوشبوئیں...... لندن میں بھلا اور کیا تھا؟ دن بھر یہ لوگ کام کرتے تھے اور رات کو مستی میں ڈوب جاتے تھے۔ انہیں غلام بنانا اور عیش کرنا آتا تھا۔ میں جب وہاں گیا تھا تو انہی جیسا ہو گیا تھا۔ میں سب کچھ بھول گیا اور میں نے سب کچھ بھلانے کی بھرپور کوشش کی۔

یہ اس زمانے کی بات ہے جب ہندوستان میں آزادی کی تحریک زوروں پر تھی۔ ہندوستان میں ہر طرف انگریزوں کے خلاف شدید نفرت پائی جاتی تھی۔ اس نفرت کا ردعمل انگلستان میں رہنے والے ہندوستانیوں کو بھگتنا پڑتا تھا۔ لندن میں امراء کے بعض ہوٹل ایسے تھے جہاں کالوں کا داخلہ ممنوع تھا۔ وہ جنگ کا زمانہ بھی تھا۔ کسی وقت بھی دنیا جنگ کی لپیٹ میں آسکتی تھی۔ لندن ایک بین الاقوامی شہر، برطانیہ عظمیٰ کا عظیم شہر بین الاقوامی سازشوں کا گڑھ بنا ہوا تھا۔ مجھے بظاہر سیاست و حکومت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ مجھے اپنی ذات کے ہنگاموں سے کہاں فرصت ملتی تھی لیکن جی چاہتا تھا کہ انگریزوں کا یہ پورا شہر آگ میں پھونک دوں، ان کی پوری نسل تباہ کردوں۔ یہ جذبہ لندن میں شدت اختیار کر گیا اور یہی جذبہ مجھے کشاں کشاں ایسے کلب میں جانے پر مجبور کرنے لگا جس میں ہم کالے داخل نہیں ہوسکتے تھے۔ لندن سے کوئی پانچ میل دور امرائے برطانیہ کا ایک کلب خاصا مشہور تھا۔ سنا تھا کہ وہاں صرف بڑے لوگ ہی جاسکتے ہیں۔ جب مجھے انکا نے بتایا کہ سارا کے مہربان اعزا نے اسے اپنی جانب مائل کرنے اور اس کی بے پناہ دولت پر قبضہ جمانے کے لئے اسے کلب میں لے جانا شروع کردیا ہے تو مجھ سے رہا نہ گیا۔ سارا دشمنوں کے نرغے میں گھر گئی تھی۔ میں کس کس سے لڑتا؟ ایک رات میں نے ارادہ کرلیا کہ میں اس کلب میں ضرور جاؤں گا اور ان کے چہرے دیکھوں گا۔ میری یہ خواہش قطعی فطری تھی۔ انکا جس کے پاس ہو اس کے دل میں ایسی خواہشات شدت سے ابھرتی ہیں۔ اس رات میں نے سیاہ شیروانی زیب تن کی، ہوٹل کی گاڑی کرائے پر لی اور منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب میری کار کلب کے بڑے گیٹ پر پہنچی تو دو کوڑی کے ایک دربان نے سختی کے ساتھ مجھے آگے جانے سے منع کردیا۔ میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ رقم اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔ وہ گورا، ہندوستانی ثابت ہوا۔ کسی قدر اکراہ کے بعد اس نے مجھے راستہ دے دیا۔ میری کار وسیع اور خوش نما لان عبور کرتی ہوئی کلب کے خاص دروازے پر پہنچ گئی۔ اندر داخل ہونے کا مرحلہ سخت تھا۔ سب سے پہلے میری کار کا دروازہ ایک مستعد انگریز نے کھولا۔ جب

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

میں کار سے باہر آیا تو وہ مجھے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں مجھے کلب میں داخل ہونے سے منع کر دیا۔ میں نے اس سے اصرار کیا کہ میں ہندوستان کی ایک ریاست کا نواب ہوں۔ حکومت برطانیہ کے خاص اعزازات مجھے حاصل ہیں۔ میرا شمار ان کالوں میں ہوتا ہے جو عموماً ایشیا، افریقہ اور امریکا سے آتے ہیں۔ وہ مجھ سے بالکل مرعوب نہیں ہوا۔ اسے ٹپ دینے کی پیش کش بھی ناکام ثابت ہوئی۔ پھر میں نے کہا۔ ''مجھے جانے دو۔ یہ تاج برطانیہ کے ایک وفادار کی توہین ہے'' اس نے اس بات کی بھی پروا نہ کی۔ اچھی خاصی تلخی ہونے لگی۔ کچھ میں بھی گرم ہو گیا۔ میں نے انکا کو اس کے سر پر بھیجنے سے گریز کیا۔ یہ تو تو میں میں دیکھ کر ہوٹل کے دوسرے منتظمین بھی آ گئے۔ پھر میں نے جلال کے عالم میں کہا۔ ''بخدا میں یہ کمینگی برداشت نہیں کر سکتا۔ مجھے اندر جانے کی اجازت ملنی چاہئے۔'' یہ کہہ کر میں نے اپنا پستول نکال لیا۔ پستول دیکھتے ہی وہ سراسیمہ ہو کر پیچھے ہٹ گئے اور میں تمام کر و فر اور بے نیازی کے ساتھ کلب میں داخل ہو گیا۔ اندر پہنچا تو معطر فضاؤں نے میرا احاطہ کر لیا۔ وہاں ہلکی ہلکی روشنی تھی۔ سرگوشیاں، لطیف قہقہے، شراب کی بو اور دھیمی موسیقی۔ اندر کی عمارت سے ایک شان ٹپکتی تھی۔ میں نے پستول جیب میں رکھ لیا تھا۔ میں امرائے لندن کے درمیان بیٹھ گیا۔ زیادہ تر میزیں بھری ہوئی تھیں اور مختلف جوڑے ایک دوسرے سے بے پروا ہو کر راز و نیاز میں مصروف تھے۔ وسیع ہال کے ارد گرد کمرے تھے۔ ان کمروں میں دوسری تفریحات کا انتظام بھی موجود تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ کلب میں کوئی ہنگامہ نہیں کریں گے کیونکہ اس سے کلب کی بدنامی ہوتی ہے۔ وہ میری واپسی تک منتظر رہیں گے لیکن میرا خیال غلط نکلا۔ میرے بیٹھتے ہی ایک شخص مؤدب انداز میں میرے قریب آیا اور کلب کے قواعد و ضوابط کے بارے میں بتانے لگا۔ میں نے کہا کہ میرا مقصد صرف کچھ دیر کی سیر و تفریح ہے۔ میں لندن کے امراء کی زندگی قریب سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے مطالعہ و مشاہدہ کرنا ہے۔ یہاں مہمانوں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں ہونا چاہئے۔ وہ زچ ہو کر چلا گیا۔ میرے مخصوص لباس نے بہت جلد کلب کے ممبروں کی توجہ اپنی جانب مبذول کر لی۔ منتظم فرداً فرداً میرے پاس آ کر خوشامد کرتے رہے اور میں ڈھٹائی سے بیٹھا رہا۔ سارا مجھے نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں اس اجنبی ماحول میں کسی قدر بے اطمینانی سی محسوس کر رہا تھا۔ قیمتی فرنیچر، جھاڑ فانوس، مرصع دیواریں، خوب صورت اور دیدہ زیب پردے۔ غرض ہر چیز اور ہر جگہ سے دولت کا اظہار ہوتا تھا۔ آخر مجھے دھمکی دی گئی کہ پولیس طلب کر لی جائے گی۔ میں نے مسکرا کر کہا کہ وہ یہ حربہ بھی آزما لیں۔ میں تنہا بیٹھا تھا اور سامنے ہال میں رقص کرتے ہوئے جوڑوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہاں لندن کی منتخب حسینائیں جمع تھیں۔ ایسی حسین لڑکیاں جو سڑکوں پر شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتی ہیں۔ تنہائی دور کرنے کے لئے ضروری تھا کہ کوئی ہنگامہ برپا کیا جائے، کسی لڑکی کو بلایا جائے۔ میں نے انکا کو اشارہ کیا کہ وہ اس ہال کی سب سے حسین لڑکی کو میرے پاس بلا لائے۔ لمحوں کی دیر تھی کہ میں نے

دیکھا، میکسی میں ملبوس ایک بہت دلکش لڑکی میرے پاس لڑکھڑاتی ہوئی آئی۔ اس نے مجھے سلام کیا اور بیٹھنے کی اجازت طلب کی۔ میں نے بخوشی اسے کرسی پیش کی۔ مجھے اس کے قریب دیکھ کر کلب کے منتظمین کچھ مطمئن ہو گئے۔ انکا فوراً ہی میرے سر پر آ گئی۔ وہ لڑکی وحشت زدہ انداز میں مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے شائستہ لہجے میں کہا۔ ''میرا نام دولت علی خان ہے۔ میں ہندوستان سے اپنے حاکموں کی سرزمین دیکھنے آیا ہوں۔ آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔''

''مجھے ارما آرتھر کہتے ہیں، مجھے بھی آپ سے مل کر مسرت ہوئی، آپ یہاں کب تشریف لائے؟'' اس کے لہجے میں نفاست تھی۔

''مجھے یہاں آئے دو ماہ کے قریب ہو گئے۔''

''ہندوستان...... پُراسرار ہندوستان۔ مجھے وہ ملک دیکھنے کی بڑی تڑپ ہے۔ میں نے وہاں کے مندروں، رشیوں، منیوں اور عمارتوں کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے۔ کیا واقعی ہندوستان اتنا حسین ہے، جتنا کہا جاتا ہے؟'' اس نے معصومیت سے پوچھا۔

''ہندوستان کی سرزمین حسین ہے لیکن لوگ یہاں کے حسین ہیں۔ یہ بڑے مہذب اور مہمان نواز ہیں۔'' میں نے کہا۔

اس عرصے میں میری طلب پر میز مختلف قسم کے مشروبات اور دوسرے لوازم سے بھر گئی تھی۔ میں نے مختصر وقفے میں اسے متاثر کر لیا۔ اس کی خدمت میں ایک بیش قیمت ہار پیش کیا۔ یہ ہار میں احتیاطاً اپنی جیب میں رکھ کر لایا تھا۔ اب وہ گفتگو تکرار ہو گی جو میرے اور اس کے درمیان ہوئی۔ حسین لڑکیوں کے سامنے میری زبان خوب چلتی تھی۔ کوئی ایک گھنٹے کی دل نشین اور رنگین صحبت کے بعد بھی وہ نازنین میرے پاس سے اٹھنے پر آمادہ نظر نہیں آتی تھی۔ اس عرصے میں ہال بھر گیا اور ارما کے گرد خوش پوش نوجوان چکر لگا رہے تھے۔ میں نے ابھی تک اپنی انکا سے کوئی خاص کام نہیں لیا تھا۔ جب میں ارما سے دل کش باتوں میں مصروف تھا تو انکا نے مجھے ٹہوکا دیا۔ ''سارا!'' اس نے مجھے اشارہ کیا۔

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ واقعی سارا اپنے بدن پر امراء کا لباس آراستہ کئے بغلی کمرے سے ایک چالیس سالہ شخص کے ساتھ آ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں۔ سارا نے مجھے دیکھا اور انکا نے مجھے بتایا کہ یہ شخص لارڈ اسمتھ کے مقربین میں سے ایک ہے اور اس کی دولت ہتھیانا چاہتا ہے۔ اس کے ہاتھ سارا کی پشت پر تھے اور وہ تقریباً جھکی ہوئی آ رہی تھی۔ اس کے پیچھے دو تین ادھیڑ عمر کے خوش شکل آدمی اور نظر آئے۔ وہ سب مجھ سے دور ایک میز پر جم گئے۔ معلوم ہوا کہ اندر جوئے کا کمرا ہے جہاں وہ سارا کو کھلا کر ہال میں لے آئے تھے۔ سارا بھی کبھی ان کی بات پر زور سے قہقہہ لگاتی اور وہ بے تحاشا اس کا ساتھ دیتے۔ سارا کو ان مسٹنڈوں کے درمیان دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میری تزئین، میری

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

کلدیپ، میری نرگس اور میری رخسانہ غنڈوں میں گھر گئی ہو۔ میرا خون کھولنے لگا۔ سارا سے ایک عجیب لگاؤ دل کو محسوس ہوتا تھا۔ دن بھر وہ میرے ساتھ تھی۔ رات کو میں نے اسے اس بدمستی کے عالم میں دیکھا تو احتیاط کے تمام تقاضے میرے ذہن سے محو ہو گئے۔ ادھر ارما میرے چہرے کا بدلتا ہوا رنگ دیکھ رہی تھی۔ میں کوئی تدبیر کرنے کی فکر میں تھا کہ ہوٹل کے چار منتظمین میرے پاس مؤدبانہ آئے۔ ان میں سے ایک نے مجھے ارما سے چھپا کر پستول دکھایا، میں اس دھمکی پر مسکرا دیا۔ انہوں نے مجھے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ وہ کوئی شور شرابا نہیں چاہتے تھے لیکن وہ مجھے کوئی معمولی آدمی سمجھ رہے تھے۔ کوئی لچا لفنگا، کسی وقت بھی کوئی بڑا ہنگامہ ہو سکتا تھا۔ جب میں اپنی جگہ مستعد بیٹھا رہا تو مجھے ایک جانی پہچانی شکل کا ایک شخص اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ وہ جب میرے قریب آیا اور اس نے میری صورت دیکھی تو لپک کر مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ ”ہیلو دولت علی خان! ارے آپ کہاں رہتے ہیں؟ میں تو آپ کو تلاش کر رہا تھا؟“

”جم...... جم۔ آہا سراغ رساں جم، کہو کیسے ہو؟ دیکھو بھئی یہ لوگ مجھے پریشان کر رہے ہیں۔“ وہ وہی سراغ رساں تھا جسے میں نے اپنا معمول بنا کر لارڈ اسمتھ کی روح طلب کرنے کا کام لیا تھا۔ اس نے آتے ہی ان لوگوں کو دھتکار دیا۔

”یہ دولت علی خان ہیں۔ ان کی عزت کرو۔ تم لوگوں نے صرف انہی کی وجہ سے مجھے بلایا ہے؟ لوگوں کو پہچانا کرو۔ اس کلب میں استثنائی شخصیتوں کی فہرست میں مسٹر دولت علی خان کا نام بھی لکھو۔“ جم نے الٹا انہی کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔

میرے قریب سے بھیڑ چھٹ گئی۔ جم لگاوٹ کی باتیں کرنے لگا۔ میں نے ارما سے اس کا تعارف کرایا۔ اس نے ارما سے کہا۔ ”لیکن مجھے یقین ہے، آپ یہ نہیں جانتیں کہ آپ کتنے عظیم اور دلچسپ شخص کے ساتھ اس وقت براجمان ہیں۔“

”میں ان سے مسلسل متاثر ہو رہی ہوں۔“ ارما نے شگفتگی سے کہا۔

”یہ بڑے چھپے رستم ہیں۔“ اس نے ارما سے شوخی سے کہا۔ پھر مجھ سے مخاطب ہوا۔ ”مسٹر دولت علی! میں اس کلب میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کے ساتھ زیادتی ہوئی ان لوگوں نے مجھے فون کر کے بلایا ہے، مگر چلئے اچھا ہوا، آپ سے ملاقات ہو گئی ہے۔ مس ارما بتایئے، آپ نے مسٹر دولت سے کچھ پوچھا؟“

”کس بارے میں؟“ ارما نے سادگی سے دریافت کیا۔

”ارے یہ دل کا حال بتا دیتے ہیں۔ نہ جانے کس کس مشرقی علم کے ماہر ہیں۔ لندن میں ایسے لوگ آئیں اور ان کی تشہیر نہ ہو، یہ ستم ہے۔“ جم نے چہک کر کہا۔ میں خاموشی سے سنتا رہا اور مسکراتا رہا۔

میری نظریں سارا پر تھیں۔ وہ اب جاز کی دھن پر رقص کر رہی تھی۔ ہال میں جاز کی موسیقی سے ایک کھلبلی سے مچی ہوئی تھی۔ جم میرے بارے میں ارما کو حیرت انگیز باتیں بتا رہا تھا۔ انکا خاموش بیٹھی غالباً کسی ہدایت کی منتظر تھی۔ سارا کے ہم رقص کو دیکھ کر میرے دل میں آگ سی لگی۔ میں نے انکا کو اشارہ کیا۔ تھوڑی دیر میں وہ شخص سارا کو چھوڑ کر ہال میں اچانک بدمستیاں کرنے لگا۔ اس نے بیٹھی ہوئی عورتوں کو نوچنا کھسوٹنا، قہقہے لگانا اور بوتلیں ادھر ادھر پھینکنا شروع کر دیں۔ رقص کرتے ہوئے جوڑے بھاگ کر ادھر ادھر چھپنے لگے۔ سارا نے اس شخص کو پکڑنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ کسی پاگل کتے کی طرح بے ہودگیاں کرتا رہا۔ اس نے جام توڑ دیئے۔ عورتوں کے گریبانوں میں ہاتھ ڈال کر ان کے محرم پھاڑنے شروع کر دئے۔ چند منٹ میں ہال میں چیخ پکار مچ گئی۔ شراب فرش پر بہنے لگی اور گلاس در و دیوار سے ٹکرانے لگے۔ بے ترتیبی، ہنگامہ اور انتشار دیکھ کر لوگ بھاگنے لگے۔ نہ جانے اس شخص میں کہاں سے اتنی طاقت آ گئی تھی کہ وہ کسی کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ منتظمین وحشت کی کیفیت میں ادھر ادھر پھر رہے تھے۔ ارما کا بھی مارے خوف کے برا حال تھا۔ میں دور بیٹھا اس منظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ انگریزوں کے مشہور کلب میں پہلی بار ایسا ہنگامہ ہوا تھا۔ آخر بڑی مشکل سے اسے چند آدمیوں نے پکڑا اور کلب سے باہر لے گئے۔ لندن کے امراء میں وہ ایک صاحب حیثیت شخص تھا مگر اب منٹوں میں رسوا ہو چکا تھا۔ اسے کلب سے باہر نکال کر انکا میرے پاس آ گئی۔ جم میرے پاس سے اٹھ کر اس شخص کو قابو کرنے چلا گیا تھا۔ وہ بھی واپس آ گیا۔ یہ بدمزگی دور کرنے میں کچھ وقت لگا۔ ہال میں چار سو ابتری اور دہشت پھیلی ہوئی تھی۔ میں اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں تھا۔ اب جم نے اصرار کیا تو میں ارما کے ساتھ اٹھا۔ ارما اس درمیان مسلسل پیتی رہی تھی۔ اس نے میری کمر میں ہاتھ ڈال دیا۔ ہم دوسرے کمرے میں آ گئے۔ یہ جوئے کا کمرا تھا۔ یہاں ہال کی نسبت خاصا شور تھا۔ جم مجھے کھولنے اور آزمانے کی فکر میں تھا۔ آخر وہ کہنے لگا۔

”دولت علی! کیا خیال ہے؟ یہ کھیل کیسا رہے گا۔ آپ تو یقیناً جیتیں گے۔“ اس نے جوئے کی میز کی طرف اشارہ کیا۔

”بس ارما کے نام پر آج ان کی تقدیر دیکھیں گے۔“ میں نے نوابانہ شان سے کہا۔ ”دیکھیں یہ کہاں تک کھیلتی ہیں؟“

”میری قسمت ہمیشہ خراب رہتی ہے۔“ وہ جھلا کر بولی۔

”آج آپ میرے ساتھ ہیں، آپ کی دل نواز قربت کے عوض میں آپ کے لئے دعائیں کرتا رہوں گا۔“ میں نے شوخی سے کہا۔

”میں ہار جاؤں گی، آپ کو ندامت ہو گی۔“

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

''میں آپ کو سنبھال لوں گا۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''دولت علی خان کوئی جادو کریں گے، مجھے یقین ہے۔'' جم درمیان میں بولا۔

کیا اب یہاں یہ بھی بتاؤں کہ ارما نے کس طرح جھجکتے جھجکتے پانسا پھینکا؟ اس کے قیامت خیز شباب کی طرح اس رات اس کی قسمت بھی شباب پر تھی، وہ مسلسل جیتتی رہی، جم سکتے میں رہ گیا اور مجھے گھور کر دیکھنے لگا۔ ارما کے پاس دولت کا انبار لگتا گیا، ارما کو مسلسل جیتتے دیکھ کر یہ خبر ہال میں بھی پہنچ گئی، ایک چھوٹے سے ہجوم کے ساتھ سارا بھی آئی۔ اس کے اردگرد لارڈ موجود تھے۔ وہ اس وقت مصاحب بنے ہوئے تھے۔ مجھے وہاں دیکھ کر ایک لمحے کے لئے سارا دنگ رہ گئی اور کچھ خفیف سی ہوئی، پھر وہ دونوں امراء کو چھوڑ کر میرے پاس آ گئی، ارما نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے واقف تھیں۔ میرے پاس اس کا کوئی جواز نہیں ہے کہ میں نے سارا سے بے نیازی کیوں برتی؟ شاید اس رات ارما مجھ پر غالب آ چکی تھی اور شاید سارا کو وہاں دیکھ کر میں اپنی ناراضی کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔ سارا میرے پاس آئی تو مجھے وحشت سی ہونے لگی، ارما پر میری نوازشیں بڑھ گئیں۔ میں انکا کے ذریعے چن چن کر اس کے سامنے ایسے لوگوں کو لایا جن کی جیبیں بھری ہوئی تھیں۔ سب سے پہلے تو سارا کے دونوں ساتھیوں کو انکا نے بری طرح لوٹا کھسوٹا۔ پھر کلب میں موجود کوئی شخص ایسا نہ رہا جس نے اس رات بازی نہ لگائی ہو اور ارما کے سامنے ہارا نہ ہو، یہ خبر سن کر رفتہ رفتہ ہر شخص نے بازی لگائی۔ صرف میں اور سارا بچے رہے، آخر میں انہوں نے مجھ سے اصرار کیا کہ میں بھی کھیلوں، میں ارما کا دل توڑنا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ میں دانستہ ہار گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں اپنی خوب صورت گفتگو، اپنے منفرد لباس اور ارما کو چند گر کی باتیں بتانے کی بنا پر میں وہاں ایک مقبول شخص بن گیا، یہ بات صرف سارا اور شاید سراغ رساں جم کے علم میں تھی کہ ارما کیوں جیت رہی ہے۔

آخر جب رات گئے میں وہاں سے رخصت ہوا تو ارما نے اپنی ساری رقم کلب میں محفوظ کرا دی، جم نے مجھ سے کل دن میں ملنے کا وعدہ لے لیا۔ سارا کو رخصت کر کے میں دوبارہ ارما کے پاس آ گیا۔ کلب خالی ہو چکا تھا۔ ہوٹل کے منتظمین مجھ سے اپنے رویے کی معافی مانگنے لگے۔

لندن میں دن اور اچھی راتیں گزارنے کا سامان پیدا ہو گیا۔ یہ کلب اعلیٰ درجے کی حسیناؤں، مالدار لوگوں کی جولان گاہ تھا۔ یہاں کی غذائیں اور انتظامات بہت عمدہ تھے، مجھے یقین تھا کہ یہاں کا ماحول مجھے آسودگی بخشے گا اور مجھے ادھر ادھر مارے مارے پھرنا نہیں پڑے گا۔ سب کچھ یہیں مہیا ہو جائے گا۔ لندن میں اس سے بہتر کون سی جگہ ہو گی؟ وہاں میری پہلی رات ایک آغاز اور بہت خوب صورت آغاز کی حیثیت رکھتی ہے، میں رات کلب سے نکلنے کے بعد ہوٹل نہیں گیا۔ ارما مجھے اپنی وسیع عالی شان جاگیر پر لے گئی۔ لندن کے اس کلب میں کوئی غریب انگریز داخل ہونے کی جرأت نہیں

کر سکتا تھا۔ ارما کی خوب صورت خواب گاہ میں ایک حسین لڑکی کی معطر خواب گاہ میں قدم رکھ کر مجھے نشہ سا ہو گیا۔ اس معاملے میں انکا کی ضرورت نہیں پڑی۔ وہ سوتی رہی، ارما بہت نشے میں تھی اور بہت مسرور تھی۔ اس کی خواب گاہ میں ایک مشرقی آدمی تھا۔ تنہائی تھی، محسوس کرنے کے لئے بہت کچھ تھا۔ اس نے میرا لباس بدلوا کر میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں، میں خود کو دنیا کا خوش قسمت شخص تصور کرنے لگا۔ اس کی پذیرائی کا انداز بھی کچھ اور تھا۔ وہ رات میری زندگی کی حسین ترین راتوں میں سے ایک تھی، میں پوری رات نہیں سویا۔

صبح ارما سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ سارا کے آنے سے پہلے مجھے ہوٹل پہنچ جانا چاہئے۔ ارما ساتھ چلنے پر آمادہ تھی، رات کو دوبارہ کلب پر آنے کا وعدہ کر کے میں نے جان چھڑائی۔ ہوٹل پہنچ کر میں نے لباس تبدیل کیا۔ سارا حسب توقع جلد ہی آ گئی۔ اس وقت میں نے سارا کو ان اندیشوں سے پہلی بار وضاحت سے خبردار کیا جو اس کے باپ کے انتقال کے بعد میرے دل میں ابھر رہے تھے۔ سارا خود بہت اداس اور پریشان تھی۔ اس نے بتایا کہ اس کے منع کرنے کے باوجود لوگ اسے محفلوں اور ہنگاموں میں شرکت کے لئے مجبور کر دیتے ہیں، پھر اس نے ایک ایسی بات کہہ دی کہ میں دنگ رہ گیا۔ میں نے سارا کے متعلق کبھی اتنی سنجیدگی سے نہیں سوچا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں اسے ہمیشہ کے لئے ہندوستان لے چلوں، وہ اپنی تمام جاگیر اور تمام کاروبار کا سودا کر کے ہمیشہ کے لئے میرے ساتھ جانا چاہتی تھی، میں شش و پنج میں پڑ گیا۔ بات اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ میں سارا سے صاف انکار نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے کہ میں اسے کسی اور طرح محسوس کرنا شروع کر دیا تھا۔ میرے دل سے وہ تمام بدگمانیاں دور ہو گئیں جو رات کو کلب میں اسے دوسرے لوگوں کے ساتھ دیکھ کر پیدا ہوئی تھیں۔ وہ پاک باطن لڑکی ایک بہت بڑی پیش کش کر رہی تھی۔ کس لئے؟ جمیل احمد خان کے لئے، مجھے خود سے شرمندگی ہونے لگی اور اس لڑکی پر ترس آنے لگا۔

اس دن میں دیر تک ہوٹل ہی میں رہا۔ دوپہر کو پروگرام کے مطابق نوجوان سراغ رساں جم آ گیا۔ ہم تینوں پُراسرار علوم کے موضوع پر بحث کرنے لگے۔ جم نے مجھ سے بہ اصرار پوچھا کہ کیا رات ارما کی جیت میں میری کسی روحانی قوت کو دخل تھا؟ میں نے جواب دیا۔ ''یوں ہی، ایک کوشش ضرور کی تھی۔'' سارا کے سامنے جم کچھ کہتے ہوئے جھجک رہا تھا۔ آخر سارا سے معذرت کر کے وہ مجھے ہوٹل کے ریستوران میں لے گیا۔ وہاں اس نے میری شخصیت سے متعلق اپنے تاثرات بیان کرنے شروع کر دئے۔ سراغ رساں جم کوئی بات کہنا چاہتا تھا مگر الفاظ اس کے منہ پر آتے آتے رک جاتے تھے۔ اس نے مجھے اعتماد میں لینے کے لئے محبتوں کا اظہار شروع کر دیا۔ آخر میں نے اس سے کہا۔ ''تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟''

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

"ہاں۔" وہ سرد آہ بھر کو بولا۔ "مگر ہمت نہیں ہو رہی ہے۔ ممکن ہے تم مجھ پر شک کرو۔"

"نہیں نہیں، کہو کیا تمہیں میری کسی مدد کی ضرورت ہے؟ میں تیار ہوں۔" میں نے فراخ دلی سے کہا۔

"دولت علی! تم عظیم ہو، مجھے واقعی تمہاری مدد کی ضرورت ہے، یقین کرو میں ایک با اعتماد آدمی ہوں۔"

"یقیناً۔ تم مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتے، کہو کیا بات ہے؟"

"دولت علی! بات عجیب ہے۔ میں نے تم جیسا شخص اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔ میرا قیاس ہے کہ تم اپنی گزشتہ زندگی میں غیر معمولی حادثات سے دوچار رہے ہوگے اس لئے تمہارا تجربہ وسیع ہے۔ تم بہت گہرے شخص ہو۔ میں نے اپنی آنکھوں سے تمہاری حیرت انگیز صلاحیتیں دیکھی ہیں۔ تم بولڈ، شگفتہ مزاج، مہذب اور عام آدمی سے زیادہ سوجھ بوجھ کے مالک شخص ہو، کل رات لندن کے امراء کے کلب میں تمہارا بے دھڑک چلے جانا اور پستول دکھا کر منتظمین کو خوف زدہ کرنا، ایک نئی لڑکی سے ایک دم شناسائی پیدا کر لینا اور رات اس کے ساتھ بسر کرنا، سارا جیسی تعلیم یافتہ اور حسین لڑکی کو اس قدر متاثر کرنا کہ وہ تمہارے ساتھ ہی رہنا چاہئے۔ اس کے علاوہ رابرٹ کے کیس میں تمہارا حاضرات کا عمل، تمہارا استدلال، تمہارا قیاس، تم یقیناً اس دنیا کے آدمی معلوم نہیں ہوتے۔" جم تاثر انگیز لہجے میں میری شخصیت کے بارے میں اظہار خیال کر رہا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس شخص نے میرے بارے میں کتنی معلومات اکٹھی کر لی ہیں۔

"میں ایک عام آدمی ہوں، میرے ساتھ ظلم مت کرو جم کہ مجھے کوئی خاص مخلوق سمجھنے لگو۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"نہیں نہیں دولت علی! میں حیران ہوں کہ تم کیا بلا ہو۔" اس نے زور دے کر کہا۔

"تم کچھ کہہ رہے تھے؟" میں نے شوق کا اظہار کیا۔

"میں کہنا چاہتا ہوں کہ تم یہ صلاحیتیں کسی بڑے کام کے لئے استعمال کر سکتے ہو، کوئی ایسا کام جو قوموں کے دکھ دور کرے، کوئی ایسا کارنامہ جو دکھی انسانیت کے لئے مفید ہو، کوئی ایسا اقدام جو کسی بڑے مقصد کے لئے کیا جائے۔ تم یہ صلاحیتیں بڑے، بڑے سے مراد ہے کہ عظیم اور ہمہ گیر کاموں میں لا سکتے ہو۔" جم نے کہا۔

"میں سمجھا نہیں، میرا خیال ہے کہ سر دست سب سے بڑا کام ہندوستان کی آزادی ہے۔ اس کے لئے تو میں اپنی جان تک قربان کر سکتا ہوں مگر تمہیں اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟" میں نے طنزاً کہا۔

"اوہ دولت علی! ہندوستان بھی ایک دن آزاد ہو جائے گا۔ مجھے تمہارے جذبات کا اندازہ ہے

لیکن یقین کرو، میں ہندوستان کو غلام رکھنے کے حق میں نہیں ہوں۔ اس کی آزادی کا خواہاں ضرور ہوں مگر اس وقت میں تم سے کچھ اور چاہتا ہوں۔"

"کہو، کہو۔" میں نے چھت کو گھورتے ہوئے کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم عظیم انسانی مفادات کے لئے انسانیت دشمن ملکوں کے عزائم کی بیخ کنی کرو۔ ایک فرد بھی بہت کچھ کر سکتا ہے، خصوصاً تم جیسا فرد۔" اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"تم صاف صاف بات کرو۔" میں نے تیزی سے کہا۔

"دولت علی! دنیا اس وقت جنگ کی زد پر ہے۔ عالمی طاقتیں عملاً دو بڑے بلاکوں میں تقسیم ہو چکی ہیں، ہمارا موقف تمہارے سامنے ہے۔ اگر تم نے ان طاقتوں کے خلاف ہمارے ملک کی کوئی مدد کی تو تم ایک عظیم مقصد کے لئے کام کرو گے۔"

میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "میں کوئی تبصرہ کرنا نہیں چاہتا لیکن جو کچھ تم سوچ رہے ہو، وہ میرے بس کا نہیں ہے۔"

"ہے.... ہے دولت علی! بالکل ہے۔" جم نے اصرار کیا۔ "مجھے یقین ہے کہ میں نے صحیح شخص کا انتخاب کیا ہے۔"

"منصوبہ کیا ہے؟ اگر تمہاری خاطر کوئی کام انجام دینا میری دسترس میں ہوا تو میں کوشش کروں گا۔" مجھے معلوم تھا کہ یہ نوجوان عزم کا پکا ہے۔ آسانی سے میرا دامن نہیں چھوڑے گا۔

"تم شاید کچھ سمجھ چکے ہو، ہمیں جگہ بدل لینی چاہئے۔" ہم وہاں سے اٹھ کر دوسری میز پر آ گئے اور جم سرگوشی میں بولا۔ "دولت علی! اپنے کان ادھر لے آؤ۔ غور سے سنو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔"

میں نے خود کو ہمہ تن متوجہ کر دیا۔

جم ایک خطرناک بات کہہ رہا تھا۔ میں اس کام کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن جم نے مجھے اس خوف ناک منصوبے کے بارے میں بتایا تو مجھے دلچسپی پیدا ہو گئی۔ میں نے اپنا کان اس کے قریب کر دیا۔ میری پوری زندگی مہم جوئی ہی میں گزری تھی، جم جو کام مجھ سے کہہ رہا تھا، اس میں کسی بھی لمحے بدترین رسوائی اور جان کا خطرہ لاحق تھا۔ جم نے جب اس منصوبے کی تکمیل کے نتائج سے مجھے آگاہ کیا تو میرا چہرہ تمتمانے لگا۔ میں نے کتابوں میں ان بہادر لوگوں کے بارے میں پڑھا تھا جو خطرات میں کود کر کسی بڑے مقصد کے لئے کوئی کارنامہ انجام دیتے ہیں، جم کا خیال تھا کہ چونکہ مجھے باطنی علوم آتے ہیں اس لئے میں بہت کام کا آدمی بن سکتا ہوں، جم نے مجھے اس مشن کی تکمیل کے بعد برطانیہ میں ایک بہتر زندگی کی ضمانت دی اور دولت کا لالچ بھی دیا۔ میں نے یہ دونوں پیش کش مسترد کر دیں، ان کاغذات کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ وہ برطانیہ اور اس کے حوازیوں کے لئے شہ رگ کی حیثیت

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

رکھتے تھے۔وہ کاغذات مجھے ایک دوسرے یورپی ملک سے فراہم کرنے تھے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں ان کی تفصیلات پورے طور پر بیان نہیں کر سکتا۔ جم کی بات دل جمعی سے سن کر میں نے آمادگی کا اظہار فوراً نہیں کیا۔ بہت اکراہ کے بعد کہیں تیار ہوا۔ پھر جم سے دوسری تفصیلی ملاقات کا وقت طے ہو گیا۔ سارا کمرے میں تنہا بیٹھی تھی اس لئے ہم دونوں اٹھ گئے۔ سارا شام تک میرے پاس رہی مگر میرا ذہن جم کی باتوں میں الجھا رہا۔ انکا بھی کسی سوچ میں گم تھی۔

شام کو سارا اداس اداس اپنے گھر چلی گئی۔ میں نے کلب جانے کے لئے آج ایک عمدہ سوٹ اپنے جسم پر سجایا۔ ابھی میں جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ میں سمجھا ارمایا جم کا فون ہو گا لیکن وہ اس ترکی جادوگر کی کال تھی جسے میں نے بھرے مجمع میں شرمسار کر دیا تھا۔ اس نے پہلے بھی کئی بار مجھ سے ملنے کی کوشش کی تھی مگر میں ٹالتا رہا۔ آج بہت دنوں بعد پھر اس کا فون آیا تھا۔ اس دن کے بعد اسے اس شہر میں اپنا رنگ جمانے کی ہمت نہیں ہو سکی تھی۔ اس وقت فون پر وہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ شام کو میں اس کے اسٹیج پر پہنچوں۔ اس کا کہنا تھا کہ ترکی سے اس کا استاد سلیمان بے آ گیا ہے اور وہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں نے اسے منع کر دیا کہ مجھے امرا کے کلب جانا ہے اس لئے میں نہیں آ سکتا۔ اس کا اصرار بہت بڑھا پھر وہ لجاحت سے کہنے لگا۔ ''دولت علی! تم چاہے وہاں ہار جانا۔ اس سے تم پر کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن میری گری ہوئی ساکھ بحال ہو جائے گی۔'' میں نے فون بند کر دیا۔ یہ کم بخت میرے پیچھے پڑ گیا تھا۔ شکست کا کینہ اب تک اس کے دل میں موجود تھا حالانکہ مجھے کبھی اس واقعے کا خیال بھی نہیں آتا تھا۔ فون بند کر کے میں نے ہوٹل سے گاڑی لی۔ میری گاڑی کلب کے راستے پر دوڑنے لگی۔

کوئی گیارہ بجے کا عمل تھا۔ میری سیاہ گاڑی امرائے لندن کے کلب کی جانب گامزن تھی۔ میں اپنی دھن میں مست چلا جا رہا تھا۔ یہ کلب آبادی سے دور واقع تھا۔ جب میں ایک نسبتاً ویران سڑک پر پہنچا تو ایک جگہ اچانک انکا نے اپنے پنجے میرے سر پر چبھوئے۔ میں نے حیران ہو کر عالم تصور میں انکا کی طرف دیکھا۔ انکا سخت غصے میں نظر آئی۔ یہ خطرے کی گھنٹی تھی۔ سڑک کے بیچوں بیچ ایک رکاوٹ کھڑی کر دی گئی تھی۔ اگر میں انکا کے اشارے پر زور سے بریک نہ لگاتا تو خطرناک ایکسی ڈنٹ ہو جاتا۔ ممکن تھا کہ اس بار دوسرا ہاتھ بھی ضائع ہو جاتا۔ گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ لکڑی کے ایک بڑے گٹھے کے نزدیک رک گئی۔ میں جائزہ لینے کے لئے کار سے اترا تو مجھ پر چار پانچ آدمیوں نے بیک وقت اتنے زور سے یلغار کی کہ میں کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔ پھر انہوں نے اسی تیزی سے دوبارہ مجھے میری گاڑی میں ڈالا اور گاڑی موڑ لی۔ ان کی گرفت اتنی شدید تھی کہ میرا سانس گھٹنے لگا۔ وہ پانچ آدمی تھے۔ تین آگے اور دو پیچھے بیٹھ گئے۔ ان کے ہاتھوں میں پستول تھے۔ چہرے مہرے سے وہ جرائم پیشہ معلوم ہوتے تھے۔ یہ کام اتنی عجلت میں ہوا کہ میں کچھ سمجھ نہ سکا۔ میں نے دل ہی دل میں انکا کو مخاطب کیا، انکا سخت بے چین

اور مضطرب نظر آ رہی تھی۔ وہ کہنے لگی۔ ''جمیل! تم مشکل میں گھر گئے ہو۔ میں اگر ڈرائیور کے سر پر جا کر راستہ بدلواتی ہوں تو بقیہ چار کسی وقت بھی کچھ کر سکتے ہیں کیونکہ انہیں یہی حکم ملا ہے۔''

''یہ کون لوگ ہیں؟'' میں نے گھبرا کر پوچھا۔

''یہ اس شخص ایڈورڈ کے کرائے کے آدمی ہیں جو کل تمہیں سارا کے ساتھ نظر آیا تھا۔ اسے چھوڑ کر جب سارا تمہارے پاس آئی تھی تو اس نے اسی وقت تمہیں ٹھکانے لگانے کے لئے سوچ لیا تھا۔ وہ سمجھتا ہے کہ تم سارا کے حصول کی راہ میں اس کے لئے رکاوٹ بن گئے ہو۔'' انکا نے بھرائی آواز میں کہا۔

''اوہ۔ یہ سارا عذاب جان بن گئی۔ اب یہ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں اور تم نے کیا سوچا ہے؟'' میں نے پریشانی سے پوچھا۔

''یہ تمہیں کسی ویرانے میں لے جا کر ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ ان سب کے ہاتھوں میں پستول ہیں اور یہ بڑے نڈر لوگ ہیں۔''

''تو کیا تم اسی طرح بیٹھی رہو گی؟'' میں نے جھنجلا کر کہا۔

''میں صرف ایک شخص کے سر پر جا سکتی ہوں۔ لیکن پہلے بقیہ لوگوں کے بارے میں مطمئن ہونا چاہتی ہوں کہ وہ تمہارا کچھ بگاڑیں گے تو نہیں؟''

''لیکن مجھے ویرانے میں لے جانے کے بعد تو ان کا کام اور آسان ہو جائے گا۔ تم کوئی غلطی تو نہیں کر رہی ہو؟ دیکھو آبادی بہت دور ہوتی جا رہی ہے۔''

''مجھے سوچنے دو۔ تم تو میرے ہاتھ پیر پھلائے دے رہے ہو۔''

میں ان کے درمیان پھنسا بیٹھا تھا۔ ان کی آنکھیں میری طرف لگی ہوئی تھیں۔ میں نے خوفزدہ لہجے میں ان سے پوچھا۔ ''آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں؟''

''لارو!'' ایک شخص نے قہقہہ لگا کر اپنے ساتھی کو مخاطب کیا۔ ''لارو اسے بتاؤ کہ ہم اسے کہاں لے جا رہے ہیں؟'' اس بات پر سب نے قہقہہ لگایا۔

پھر میں نے ان سے کوئی بات نہیں کی۔ کچھ وقفے کے بعد ان میں سے ایک بولا۔ ''کچھ اور پوچھنا چاہتے ہو؟''

''شاید یہ میرے آخری لمحے ہیں۔'' میں نے ہراس سے کہا۔

''تم ذہین آدمی ہو۔ اس آخری وقت میں کوئی خواہش ہو تو بتاؤ، پوری کی جائے گی۔'' ان میں سے ایک رعونت سے بولا۔

''میں سوچ کر بتاؤں گا، اس وقت تو میرا ذہن معطل ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ آخر میں نے کیا غلطی کی تھی جو تم لوگ مجھے مارنے کے درپے ہو۔'' میں نے اٹک اٹک کر کہا۔

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

"ہمیں نہیں معلوم۔ ہمیں تو صرف اتنا معلوم ہے کہ تمہیں آج جہنم رسید کرنا ہے مگر..... مگر....."

وہ کچھ سوچ کر بولا۔ "تم اتنے خطرناک آدمی تو دکھائی نہیں دیتے۔"

"میں بہت معصوم اور بے قصور شخص ہوں۔ شاید تم لوگوں کو دھوکا ہو گیا ہے۔" میں نے فریاد کی۔

گاڑی ایک درخت کے سائے میں ٹھہر گئی۔ انہوں نے مجھے دھکے دے کر باہر نکالا اور میری گاڑی وہیں چھوڑ کر ایک دوسری گاڑی میں بیٹھ گئے۔ یہ ایک ویگن تھی۔ اس میں ایک ڈرائیور پہلے سے بیٹھا تھا۔ اب وہ چھ ہو گئے تھے۔ میں نے تذبذب سے انکا کو دیکھا۔ "تم..... تم..... کیا سوچ رہی ہو؟" میں نے دل ہی دل میں اس سے پوچھا۔

"انہیں چلنے دو۔ یہی بہتر ہے۔" انکا نے مختصر جواب دیا۔

"تمہاری ذرا سی غلطی سے خبر ہے کیا ہو سکتا ہے؟" میں نے کہا۔

"مجھ سے زیادہ باتیں نہ کرو۔ خاموش بیٹھے رہو۔" انکا نے کسی قدر تحکم سے کہا۔ مجھے اس کا یہ لہجہ برا لگا مگر میں خاموش ہو گیا۔

ویگن پوری رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ پھر اس سفر کو کوئی بیس منٹ ہوئے ہوں گے کہ درختوں کی آڑ میں گاڑی روک لی گئی۔ ہر طرف گھپ اندھیرا طاری تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ مجھے اتار کر دھکا دیتے ہوئے ایک طرف بڑھ رہے تھے۔ اونچے درختوں نے یہ مقام اور ہولناک بنا دیا تھا۔ میں خاموشی سے ان کے آگے چل رہا تھا۔ وہ سب میرے پیچھے تھے۔ صرف ایک شخص میرے بازو میں تھا۔ انکا بری طرح پہلو بدل رہی تھی اور سخت بے چین نظر آ رہی تھی۔ آخر ہم ایک ایسے مکان پر پہنچ گئے جو برطانیہ کے قدیم طرز کے نمونے پر بنا ہوا اور باہر سے کوئی گرجا نظر آتا تھا۔ مکان میں کوئی کھڑکی روشن نہیں تھی۔ اس سناٹے میں ان کے بھاری جوتوں کی آوازیں دل ہلائے دے رہی تھیں۔ ایک شخص نے مکان کے بڑے دروازے پر زوردار ٹھوکر ماری۔ وہ کھل گیا۔ انہوں نے مجھے اندر دھکیل دیا اور کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ عین دروازے پر انکا میرے سر سے اتر گئی۔ یہ ایک اجاڑ مکان تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ مکان عرصے سے بے مکین ہو۔ کئی جگہ ہم لوگوں کو ٹھوکریں لگیں۔ وہ مجھے ایک زینے کی طرف لے گئے۔ ہم زینے پر چڑھ رہے تھے کہ پیچھے ایک شخص کے گرنے کی آواز آئی۔

"کیا ہوا؟" ان میں سے ایک چیخا جو میرے برابر تھا۔

"مجھے چوٹ لگ گئی ہے۔" وہ کراہا اور درد سے بلبلانے لگا۔

دو آدمی میرے پاس رہ گئے اور باقی دو نچلی سیڑھیوں پر اتر گئے۔ مجھے ٹھہرا لیا گیا تھا۔ مجھے انکا کی مشکل کا اندازہ تھا۔ میرے ساتھ جو آدمی کھڑے تھے ان کے پستول تنے ہوئے تھے۔ جب انہوں نے اپنے ساتھی کی چیخیں سنیں تو اندھیرے میں نیچے کی طرف دیکھا۔ "کیا ہو گیا؟" میرے برابر کا شخص

دہاڑا۔

"شاید اس کا سر پھٹ گیا ہے؟" نیچے سے آواز آئی۔

پھر مکان میں سرگوشیاں گونجنے لگیں۔ ایک اور فلک شگاف چیخ نیچے سے ابھری۔ اسی لمحے انکا میرے سر پر آئی اور مجھے سیکنڈوں میں ایک ہدایت دے کر چلی گئی۔ نیچے وہ شخص تڑپنے لگا۔ اپنے ساتھی کی دل دوز چیخیں سن کر میرے برابر کھڑے ہوئے دونوں آدمی تجسس سے نیچے اپنے زخمی ساتھی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ یہ دوسرا موقع تھا۔ پہلا موقع مجھ سے ضائع ہو چکا تھا لیکن میں نے دوسرا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ ان کے نیچے کی طرف متوجہ ہونے کی دیر تھی کہ میں نے برق رفتاری کے ساتھ اور اپنے جسم کی پوری قوت سے انہیں نیچے کی طرف دھکیل دیا۔ اسی وقت پستول چلنے کی آواز آئی لیکن میں اس وقت تک اوپر کی سیڑھی پر پہنچ کر بالکونی کی آڑ میں ہو گیا تھا۔ میں نے اپنی پتلون کے اندرونی حصے سے ریوالور نکالا اور ابھی نیچے کی طرف فائرنگ کرنے ہی والا تھا کہ نیچے سے فائرنگ کی آواز تیز ہوئی اور ساتھ ہی چیخوں کی بھی۔ میں سمجھ گیا کہ انکا اپنا کام کر چکی ہے۔ میں نے اطمینان سے ریوالور دوبارہ جیب میں رکھ لیا۔ تھوڑی دیر میں وہاں مکمل سکوت چھا چکا تھا اور انکا میرے سر پر ہانپتی ہوئی آ چکی تھی۔ میں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا اور آنکھوں سے وحشت برس رہی تھی۔

"وہ سب ختم ہو گئے ہیں۔" انکا نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

"مگر یہ سب کچھ اتنی جلدی کیسے ہوا؟" میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"بس مجھے تیزی کے ساتھ سر بدلنے پڑے۔" اس نے مختصراً جواب دیا پھر کہنے لگی۔ "میدان صاف ہے۔ تم یہاں سے فوراً چلے جانا۔ میں کچھ دیر بعد تمہارے سر پر آ جاؤں گی۔"

میں نے تشکر اور احسان مندی کی نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ اس عرصے میں پہلی بار مسکرائی اور میرے سر سے غائب ہو گئی۔ نیچے سیڑھیوں پر اترتے وقت اندازہ ہوا کہ وہاں خون ہی خون پڑا ہوا ہے۔ چھ انسانی لاشیں ادھر ادھر بکھری پڑی تھیں۔ میں اپنے جوتے خون سے بچاتا ہوا فوراً باہر آ گیا۔ ویگن میں سوار ہونے کے کچھ دیر بعد ہی میں اپنی گاڑی تک پہنچ گیا۔ میں نے ویگن وہیں چھوڑ دی اور رومال سے اپنی انگلیوں کے نشانات صاف کر دیئے۔

میرا ذہن کسی قدر مطمئن تھا اور میں ایک بھیانک منظر دیکھنے کے بعد اپنی گاڑی میں سوار پھر اس خوشگوار ماحول کی طرف بڑھ رہا تھا، جو کلب میں میرا منتظر تھا۔ اس بار مجھے کسی نے داخل ہونے سے نہیں روکا۔ استقبالیہ پر کھڑے ہوئے خوش پوش نوجوان نے مسکرا کر میرا خیر مقدم کیا اور میں ایک شان بے نیازی سے ہال میں داخل ہو گیا۔ خوشبوؤں اور موسیقی کی حسین لہروں نے مجھے تر و تازہ کر دیا۔ میں کسی میز پر فوراً نہیں بیٹھا بلکہ ہجوم کی طرف [illegible] پر پڑی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

ہاتھ سے جام گر گیا۔ میں نے مسکرا کر اسے ''ہیلو'' کہا۔ لارڈ اسمتھ کے جنازے میں اس سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ سارا آج اس کے ساتھ نہیں تھی۔ اس سے مصافحہ کرنے کے بعد میں خاموشی سے کونے کی ایک میز پر آ کر بیٹھ گیا۔ میرے بیٹھنے کی دیر تھی کہ ایک مؤدب شخص نے میز پر اعلیٰ درجے کے مشروبات سجا دیئے۔ آج انکا نہیں تھی۔ اس لئے میں خاموش تماشائی کی طرح حسرت سے ہال میں رقص کرتے ہوئے جوڑوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نظر ایک جگہ ٹھہر تی نہیں تھی۔ کس کس کو دیکھئے کس کس سے جی لگائیے۔

قدرت کے بوستان کا ہے گل جس کو دیکھئے
چاروں طرف بہار ہے کس کس کو دیکھئے

میں سوچنے لگا کہ اگر اس کلب کی تمام دوشیزاؤں سے رابطہ رکھا گیا تو مجھے لندن میں کئی ماہ اور گزارنے پڑیں گے۔ میں راتوں اور عورتوں کا شمار کرنے لگا۔ ابھی ہال پوری طرح بھرا نہیں تھا۔ ارما بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ انکا کی عدم موجودگی سے مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میں بے بس اور کمزور ہو گیا ہوں۔ میں انکا کے بارے میں سوچ رہا تھا اور تھوڑی دیر پہلے پیش آنے والے لرزہ خیز حادثے پر غور کر رہا تھا کہ اچانک سراغ رساں جم ایک حسین و جمیل لڑکی کے ساتھ ہال میں داخل ہوا۔ اس کی نگاہیں مجھے تلاش کر رہی تھیں۔ آج چونکہ میں نے شیروانی نہیں پہنی تھی اس لئے مجھ پر اس کی نظر فوراً نہیں پڑی۔ اس کے ساتھ اتنی حسین لڑکی دیکھ کر میرے سینے میں فشار برپا ہونے لگا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔ جم نے مجھے آنکھ کا اشارہ کیا اور سرشار لہجے میں کہنے لگا۔ ''دولت علی! یہ ہیں میری دوست مس جین مارنڈا۔ ان سے ملو۔ صبح تم سے ملاقات کے بعد میں نے ان سے تمہارا باقاعدہ تعارف کرا دیا تھا۔''

میں سمجھ گیا کہ یہ لڑکی کون ہو سکتی ہے۔ اس کا بدن اتنا شاداب تھا کہ مجھے اپنی نگاہیں ہٹا لینی پڑیں۔ پہلی ہی ملاقات میں اس پر کوئی برا تاثر نہیں پڑنا چاہئے تھا۔ میں نے گرم جوشی سے اسے اپنی میز پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ دلچسپ اور معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بیٹھ گئی۔ جم نے مجھ سے کہا۔ ''دولت علی آج تم میری درخواست پر جین کے سامنے اپنی غیر معمولی طاقتوں کا مظاہرہ کرو گے۔ جین کے بارے میں کچھ بتاؤ۔'' میں نے کن انکھوں سے جین کے مشتاق چہرے کا جائزہ لیا۔ وہ اپنے بارے میں جاننے کے لئے بے قرار نظر آ رہی تھی۔ انکا ہوتی تو وہیں کچھ انکشافات کر دیتا جو یقیناً دھماکے ثابت ہوتے، لیکن انکا کی واپسی کا انتظار کرنا تھا۔ میں نے کچھ تحمل کی درخواست کی اور جین کی خدمت میں شیمپین کا ایک جام بنا کر پیش کیا۔ میں جین سے ہندوستان کی پُراسرار زمین کے متعلق گفتگو کر رہا تھا۔ اتنے میں ارما شوخ و [illegible]
شنگ لباس میں وہاں آ [illegible]

اس کے گرد جمع ہو گئیں اور ہمیں ایک بڑی میز پر منتقل ہونا پڑا۔ وہ تمام لڑکیاں مجھے اشتیاق آمیز نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ جیسے میں کوئی عجوبہ ہوں۔ مجھے خود پر بڑا تاسف ہوا کہ میں اتنے دنوں تک لندن میں بیکار ہی پھرتا رہا اور عام سے کلبوں، ہوٹلوں اور عام سی محفلوں میں اپنا وقت برباد کرتا رہا۔ ان دو دنوں میں کس قدر تبدیلیاں آئی تھیں۔ اس وقت میں راجا اندر بنا بیٹھا تھا اور ارما اپنی سہیلیوں کو رات کی جیت سے متعلق خوش ہو کر تفصیلات بتا رہی تھی۔ ارما کی گفتگو سے جین کا تاثر لینا ضروری تھا۔ میں صرف اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ وہ سنجیدگی سے شیمپین کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے رہی تھی اور ارما کی باتیں بڑے انہماک سے سن رہی تھی۔ آج میں نے ارما کے بجائے کسی اور نازنین سے راز و نیاز بڑھانے کا ارادہ کیا تھا۔ لندن میں غلام ملک کا ایک باسی یہی کر سکتا تھا کہ وہ اپنے حاکموں کی خوب صورت دوشیزاؤں کے پہلو میں بیٹھ کر اپنا جی بہلانے۔ جب سے جین نظر آئی تھی، میرے حواس معطل ہونے لگے تھے۔ جم سے اس کا کوئی خاص رابطہ معلوم ہوتا تھا۔ آج کی شب بے کیف ہوتی نظر آ رہی تھی کیونکہ انکا غائب تھی اور اس کے جلد آنے کا امکان بھی نہیں تھا۔ ادھر جم اور ارما کا اصرار تھا کہ میں جوئے خانے کی طرف چلوں اور آج جین کی قسمت آزماؤں۔ میں نے انہیں باتوں میں الجھائے رکھا۔ جب ہال میں موسیقی کا شور بڑھ گیا اور رقص تیز ہو گیا تو میں نے طبیعت کی ناسازی کا بہانہ کیا اور جم سے معذرت چاہنے لگا۔ چلتے چلتے میں نے جین اور جم کو دوسری شام اپنے ہوٹل میں مدعو کر لیا۔ میرا خیال تھا اب مجھے ترکی جادوگر اور اس کے استاد سے مقابلہ کرنا ہی پڑے گا۔ ورنہ جین کو سر کرنا ذرا مشکل ہو جائے گا۔ انکا کو کسی لڑکی کے سر پر بٹھا کر التفات حاصل کرنے میں وہ چاشنی نہیں تھی جو خود، سر کرنے میں محسوس ہوتی تھی۔ میں دروازے پر پہنچا ہی تھا کہ ارما نے مجھے پکڑ لیا اور اصرار کر کے میرے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ چار و ناچار مجھے اسے اپنے ہوٹل پر لانا ہی پڑا اور یہ عہد توڑنا پڑا کہ میں امرائے لندن کے کلب سے ہر روز ایک نیا رابطہ پیدا کروں گا۔ ارما رات بھر میرے ساتھ رہی اور میں اس کے ساتھ کھیلتا رہا لیکن ساری رات جین کا چہرہ میرے تصور میں گھومتا رہا۔ رات گئے انکا میرے سر پر آ گئی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور وہ بڑی ہشاش بشاش نظر آ رہی تھی۔ وہ شوخی سے بولی۔ ''جمیل! تم رات بھر جاگو اور میں سوتی ہوں۔''

اور میں واقعی جاگتا رہا۔ صبح کا ذب کے وقت تکان سے میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔ ارما بھی نڈھال ہو گئی تھی۔ مجھے یاد نہیں کہ کیا وقت ہو گا جب نیند نے مجھ پر غلبہ پایا۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ میں نے خواب میں کلپنا کو دیکھا۔ وہ میرے سرہانے بیٹھی مجھے غور سے تک رہی تھی۔ میں اسے اچانک دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ اس کے بال کھلے ہوئے تھے اور چہرے سے یاسیت ہویدا تھی۔ اس کا حسن سوگوار تھا اور وہ کسی دیوی کی طرح ساکت نظر آ رہی تھی۔ میرے مضطربانہ استفسار پر اس کے خوب صورت لب ہلے اور وہ اتنا کہہ کر غائب ہو گئی۔ ''جمیل احمد خان! سیاہ بادل چھٹ گئے ہیں۔ اب آ کاش

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

صاف ہے اور دو موسم بیت چکے ہیں۔''

یہ کہہ کر وہ غائب ہوگئی اور میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے اپنے سر کی طرف دیکھا۔ انکا غافل سو رہی تھی۔ ارما میرے سینے پر سر چھپائے لمبے لمبے سانس لے رہی تھی۔ میں نے اس کے بدن پر چادر ڈال دی۔

صبح ہی صبح سارا آ دھمکی۔ اس وقت تک ارما بیدار نہیں ہوئی تھی۔ وہ میرے بستر پر بے ترتیب حالت میں بے سدھ پڑی ہوئی تھی۔۔

خواب میں کلپنا کی آمد بے مقصد نہیں تھی۔

میں اس خواب سے پہلے ہی پریشان تھا کہ صبح ہی صبح ارما کی موجودگی میں سارا کو دیکھ کر وحشت دو چند ہوگئی۔ لندن میں قیام کے دوران حسین وجمیل سارا سے جو ایک ربط خاص پیدا ہو گیا تھا، اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ میرے کمرے میں ارما کی موجودگی سے لاعلم رہے حالانکہ اب اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی، مجھے جلد ہی ہندوستان واپس جانا چاہئے تھا۔ یہاں آئے خاصے دن گزر چکے تھے۔ ادھر بدری نرائن پر کالی کا تحفظ ختم ہو چکا تھا۔ اب اس کمینے کو خون کے آنسو رلانا تھا جس وقت سے میں نے خواب میں کلپنا کو دیکھا تھا، مجھے یہ سارا رنگین ماحول بے کیف معلوم ہو رہا تھا۔ اس شہر دل ربا سے میرا جی اچاٹ ہو چکا تھا۔ لندن کی دل کش فضاؤں اور ماہ وشوں کے جلوؤں میں کھو کر میں اپنے سب سے بڑے دشمن بدری نرائن کو کسی حد تک بھول چکا تھا۔ سینے پر ایک بوجھ سا پھر محسوس ہونے لگا۔ بدری کے لگائے ہوئے تمام زخم تازہ ہونے لگے۔ جیل کی اذیتیں اور در در بھٹکنے کی صعوبتیں، بھیک مانگنے کے شرم ناک واقعے اور نرگس و مالا کے دل خراش صدمے، ایک حادثہ ہوتا تو بھلا دیتا، ایک سانحہ ہوتا تو بھول جاتا۔ یہ سلسلہ تو بہت طویل تھا۔ جب کلپنا نے خواب میں مجھے یہ نوید دی کہ بادل چھٹ گئے ہیں تو ارما کا گداز بدن برا لگنے لگا۔ سارا کی آمد بھی بری لگی، رات کو چھ ہلاکتوں کا تکدر ذہن پر طاری تھا۔ ارما نے مجھے یوں بھی ساری رات جگایا تھا۔ رات کے آخر ہی میں جا کر کہیں آنکھ لگ گئی تھی۔ سارا آئی، اس کے ساتھ گزارے ہوئے لمحوں نے مجھے وضع داری پر مجبور کر دیا۔ میں نے اسے اگلے کمرے میں روکے رکھا اور بوکھلا کر پوچھا۔ ''کیا بات ہے عزیز از جان سارا! یہ تم صبح ہی صبح کیسے آ گئیں، خیریت تو ہے؟''

''دولت علی!'' سارا اضطراب میں میرے سینے سے لگ گئی۔ ''دولت علی! مجھے رات بھر نیند نہیں آئی ہے، اب وہ گھر مجھے کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے یا تو تم مجھے یہاں بلا لو یا خود میرے گھر میں منتقل ہو جاؤ۔''

میں ایک لمحے کے لئے ساری بات سمجھ گیا۔ جب سے سارا کے باپ کا قتل ہوا تھا، وہ اسی طرح اداس نظر آتی تھی۔ میں نے اس کی ٹھوڑی اوپر اٹھا کر کہا۔ ''ارے نہیں سارا! تم اتنی بزدل کب سے

ہو گئیں؟ تمہارے ہاں ملازموں کی ایک بڑی فوج موجود ہے اور ابھی تو میں لندن میں ہوں، میرے ہوتے ہوئے تمہیں یہ خوف کیسا؟ کون تم پر انگلی اٹھا سکتا ہے؟''

''دولت علی! مجھے نہ جانے کیا ہو گیا ہے۔ جب سے پاپا گئے ہیں، کچھ عجیب حالت ہو گئی ہے، خود سے خوف آنے لگا ہے۔'' وہ تقریباً روتے ہوئے بولی۔

''بس بس، اس کا ایک ہی حل ہے۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔ ''اب تمہاری شادی ہو جانی چاہئے۔''

میری بات پر اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور مجھے فوراً خیال آیا کہ میں نے ایک بے موقع بات کہہ دی ہے جو میرے پچھلے رویے کی نفی کرتی ہے۔ ''میرا مطلب ہے۔'' میں نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔ ''اب تمہارا کوئی انتظام کرنا ہی پڑے گا۔ آؤ میرے ساتھ۔ ڈائننگ ہال میں بیٹھتے ہیں۔'' لیکن بوکھلاہٹ میں مجھے یہ خیال بھی نہ رہا کہ میں شب خوابی کا لباس پہنے ہوئے ہوں اور میں نے غسل بھی نہیں کیا ہے، وہ کسی بھی لمحے اندر جا سکتی تھی یا ارما کسی بھی وقت باہر آ سکتی تھی۔ میں عجیب شش و پنج میں مبتلا تھا۔ میں اس کی تشریح نہیں کر سکتا۔ جب مجھے واپس ہندوستان جانا تھا تو یہ احتیاط کیوں مانع تھی۔ اس کا صرف یہی جواب ہو سکتا ہے کہ سارا کو کسی اور طرح محسوس کیا گیا اور برتا گیا تھا اس کے ساتھ میرے بہت سے تشنہ جذبے وابستہ ہو گئے تھے۔ میں اسے تسلی دینے کے لئے اوٹ پٹانگ جملے بول رہا تھا۔ مجبوراً میں نے زور زور سے اپنے سر پر ہاتھ پھیر کر انکا کو جگایا۔ اس نے ایک بھرپور انگڑائی لی اور آنکھیں مل کر میری طرف دیکھا تو میں نے دل ہی دل میں سارا کی غیر متوقع آمد سے پیدا ہونے والی صورت حال کے متعلق اسے بتایا۔ ایسے موقعوں پر وہ شرارت کرنے لگتی تھی چنانچہ بجائے اس کے کہ وہ میری مدد کرتی، شوخیاں کرنے لگی اور اپنی عادت کے مطابق جملے کسنے لگی۔ آخر میرے اصرار پر وہ میرے سر سے پھدک کر اتر گئی۔ پھر اچانک سارا نے اسی کمرے میں نڈھال ہو کر خود کو صوفے پر گرا دیا اور آنکھیں موند لیں۔ میں اس کی طرف سے مطمئن ہو کر اندر گیا۔ ارما کو جگانا بے سود تھا۔ لباس پہن کر میں بہ عجلت تمام باہر آیا اور سارا کو کمرے سے باہر لے گیا۔ جب ہم ڈائننگ ہال میں بیٹھ گئے تو انکا نے میرے سر پر آ کر بتایا کہ اب وہ ارما کے سر پر جا رہی ہے۔

ناشتے کے دوران میں نے صبح کے اخبارات منگوائے۔ سرسری مطالعے سے یہ اطمینان ہو گیا کہ گزشتہ رات چھ آدمیوں کے سنسنی خیز قتل کا واقعہ ابھی تک اخبارات کے علم میں نہیں آیا ہے۔ ایڈورڈ نے مجھے ٹھکانے لگانے کے لئے ایک ویران جگہ اسی لئے منتخب کی تھی۔ یہ چھ قتل سارا کے سبب ہوئے تھے مگر اسے پتا نہیں تھا۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ ایسے لمحے میں کافی کا گھونٹ اتارتے ہوئے میں نے یہ تلخ بات کہہ دی کہ میں عنقریب ہندوستان واپس جا رہا ہوں۔ یہ اطلاع سن کر ڈائننگ ہال میں اس کے رخسار آنسوؤں سے بھیگ گئے۔ حسب توقع اس نے رو رو کر

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

سے مزید قیام کے لئے منتیں شروع کر دیں اور جب میں نے اپنی واپسی ضروری ثابت کرنے کے لئے تاویلات پیش کیں تو وہ میرے ساتھ چلنے کے لئے اصرار کرنے لگی۔ دونوں صورتیں ناممکن تھیں، مجھے ہندوستان میں اس بدمعاش پنڈت سے نمٹنا تھا۔ میں سارا کو دوبارہ آنے کے دلاسے دیتا رہا۔ اتنے مختصر عرصے میں وہ مجھ سے اس حد تک قریب آ چکی تھی کہ اسے واپس کرنا مشکل نظر آ رہا تھا۔ وہ جذباتی وعدے جو اس سے کسی لمحاتی کشمکش کے سبب کئے گئے تھے، اب رنگ لا رہے تھے۔ ناشتے کے دوران بے لطفی سی رہی۔ تھوڑی دیر میں انکا اپنا کام ختم کر کے میرے سر پر وارد ہوگئی۔ اب مجھے اپنے کمرے میں جانے کا راستہ صاف ملا۔ میں سارا کو لئے ہوئے اندر آ گیا۔ ارما کو انکا نے روانہ کر دیا۔ کمرے میں آتے ہی سارا نے باقاعدہ رونا شروع کر دیا۔ جب میں نے ہوائی جہاز میں نشست محفوظ کرانے کے لئے فون کیا تو اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ بدقسمتی سے آئندہ دو تین دن تک کی تمام نشستیں مخصوص تھیں، اس لئے مجھے ایک ہفتے بعد کی بکنگ کرانی پڑی۔ میں چاہتا تھا کہ نوجوان سراغ رساں جم کے معاملے میں الجھنے سے پہلے میں ہندوستان روانہ ہو جاؤں۔ اگر مجھے اسی دن نشست مل جاتی تو میں سب کو چھوڑ کر روانہ ہو جاتا۔ لندن میں میری آمد کا واحد مقصد اپنے ٹوٹے ہوئے ہاتھ کی بدنمائی دور کرنا تھا۔ یہ کام پھر کبھی فرصت کے اوقات میں کیا جا سکتا تھا۔ میرے سامنے ایک ہفتہ تھا۔ میں نے اس مدت میں پورا لندن کھنگالنے کا فیصلہ کر لیا۔ میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا کہ سارا کو سر کیوں نہ کیا جائے۔ پھر کون کسی سے ملتا ہے؟ مجھے خوب اندازہ تھا کہ سارا جیسی حسین لڑکی سے محروم ہو کر کیسی تشنگی سی محسوس ہوگی لیکن میں اس خیال کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ ویسے تو صرف اشارے کے دیر تھی لیکن اشارہ کرنے کے لئے بڑی ہمت کی ضرورت تھی، وہ دن بھر میرے ساتھ رہی۔ ہم لندن میں مختلف مقامات پر بے مقصد گھومتے رہے پھر شام کے قریب ہوٹل میں آ گئے۔ میں سونے کے لئے لیٹ گیا۔ وہ بھی میرے نزدیک لیٹ گئی اور مجھ سے باتیں کرتی رہی۔ میں جلد ہی سو گیا۔ جب اٹھا تو اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ چھت کی طرف تک رہی تھی۔ وہ آج کسی طور مجھ سے جدا نہیں ہونا چاہتی تھی۔ شام کو میں نے جم سے ملاقات کا وقت طے کر رکھا تھا۔ کل رات اس کے ساتھ جینی کو دیکھ کر میرے ذہن میں ایک ہیجان سا برپا ہوا تھا۔ جم سے جینی کا کوئی خاص تعلق معلوم ہوتا تھا مگر اسے پہلی ہی نظر دیکھنے کے بعد میں نے اپنے دل میں کچھ اور ہی ٹھان لی تھی۔ جینی کے تصور سے میرا دل اچھلنے لگا۔ اگر رات انکا میرے پاس ہوتی تو شاید میں اسے اپنی جانب مائل کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔ سارا ایک مائل بہ التفات، شاداب و سرشار لڑکی تھی۔ وہ میرے اندر تحلیل ہونے کے لئے ہمہ وقت آمادہ تھی، اس کی موجودگی میں جینی کا خیال، جینی کو فتح کرنے کا خیال میرے تضاد کا آئینہ دار تھا۔ میں خود اپنے اس تضاد پر حیران ہوں، جینی نے کچھ ایسا ہی اثر کیا تھا۔ ترکی باز والی دعوت پر آج میں جینی کے سامنے کچھ کرشمے دکھانا چاہتا تھا۔ وہ لوگ اب آنے ہی والے تھے

اور سارا ابھی تک موجود تھی۔

جب آفتاب غروب ہو گیا۔ لندن میں آفتاب غروب ہونے کا ذکر کرنا کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔ یوں کہنا چاہئے جب رات کا وقت آیا تو لندن جوان ہو گیا اور جینی قیامت ڈھاتی ہوئی خوش پوش جم کے ساتھ میرے کمرے میں آ گئی۔ میں نے ان دونوں کا موازنہ کیا۔ سارا کو ساری عمر قریب رکھنے کے جذبے پیدا ہوتے تھے اور جینی، اسے اسی وقت عبور کرنے کو جی تڑپتا تھا۔ سارا میں نزاکت اور حسن تھا۔ جینی کے حسن میں آگ تھی۔ حسین عورتوں کا موازنہ کرنا بے ادبی کی بات ہے۔ حسن کی کوئی ایک صفت نہیں ہوتی اور کسی ایک مخصوص صفت پر پسندیدگی کا انحصار بھی نہیں ہے۔ حسن کے اپنے اپنے تیور ہوتے ہیں، کون کب اور کس وقت دل پر اثر کر جائے، اس کا پتا نہیں ہوتا۔ وہ دونوں سامنے تھیں، اس لئے بار بار دونوں کی طرف نگاہیں اٹھتی تھیں۔ اگر میں مقابلہ حسن کا جج ہوتا تو جینی کے ساتھ انصاف کرتا۔ اگر میں کوئی شاعر ہوتا تو سارا کی توصیف کرتے ہوئے میری زبان نہ دکھتی اور میرا قلم کبھی نہ تھکتا۔

وہاں دن میں کئی بار اخبارات شائع ہوتے ہیں، اب تک کسی اخبار نے رات والے واقعے کے سلسلے میں کوئی خبر شائع نہیں کی تھی۔ مجھے اس خبر کا انتظار تھا اور اس بات کی بھی وحشت تھی کہ ایڈورڈ ابھی بچا ہوا ہے۔ وہ اب کوئی خطرناک قدم اٹھانے سے باز نہیں رہے گا۔ میں اس شہر میں اجنبی تھا ایڈورڈ جیسے غنڈوں کے کئی سلسلے ملے ہوئے تھے۔ جم اور جینی کے آنے کے بعد ہی ہم جلدی ترکی بازی گر کے تماشے میں روانہ ہو گئے۔ ترکی بازی گر کا نام اسپارٹا تھا۔ وہ مجھ سے کئی بار ملنے کی خواہش ظاہر کر چکا تھا۔ اس دن بھرے مجمع کے سامنے اس کی جو ذلت اور رسوائی ہوئی تھی اس کی خراش اب تک اس کے ذہن پر موجود تھی۔ لندن میں یہ خبر چھپی نہ رہ سکی، بہت دنوں تک اس نے شو بھی نہیں کیا۔ اپنی بگڑی ہوئی ساکھ بنانے کے لئے اس نے ترکی سے اپنے استاد کو بھی بلا لیا تھا۔ مجھے اس معرکے کی دلچسپی کا اندازہ تھا۔ جینی کے بدن سے خوشبوئیں پھوٹ رہی تھیں۔ سارا اور وہ کار میں پچھلی نشست پر بیٹھی تھیں۔ جب ہم ہال میں داخل ہوئے تو اسپارٹا کا منہ کھلا کا کھلا ہی رہ گیا۔ اس نے ہمیں وی آئی پی (بہت اہم شخصیتوں) کی نشستوں پر بٹھایا اور اس کے بعد اپنے استاد سلیمان بے سے بھی ملوایا۔ وہ چمک دار آنکھوں والا ایک بوڑھا شخص تھا۔ ہم دونوں آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو پرکھنے اور تولنے لگے اور وہ مجھے دیکھ کر کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ جینی جو میرے پہلو میں بیٹھی تھی، مجھ سے آنکھیں چڑھا کر بولنے لگی۔ ''دولت علی۔ آپ نے ہمیں رات کچھ نہیں بتایا۔''

''آج میں آپ کو بہت سی باتیں بتاؤں گا۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''سنا ہے کلب کی ساری خواتین آپ سے متاثر ہیں؟''

''یوں ہی خواہ مخواہ تشہیر ہو گئی ہے مگر آپ کے بارے میں مجھے ضرور بہت کچھ پتا ہے۔'' میں نے

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

اسے کن انکھیوں سے دیکھ کر کہا۔

''مثلاً کیا کیا؟ بتایئے نا۔'' وہ مچل کر بولی۔

''یہی کہ آپ بے حد حسین، بہت حسین، بے انتہا حسین ہیں۔''

''اوہ...'' وہ کھلکھلا پڑی۔ ''میں تو ڈر گئی تھی۔''

میں اس سے شوخیاں کرتا رہا۔ آخر کھیل شروع ہونے کا اعلان ہوا۔ ہال پہلے کی طرح بھرا ہوا تھا۔ جب میں جین سے باتیں کرتا، انکا مجھے ٹہوکے دیتی۔ آج وہ بہت شگفتہ موڈ میں تھی کیونکہ رات اس نے اپنی مرغوب غذا سے پیٹ بھر لیا تھا۔ اس کے رخساروں پر سرخی تھی اور وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ اسٹیج پر ایک ترکی رقاصہ نمودار ہوئی اور اس نے اپنے ہوش ربا بیلے رقص سے کھیل کا آغاز کیا۔ تمارا کا سارا بدن تھرک رہا تھا۔ تمارا میں کسی شخص کو اپنے دام الفت میں پھنسانے کی تمام خوبیاں موجود تھیں۔ رقص کے خاتمے کے بعد اسپارٹا اسٹیج پر پہنچا اور اس نے تماشائیوں کو اپنے شعبدوں کے بارے میں بتایا اور اپنا تفصیلی تعارف خود کرایا۔ پھر اس کا استاد اسٹیج پر آ گیا۔ استاد کی تعریف میں اسپارٹا نے زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ میں نے اس موقع پر انکا سے پوچھا۔ ''یہ شخص کچھ جانتا ہے؟''

''یہ شخص تم پر بھاری پڑ سکتا ہے۔ اسے اپنے فن میں کمال حاصل ہے۔'' انکا نے پہلی بار سنجیدگی اختیار کی۔

''کیا مطلب؟ کیا جین کے سامنے توہین کراؤ گی؟ اسے یہاں لانے کا کیا مطلب ہے؟'' میں نے برہمی سے کہا۔

''کیا جین تمہیں بعد پسند آئی ہے؟'' انکا نے اٹھلا کر کہا۔

''اس کے بغیر لندن کا سفر ادھورا رہے گا۔''

''مگر وہ جم کی امانت ہے، امانت میں خیانت کرنا جرم ہے۔''

''میری جان، یہ لندن ہے اور یہاں ہمارا قیام ہی کتنا رہ گیا ہے۔''

کوئی ایک گھنٹے تک اسپارٹا چھوٹے موٹے شعبدے دکھا دکھا کر حاضرین سے داد وصول کرتا رہا۔ وہ ایک بہت بڑا شعبدے باز تھا۔ اس نے بعض ایسے حیرت انگیز مظاہرے کئے کہ جین اور جم پر سکتہ طاری ہو گیا۔ سارا البتہ متوازن نظر آ رہی تھی۔ جب جین نے ایک شعبدے پر زور سے تالیاں بجائیں تو سارا نے چڑ کر اس سے کہا۔ ''جین! یہ تو کچھ بھی نہیں ہے، دولت علی کے سامنے یہ بچوں کا کھیل ہیں۔''

''سچ؟'' جین نے ایک لمحے میں کئی بار آنکھیں چمکائیں۔ ''واقعی؟''

اسپارٹا اپنے فن کا جادو جگا چکا تو اس نے بڑے احترام سے اپنے استاد کو آواز دی۔ بوڑھا خمیدہ کمر شخص اپنے مخصوص لباس میں اسٹیج پر ظاہر ہوا، حاضرین پر سکوت چھا گیا۔ ''میں کیا کروں؟'' اس نے

آتے ہی تماشائیوں سے پوچھا، پھر خود ہی کہنے لگا۔ ''کچھ نہ کچھ کرنا چاہیئے۔''

اس بات پر ہال میں چہ مگوئیاں ہونے لگیں۔ تماشائی بوڑھے سلیمان بے سے بہت متاثر نظر آ رہے تھے۔ یکایک اسے کھجلی ہونے لگی اور اس نے اپنا گاؤن جھنجوڑنا شروع کر دیا۔ گاؤن ہلکے کپڑا کا بنا ہوا تھا۔ کوئی تصور نہیں کر سکتا تھا کہ اس میں اتنی بہت سی چیزیں چھپی ہوئی ہوں گی۔ پہلے تو اس نے اپنے اطوار سے یہ ظاہر کر دیا تھا کہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے پھر دیوانگی کے عالم میں اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ وہاں سے خرگوش برآمد ہوا۔ اوپر کی جیب سے ایک سانپ، اندر کی جیب سے کبوتر، اوپر کی دوسری جیب سے بلی کا چھوٹا سا بچہ۔ سارا ہال تالیوں سے گونج رہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ بلند کر کے تماشائیوں کو خاموش کیا اور دوبارہ اپنے گاؤن کو اچھالنے لگا۔ اس کی جیبوں سے یکے بعد دیگرے متعدد جانور برآمد ہوئے۔ کہیں سے کوئی چوہا، کہیں سے کوئی بلی، کہیں سے کوئی نیولا، جین کے علاوہ اب سارا بھی حیرت زدہ تھی۔ سلیمان بے نے ان سب کو دوبارہ اپنی جیبوں میں ٹھونس لیا اور گاؤن اتار دیا۔ اس نے چٹکی بجا کر ایک بڑا اور گہرا طشت منگوایا جس میں آگ بھڑک رہی تھی۔ کسی جھجک کے بغیر اس نے اپنا گاؤن آگ میں ڈال دیا۔ تماشائیوں کی ''سی'' نکل گئی۔ ایک سکوت طاری تھا۔ جب گاؤن جل کر راکھ ہو گیا تو وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا پھر اس نے اچانک اٹھ کر اسپارٹا کو آواز دی۔ ''اسپارٹا، اسپارٹا! میرے عزیز پانی لاؤ۔'' اسپارٹا بھاگا ہوا آیا۔ اس نے اپنے استاد کے اشارے پر طشت میں پانی ڈال دیا۔ آگ بجھ گئی۔ سلیمان بے سر پر ہاتھ رکھ کر تاسف کا اظہار کرتا ہوا طشت کے پاس پہنچا مگر پھر طشت میں جھانک کر اچھلنے لگا۔ اس نے ہاتھ ڈال کر تمام جانور صحیح و سلامت نکالنے شروع کر دئیے، لوگ ہال میں نشستوں سے اٹھ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

میں نے انکا کو ٹٹولنے کے لئے۔ ''کیا خیال ہے؟''

''میں تمہاری آنکھوں سے دیکھ رہی تھی، اپنی آنکھوں سے مجھے کچھ نظر نہیں آتا؟'' انکا نے اکتائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

تالیوں کا شور تھمتا ہی نہ تھا۔ جم اور جین بھی داد دینے والوں میں شریک تھے۔ سارا اور میں کچھ دیر تالیاں بجا کر خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد سلیمان نے دو تین کمالات اور دکھائے انہوں نے اب تک مجھے کوئی چیلنج نہیں کیا تھا اس لئے میں اپنی نشست پر خاموش بیٹھا ہوا پہلو بدل رہا تھا۔ اچانک اسپارٹا نے اسٹیج پر آ کر مجھ سے پوچھے بغیر اعلان کر دیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''معزز حاضرین! یہاں ہندوستان کے ایک جادوگر تنویمی عمل کے ماہر مسٹر دولت علی خان موجود ہیں، انہوں نے ایک بار پہلے بھی اس تماشے میں شرلت کی تھی اور اپنی غیر معمولی صلاحیتوں سے ہمیں چونکا دیا تھا۔ میں نے اپنے استاد سے ان کا ذکر کیا ہے۔ میرے استاد اور میں دونوں اس بات کے خواہش مند ہیں کہ وہ اسٹیج پر تشریف لائیں اور اپنے

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

بہت سے کمالات سے ہمیں محظوظ کریں۔ میرے استاد سلیمان بے انہیں بعض کمالات میں چیلنج کرنے کا ارادہ بھی رکھتے ہیں۔ اگر مسٹر دولت علی بھی یہ چیلنج سن کر خوش دلی سے قبول فرمائیں۔''

اسپارٹا کی اس تقریر دل پذیر کے بعد ہال میں چاروں طرف نگاہیں دوڑنے لگیں۔ جین اور جم مجھے اکسانے لگے۔ ''دولت علی! جاؤ مجھے یقین ہے کہ تم کچھ باتیں جو ہماری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں، سمجھانے کی کوشش کرو گے۔''

میں ہچکچاتا رہا۔ جین اصرار کرنے لگی البتہ سارا اب محتاط نظر آ رہی تھی۔ اسپارٹا بار بار مجھے دعوت دے رہا تھا۔ آخر بہت ردوقدح کے بعد میں اٹھا اور اسٹیج پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے اسپارٹا کے ہاتھ سے مائیک لے لیا اور مہذب انداز میں حاضرین سے مخاطب ہوا، میں نے کہا۔ ''میں کوئی جادوگر یا تنویمی عمل کا ماہر نہیں ہوں، نہ ہی میرا ارادہ ان معززین سے معرکہ آرائی ہے، اسپارٹا کی خواہش تھی کہ اخبارات میں کسی مقابلے کا اعلان کیا جائے۔ میں نے انکار کر دیا تھا کہ میں کوئی پیشہ ور شخص نہیں ہوں۔''

رفتہ رفتہ میں نے اپنے لہجے میں زور پیدا کر لیا اور خود اپنے مظاہرے دکھانے کے بجائے سلیمان بے اور اسپارٹا سے درخواست کی کہ وہ خود کوئی کارنامہ دکھائیں۔ اگر ان کا کوئی توڑ ممکن ہوا تو جواب دینے کی کوشش کی جائے گی۔ ساتھ ہی میں نے انکا کو مستعد رہنے کا اشارہ کیا۔ میرے انکسار کا تماشائیوں پر اچھا اثر پڑا اور سب لوگوں کی آنکھیں اسٹیج کی جانب مرکوز ہو گئیں۔

سلیمان بے نے میری تقریر کے بعد سر خم کر کے تماشائیوں سے اجازت لی۔ پھر یکلخت سنجیدہ ہو کر مجھے گھورنے لگا۔ اس نے اپنا پنجہ میری طرف کر کے کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ میں اعتماد سے کھڑا مسکراتا رہا۔ اسٹیج سے میں نے جین اور سارا پر ایک نظر ڈالی، جین کی آنکھوں میں حیرت تھی اور سارا کی آنکھوں سے خوف مترشح تھا۔ سارا سے نظر بچاتے ہوئے میں نے جین کو آنکھ کا اشارہ کیا۔ ''جمیل سنبھلو!'' انکا نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے اسٹیج کی طرف نظر دوڑائی تو وہاں دھواں دھواں نظر آ رہا تھا۔ ایسا دھواں جس میں اسٹیج کی ہر چیز صاف نظر آ سکے۔ اس دھوئیں میں اسٹیج پر بجلی کا کوندا لپکا اور پھر اس وقت میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے پلک جھپکتے ہی ایک وحشی کو وہاں موجود پایا۔

اسی لمحے اسپارٹا حاضرین کی جانب دیکھ کر بلند آواز میں بولا۔ ''معزز خواتین و حضرات! آپ کو معلوم ہے یہ کون ہے؟ یہ حبشی، فرعون طمح آمن کا وفادار غلام سہوان ہے، کچھ دیر پہلے اس کی حنوط شدہ ممی مصر کے ایک نامعلوم مدفن میں بے حس و حرکت پڑی تھی، اب میرے استاد سلیمان بے کے حکم پر آپ کے سامنے زندہ صورت میں موجود ہے۔ میں مسٹر دولت علی سے درخواست کرتا ہوں کہ سہوان کو دوبارہ اسی طرح اہرام مصر کے سفر پر روانہ کر دیں۔''

''جمیل۔'' انکا ہونٹ چباتے ہوئے غصے سے بولی۔ ''اجازت ہو تو میں اس شعبدے باز کو ہی ممی

بنا دوں۔''

''نہیں۔'' میں نے انکا کو منع کیا۔ پھر حاضرین سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''میں تسخیر ارواح کے علم میں سلیمان بے اور اسپارٹا کی مہارت کا قائل ہوں لیکن کسی ممی سے الجھنا اور اسے اذیت دینا میرے لئے نامناسب ہے۔ میں اسے اپنے لئے بہتر نہیں سمجھتا۔ جو روحیں ایک عرصے سے عالم بالا میں سکون کے ساتھ مقیم ہیں، انہیں کرب میں مبتلا کرنا میرے اصول کے خلاف ہے، میں معذرت خواہ ہوں۔''

اسپارٹا نے جوب سن کر بڑے فخر کے ساتھ فتح کے اظہار کے طور پر اپنا سیدھا ہاتھ بلند کیا تو ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ پھر بوڑھے سلیمان بے نے ایک قلابازی کھائی اور اپنا سر زمین پر ٹپکا۔ اس کی اس مضحکہ خیز حرکت کے ساتھ ہی اسٹیج پر دوبارہ صاف و شفاف دھواں پھیل گیا۔ واضح طور پر کھڑا ہوا حبشی اس دھوئیں میں غائب ہو گیا۔ ہال میں لوبان کی ایک مہک دوڑ گئی۔ دو تین روشنیاں پہلے ہی گل کر دی گئی تھیں۔ اس کے بعد اسپارٹا نے دوسرا عمل کیا۔ اس بار اچانک ایک حسین عورت پر اسٹیج نمودار ہوئی۔ وہ سلیمان بے کے ایک عمل سے بے حس و حرکت ہو گئی۔ سلیمان بے نے اس پر تلوار سے حملہ کیا۔ شدید ضربیں لگائیں۔ ایک کوڑا لے کر اسے بری طرح مارا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی لیکن سلیمان بے کے اشارے پر وہ دوسرے ہی لمحے متحرک ہو گئی۔ اسپارٹا نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے مجھے اس بات کی دعوت دی کہ میں دوبارہ اس عورت کو مجسمے کی شکل میں تبدیل کر دوں۔ انکا نے اسپارٹا کا چیلنج قبول کرنا چاہا لیکن میں نے اسے پھر منع کر دیا۔ میں نے دوبارہ معذرت پیش کر دی۔ اسپارٹا کے چہرے پر فاتحانہ سرخی دمک اٹھی۔ ہال میں سے کسی نے مجھ پر ہوٹنگ کی۔ ''دولت علی! واپس آ جاؤ۔ یہ تمہارے بس کا روگ نہیں ہے۔'' میں نے دیکھا، سارا تلملائی ہوئی تھی۔ جم بت بنا بیٹھا تھا اور جین کے لبوں پر خوف زدہ سی مسکراہٹ تھی۔ ہال میں اسپارٹا کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا جا رہا تھا۔ انکا سخت طیش کی حالت میں تھی۔ میں نے عالم تصور میں دیکھا۔ اس کی آنکھیں خوف ناک ہو گئیں تھیں۔

''جمیل! تمہارے دل میں کیا ہے؟ کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟ تم نے آخر سوچا کیا ہے؟ کیا میری بات کا برا مان گئے ہو؟''

''فکر نہ کرو میری گل اندام!'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔'' تماشائیوں کی بے چینی اب ختم سی ہو رہی تھی۔ بہت سے لوگ مجھے کوئی دیوانہ سمجھ رہے تھے۔ اسپارٹا فاتحانہ اچھل رہا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ لہرا رکھے تھے۔ یہ ہنگامہ ختم ہوا تو اسپارٹا نے تیسرا مقابلہ شروع کرنے کا اعلان کیا۔

سلیمان بے کے ہاتھوں میں کئی خنجر دیئے گئے۔ اسی وقت اسپارٹا کی آواز گونجی۔ ''معزز خواتین و حضرات! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ [illegible] ختم نہ ہو، آپ کسی قسم کی آواز منہ

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

سے نکالیں۔ خاص طور پر خواتین سے میری درخواست ہے کہ وہ ضبط و تحمل کا ثبوت دیں۔'' جیسے ہی اسپارٹا کی بات ختم ہوئی، سلیمان بے نے ایک خنجر زور سے ایک پردے پر مارا، پردہ چر سے پھٹ گیا۔ غالباً یہ دکھانا مقصود تھا کہ خنجر کی دھار کس قدر تیز ہے۔ پھر اس نے اسی خنجر کا نشانہ لیا اور اسے اسپارٹا کے سینے میں پیوست کر دیا۔ اسپارٹا دھرام سے گر پڑا۔ سلیمان بے نے اسی پر بس نہیں کیا اور دوسرے خنجروں سے پے در پے کئی وار کئے۔ اسپارٹا کا جسم لہولہان ہو گیا اور اس کی گردن ڈھلک گئی۔ سلیمان بے کو جیسے پھر ہوش آیا۔ وہ چیخنے، چلانے اور دہاڑنے لگا۔ اس نے گریہ وزاری سے آسمان پر سر اٹھا لیا۔ تماشائی انگشت بدنداں تھے۔ اسپارٹا کا خون اسٹیج پر بکھرا ہوا تھا۔ اس کی گردن لٹک گئی تھی پھر سلیمان بے نے تالی بجائی۔ عقب سے تمارا برآمد ہوئی۔ اسپارٹا کی یہ حالت دیکھ کر اس کی چیخ نکل گئی اور اس نے سلیمان بے کا گریبان پکڑ لیا۔ ناتواں بوڑھے نے پوری قوت سے اسے دھکیل دیا، وہ اسپارٹا کے بے جان جسم کے قریب گر پڑی۔ بوڑھا آہستہ آہستہ اسپارٹا کے نزدیک آیا اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔ اس نے تمارا کو اشارہ کیا کہ وہ خنجر اسپارٹا کے جسم سے نکال لے۔ تمارا نے اس کے حکم کی تعمیل میں خنجر ایک ایک کر کے اسپارٹا کے جسم سے نکالنے شروع کر دئے۔ جب سارے خنجر نکالے جا چکے تو بوڑھے نے ایک طویل سیاہ پردہ اسپارٹا کے جسم پر ڈال دیا۔ ہال کی روشنیاں بجھا دی گئیں اور بوڑھے کی غضب ناک آواز فضا میں گونجی۔ اس کے الفاظ عام سمجھ سے بالاتر تھے۔ وہ خاموش ہوا تو ہال دوبارہ روشن کر دیا گیا۔ اسپارٹا کی لاش ویسی کی ویسی پڑی ہوئی تھی۔ میں بھی ایک کونے میں کھڑا یہ سارا تماشا دیکھ رہا تھا۔ بوڑھے سلیمان بے کے منہ سے مبہم الفاظ ادا ہونے پر سیاہ پردے میں حرکت ہوئی اور وہ اوپر معلق ہو گیا۔ ایک خاص اونچائی پر جا کے طویل پردے سے ڈھکی ہوئی لاش ٹھہر گئی اور اس نے مجمع کی طرف رخ کرنا شروع کر دیا۔ وہ اسٹیج سے نیچے اتر گئی اور لوگوں کے درمیان سے گزرتی ہوئی دوبارہ اسٹیج پر آئی اور زمین پر ٹک گئی۔ سلیمان بے نے تمارا کو اشارہ کیا کہ وہ پردہ ہٹا دے۔ تمارا نے جھجکتے جھکتے پردہ اٹھا دیا۔ اسپارٹا صحیح و سلامت موجود تھا۔ وہ ایک انگڑائی لے کر اٹھا اور اس نے تماشائیوں کی طرف داد طلب نگاہ ڈالی۔ ہال میں ایک شور برپا تھا۔ کوئی پانچ منٹ تک لوگ تالیاں بجاتے اور شور کرتے رہے۔ پھر مجمع پرسکون ہوا تو اسپارٹا نے میری جانب طنزیہ دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ میرے استاد جناب سلیمان بے کے ادنیٰ کرشموں میں سے ایک تھا۔ اس کے بعد میں مسٹر دولت علی خان سے کوئی درخواست نہیں کروں گا۔ وہ ہمارے مہمان ہیں۔ اس لئے میں انہیں شرمندہ نہیں کرنا چاہتا۔ ہاں اگر اپنے طور پر اور اپنی مرضی سے کوئی مظاہرہ کریں تو مجھے خوشی ہوگی۔''

''ذبیل!'' انکا غصے میں بولی۔ ''یہ دو ٹکے کا شعبدے باز تمہاری توہین کر رہا ہے اور تم چپ کھڑے ہو۔'' میں انکا کی بات سن کر سنجیدگی سے آگے بڑھا اور تماشائیوں سے مخاطب ہو کر بولا۔

''معزز حاضرین! آپ نے اسپارٹا اور اس کے استاد محترم سلیمان بے کے حیرت انگیز کمالات دیکھے۔ میں ان کمالات کے بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ سلیمان بے نے جو مظاہرہ کیا ہے وہ اس کی محنت اور طویل ریاضت کا ثمر ہے۔ مسٹر اسپارٹا نے مجھے شرمندگی سے بچانے کے لئے جو فراخ دلانہ پیش کش کی ہے، میں اسے مسترد کرتا ہوں۔ میں نے آپ کی دلچسپی کے لئے تمام کمالات دیکھ لئے۔ لیکن اب مجھے کچھ کرنا چاہئے۔'' پھر میں نے اسٹیج سے جین کو مخاطب کیا۔ ''کیوں جین، اب کچھ ہو جائے؟''

''ہاں ہاں دولت علی! اب شروع ہو جاؤ۔'' جین کے بجائے جم نے زور سے کہا۔ سارا کے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکل رہا تھا۔ انکا پہلے ہی میرا اشارہ پا کر سر سے رینگ چکی تھی۔ میں نے ہجوم کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''میں درخواست کرتا ہوں کہ کوئی خاتون اسٹیج پر تشریف لائیں تاکہ میں مسٹر اسپارٹا کے چیلنج کا جواب دے سکوں۔ میں محترم خاتون کو تمام تر تحفظ کا یقین دلاتا ہوں۔''

چند لمحوں تک کسی خاتون نے اپنی نشست سے اٹھنے کی جرأت نہیں کی۔ اسپارٹا کے آخری مظاہرے نے خواتین کو بری طرح خوف زدہ کر دیا تھا۔ وہ تقریباً بھی کوئی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھیں۔ کچھ دیر تک ہال میں سکوت طاری رہا۔ پھر میں نے ایک خود ایک دبلی پتلی لڑکی کو اشارہ کیا۔ وہ شرمانے لگی لیکن میرے اصرار سے اسٹیج پر آ گئی۔ تماشائیوں نے اس لڑکی کی جرأت دیکھ کر تالیاں بجائیں۔ اس کا نام سوزی تھا۔ میں نے شفقت بھری نظروں سے اسے دیکھا اور اس کی پیٹھ ٹھونک کر ثابت قدم رہنے پر زور دیا۔ اس کے اسٹیج پر آنے کے بعد میں کسی ماہر شعبدے باز کی طرح اچھل کود کرتا رہا اور اپنے سر پیر پھینکتا رہا۔ میں نے ہندوستانی پنڈتوں کے انداز میں اول جلول حرکتیں کیں، جن کا مجھے گہرا تجربہ تھا۔ پھر میں نے سارا اور جین کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ''اجازت ہے؟''

انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا اور سوزی کو مخاطب کیا۔ ''لڑکی! تم جان گئی ہو کہ میں کون ہوں۔ میں دولت علی تمہیں حکم دیتا ہوں کہ سچے دل سے انکا دیوی کا نام لو اور آگے بڑھ کر اس چرب زبان شخص اسپارٹا کو اپنی انگلی پر اٹھانے کی کوشش کرو۔''

دبلی پتلی سوزی غیر معمولی تیزی سے آگے بڑھی۔ اسپارٹا مضحکہ خیز انداز میں مسکرا رہا تھا لیکن اس وقت وہ بھی دنگ رہ گیا جب سوزی نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر اسے فضا میں اچھال دیا اور جب وہ گرنے لگا تو ایک انگلی پر اس کا جسم روک لیا۔ لڑکی کا ہاتھ بلند تھا اور اسپارٹا اس کی انگلی پر فضا میں ٹھہرا ہوا تھا۔ ہجوم کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ لڑکی کے بلند ہاتھ کی صرف ایک انگلی پر لحیم و شحیم اسپارٹا چاروں خانے چت اٹھا ہوا تھا۔ میں نے سلیمان بے کو مخاطب کیا۔ ''استاد محترم! کیا آپ اس لڑکی کی طرح مجھے یا اسپارٹا کو اپنی انگلی پر اٹھانے کی زحمت گوارا کریں گے؟''

[illegible] اس کی نجات کی تھی، اس نے خوب

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

صورتی سے مجھے ٹال دیا۔ جین، سارا اور جم اچھل اچھل کر مجھے مبارک باد دے رہے تھے۔ جین کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ سارے ہال میں سنسنی دوڑی ہوئی تھی۔ ''مسٹر اسپارٹا!'' میں نے اسے مخاطب کیا۔ ''کیا تم اتنے مجبور ہو گئے ہو کہ ایک کمزور لڑکی کی انگلی سے نیچے نہیں آ سکتے؟'' اسپارٹا بری طرح اچھل رہا تھا لیکن وہ اس مضبوط انگلی سے نجات پانے میں ناکام ہو گیا تھا۔ اس کا استاد سلیمان بے بھی پریشان تھا۔ اسپارٹا دہشت زدہ تھا اور شکست قبول کرنے پر آمادہ نظر نہیں آتا تھا۔ میں نے سلیمان بے کو دوبارہ للکارا۔ وہ لڑکی سوزی اس طرح کھڑی تھی جیسے اس کی انگلی پر کوئی کھلونا ہو۔ رفتہ رفتہ ہال میں سرگوشیاں ابھرنے لگیں۔ پھر قہقہے، لوگوں کا ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا۔

اس ہنگامے سے مجھے خوب لطف آ رہا تھا۔ میں اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکا۔ سلیمان بے اور اس کے پورے طائفے پر سوگ طاری تھا۔ اسپارٹا جب خوب اچھل کود مچا چکا تو میں نے سلیمان بے کی طرف دیکھا۔ ''کیا خیال ہے؟'' میں نے کہا۔ سلیمان بے نے مجھے اشارہ کیا اور میں نے لڑکی کو حکم دیا۔ ''اچھی لڑکی، پیاری سوزی! تم تھک تو نہیں گئیں؟''

''نہیں، میں اسے سارے ہال میں گھما سکتی ہوں، اس کا وزن ہی کیا ہے؟'' سوزی نے جواب دیا۔

''تو پھر ذرا اپنی قوت کا مظاہرہ کرو۔''

سوزی اپنی انگلی پر آسانی سے اسپارٹا کو لئے ہوئے اسٹیج کی سیڑھیوں سے نیچے اتری اور ہال کا ایک چکر لگا کر واپس آ گئی۔ یہ ایک دلچسپ تفریح ثابت ہوئی۔ لوگوں نے اپنی نشستوں سے کھڑے ہو کر اسپارٹا سے دل لگی کی جو نیچے اترنے کی تمام تر کوشش کے باوجود ناکام ہو گیا تھا۔

''اچھا اب اسے نیچے اتار دو، بے چارہ تھک گیا ہو گا۔'' میں نے حکم دیا۔ لڑکی نے ایک جھٹکے سے اسپارٹا کو زمین پر پٹخ دیا۔ وہ ایک چیخ مار کر اٹھا اور میرے پاس آ کر میر کمری ٹھونکنے لگا۔ انکا میرے سر پر آ گئی تھی اور ہال تالیوں کے شور سے گونج رہا تھا۔

''حاضرین!'' میں اسٹیج کے درمیان آ کر بولا۔ استاد سلیمان بے اور ان کے لائق شاگرد کی دلوں کی بھڑاس شاید ابھی نہ نکلی ہو، ابھی تو خود میں بھی اس تماشے سے کچھ زیادہ محظوظ نہیں ہوا ہوں۔ میں سلیمان بے جیسے بڑے استاد کو ایک لمحے میں اپنے احکام کی تعمیل پر مجبور کر سکتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اس کے بعد اس شوکی کوئی گنجائش نہیں رہے گی۔''

''یہ ناممکن ہے۔'' اسپارٹا چیخا۔ ''استاد سلیمان بے زبردست قوت ارادی کے مالک ہیں۔''

''انہیں یقیناً ناکامی ہو گی۔'' سلیمان بے نے میری طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''میں انہیں اس کی اجازت دیتا ہوں۔''

میں نے چٹکی بجائی۔ ''میں لمحوں کی دیر نہیں لوں گا۔'' میرے یہ کہتے ہی انکا میرے سر سے اتر گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے استاد سلیمان بے خود بخود نادم سا ہوا اور گردن خم کر کے میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اسپارٹا حیرت سے میرا منہ تکنے لگا۔

جب انکا کسی کے سر پر چلی جائے تو کیا ہو گا۔ میں نے جو چاہا وہ سلیمان بے سے کرا دیا۔ اس کی بڑی رسوائی ہوئی۔ میں نے اسے اسٹیج پر مرغا بنوا دیا۔ میں نے اسپارٹا کے گال پر طمانچے لگوائے۔ میں نے اس سے اس کے شاگرد کے منہ پر تھکوا دیا۔ میں نے اسے کتے کی طرح بھونکنے پر مجبور کر دیا۔ وہ بلی کی طرح میاؤں میاؤں بولا۔ اس نے اپنے بالائی کپڑے اتار دئے۔ میرے اشارے پر وہ زار و قطار رونے لگا اور پھر بے تحاشا ہنسنے لگا۔ اس شب کیا کیا نہ ہوا۔ کم بخت اسپارٹا مجھے کئی بار پریشان کر چکا تھا۔ اسے مزہ تو چکھانا ہی تھا۔ جین پوری طرح متاثر نظر آ رہی تھی۔ میں نے سلیمان بے کو حکم دیا کہ وہ اس کے پیروں پڑ کر معافی مانگے اور اعتراف کرے کہ اس نے شکست قبول کر لی ہے۔ بوڑھا سلیمان بے جین کے قدموں میں جا کر جھک گیا اور گڑگڑا کر معافی مانگنے لگا۔

جب وہ اسٹیج پر واپس پہنچا تو میں نیچے اتر آیا۔ اسی وقت پردہ گرا دیا گیا۔ تماشائی تالیاں بجاتے اور شور مچاتے ہوئے اٹھے۔ میرے گرد تمام لوگوں کا ہجوم ہو گیا۔ میں بڑی مشکل سے راستہ بناتا ہوا وہاں سے نکلا۔ جین نے فرط مسرت سے میرا بازو پکڑ لیا تھا۔ جم میری پذیرائی میں پیش پیش تھا۔ سارا کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو تھے۔ ہم لوگ جب باہر آئے تو آٹوگراف کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جم مجھے فوراً گاڑی میں لے گیا۔ مجھے یاد ہے اس وقت ایک ہندوستانی نوجوان مسعود میرے پاس آیا تھا۔ میں نے اسے جلدی سے اپنے ہوٹل کا پتا بتا دیا تھا۔ بڑی مشکل سے ہماری گاڑی وہاں سے کھسکی۔ ہم لوگ سارا کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے بھر جین میری شکل دیکھتی رہی جیسے میں کوئی عجوبہ ہوں۔ میں یہی چاہتا تھا۔ یہ میری زندگی کا سب سے بڑا مظاہرہ تھا۔ جین کو انکا کے ذریعے سر کیا جا سکتا تھا مگر اس میں لطف نہ آتا کیونکہ ایسی صورت میں ہمیشہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی سوئی ہوئی لڑکی سے خواب میں باتیں ہو رہی ہوں یا کوئی بے ہوش لڑکی دیوانگی میں حرکت کر رہی ہو۔ وہ پر لطف گریز جو ہوش میں ہوتا ہے، وہ سپردگی کی مدہوشی میں کہاں؟ بدقسمتی سے سارا اور جم کی موجودگی میں آتش بدن جین سے کوئی خاص گفتگو نہیں ہو پا رہی تھی۔ میرا جی اس سیماب صفت نازنین سے دل کی دو باتیں کرنے کے لئے مچلا جا رہا تھا۔ سارا کے گھر ہم نے ہلکا سا ڈنر لیا اور جلد ہی امرائے لندن کلب کی طرف روانہ ہو گئے۔

☆……☆……☆

ہم امرائے لندن کے کلب کی طرف جا رہے تھے۔ جم کے علاوہ دونوں لڑکیاں میری صلاحیتوں کے بارے میں بے تحاشا حیرتوں میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ جب انہوں نے بہت زیادہ تعریف کی تو مجھے

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

ندامت اور کمزوری سی محسوس ہونے لگی۔ کاش میں واقعی کوئی طاقتور شخص ہوتا۔ ایک مرتبہ مالا کو میرے سپرد کرتے وقت پجاری پریتم لال نے کنیا دان کے ساتھ مجھے شکتی بھی دان کی تھی۔ اس شکتی نے کئی جگہ میرا تحفظ کیا تھا پھر بھی اس سے کچھ زیادہ فائدہ نہیں اٹھا سکا تھا اس لئے مجھے اس سے فائدہ اٹھانے کے گر معلوم نہیں تھے۔ پھر کلپنا نے میری مدد کی، میں نے اپنی آنکھوں سے بدری نرائن اور سادھو جگدیو اور پریتم لال کی شکتی دیکھی۔ میں نے برکاتی شاہ کے ساتھ جتنے دن گزارے اور اس کی جتنی کرامتیں دیکھیں وہ اگر یہ لوگ دیکھ لیتے تو نہ جانے ان کا کیا حال ہوتا؟ میری تعریف انکا کی تعریف تھی۔ سارا، جم اور جین کو کیا معلوم تھا کہ میں ایک ہاتھ سے معذور شخص اس جسمانی سقم کے سوا مجھ میں کوئی روحانی قوت بھی نہیں ہے۔ وہ تو چھوٹی سی، خوب صورت دوشیزہ ہے جو یہ مہمات سر کرتی ہے اور جسے کوئی بھی مجھ سے چھین سکتا ہے۔ اس رات مجھے اپنی کم حیثیتی کا شدید احساس ہوا۔ انکا سے میں نے ایک مغائرت سی محسوس کی۔ میں نے خود پر لعن طعن کی کہ اتنے طویل عرصے تک غیر معمولی ماورائی اور مابعد الطبیعاتی مظاہر کا مشاہدہ کرنے کے باوجود میں نے جگدیو، بدری نرائن اور برکاتی شاہ وغیرہ بننے کی کوشش کیوں نہیں کی۔ جگدیو کو انکا کی ضرورت نہیں تھی...... بدری نرائن مجھے نہتا کرنے کے لئے انکا کا طالب تھا۔ برکاتی شاہ ایک بے نیاز شخص تھا۔ یہ سب اپنی ماورائی طاقتوں کے سبب مطمئن اور مضبوط لوگ تھے۔ میں انکا کو نفی کرنے کے بعد کیا تھا۔ کلدیپ ہی نے بہت کم مدت میں کٹھن تپسیا کر کے خود کو ایک طاقت ور ہستی بنا لیا تھا۔ میں ہمیشہ سہارے اور پناہیں ڈھونڈتا رہا یا پھر انکا کی طلب میں مارا مارا پھرتا رہا۔ خود میں نے کیا، کیا؟ کلدیپ کی طرح دنیا سے الگ تھلگ ہو کر روحانی طاقتیں حاصل کرنے میں منہمک کیوں نہیں ہو گیا؟ میرا تصور مجھے ہندوستان میں لے گیا۔ میں خیالوں کے دوش پر پریتم لال کے اس ہرے بھرے استھان پر پہنچا جہاں کلدیپ بیٹھی مالا جپ رہی ہوگی اور تزئین اس کی کٹیا میں پانی لا رہی ہوگی۔ جم، جین اور سارا میں اسپارٹا سے ہونے والے مقابلے پر بحث ہو رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ ہندوستان واپس جا کر مجھے کلدیپ کے ساتھ کوئی تپسیا شروع کر دینی چاہئے۔

کلب میں داخل ہو کر بھی مجھ پر اداسی طاری رہی۔ کلب کا ماحول وہی تھا جس کا تذکرہ میں پہلے بھی کر چکا تھا۔ ہم سب ایک بڑی میز پر بیٹھ گئے۔ سارا نے مجھے ٹٹولا کہ مجھے اچانک کیا ہو گیا ہے، میں نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی اور جب جین نے مجھ سے کہا کہ "دولت علی! کیا غریب سلیمان بے پر ترس آ رہا ہے؟" تو میں بغیر مسکرائے نہ رہ سکا اور مجھے جلد ہی کلب کے رنگین ماحول نے اپنی آغوش میں لے لیا۔ ذہن سے سب غبار چھٹ گیا۔ جین کے موتی جیسے سفید دانت، میں ان لبوں کے رس پر غور کر رہا تھا اور میں اسے دیکھ کر کوئی ایسا نوجوان بن گیا تھا جس کی زندگی میں پہلی مرتبہ کوئی لڑکی داخل ہوئی اور [illegible] نے جسم میں گدگدی سی ہو رہی ہو۔ اب جانا ہی ہے۔ پھر یہ ماحول کہاں نصیب ہوگا۔ یہ سوچ کر

میں نے ہنگامہ کرنا شروع کر دیا۔ جین اپنے بارے میں جاننے کے لئے مضطرب تھی۔ میں نے تخلیے کی شرط لگائی۔ سارا اور جم میز سے اٹھ کر جانے لگے تو جین نے انہیں روک لیا۔ کلب میں رقص کا بازار گرم تھا۔ سارا، جم کے ساتھ اٹھ گئی۔ مجھے جین سے اپنے ٹوٹے ہوئے ہاتھ کی معذرت کرنی پڑی لیکن وہ مجھے کھینچ کر فلور پر لے گئی۔ ایک ہاتھ کے بغیر رقص، اس کا تجربہ مجھے ایک بار پہلے بھی ہو چکا تھا۔ مجبوراً مجھے بے ہنگم رقص کے لئے تیار ہونا پڑا۔ جب وہ میرے سینے سے لگ گئی اور اس کا خوشبودار بدن مجھ سے قریب ہوا تو میری آنکھوں میں خمار آ گیا۔ رقص کے دوران میں نے بہت سی ان کہی، کہہ دیں۔ کچھ اس کے بارے میں، کچھ اپنے بارے میں کہا۔ کچھ حسن کا ذکر کیا، کچھ اپنی ہوس انگیز طبیعت کا۔ لیکن رقص میں مجھے خفت اٹھانی پڑی اور میں پہلے ہی راؤنڈ کے بعد اسے لے کر واپس میز پر آ گیا۔ اسی وقت ایک بیرا میرے پاس آیا۔ اس نے مجھ سے پریشانی کے لہجے میں جم کے بارے میں پوچھا۔

"ان کا ایک اہم فون آیا ہے۔"

"وہ وہاں رقص کر رہا ہے۔" میں اس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

جم رقص چھوڑ کر مجھ سے معذرت چاہتا ہوا کلب کے دفتر پہنچ گیا اور تھوڑی دیر میں پریشان سا میرے پاس آیا۔ "میں معذرت چاہتا ہوں۔" وہ کہنے لگا۔ "مجھے ہیڈ کوارٹر طلب کیا گیا ہے۔ پولیس کو ایک مکان سے چھ لاشیں دستیاب ہوئیں ہیں، مجھے فوراً جانا ہوگا۔"

"چھ آدمیوں کی لاشیں؟" میں نے تعجب سے کہا۔ "یہ تو خاصا بڑا کیس ہے!" جم کی زبانی یہ خبر سن کر مجھے تشویش ہونے لگی۔

"ہاں۔ حالانکہ اس قسم کے معاملات سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے لیکن پرانے دوست کسی بھی پیچیدہ معاملے میں مجھے طلب کر لیتے ہیں۔"

"کیا میں تمہارے ساتھ چلوں؟" میں نے کہا۔

"اس وقت نہیں، لیکن شاید مجھے تمہاری ضرورت پڑے۔"

جم نے دوبارہ معذرت چاہی اور فوراً وہاں سے روانہ ہو گیا۔ جین نے اسے الوداع کہا۔ گفتگو کا موضوع بدل گیا تھا اور قتل و خون کے واقعات پر جین تیزی سے بول رہی تھی۔ اس کا تعلق سیکرٹ سروس سے تھا۔ جم بھی اسی محکمے سے وابستہ تھا۔ میں حیرت سے اس کی باتیں سن رہا تھا جیسے قتل کے واقعات میرے لئے انوکھے ہوں۔ میں بار بار تعجب کا اظہار بھی کر رہا تھا۔ انکا بھی اس کی طرف مسکرا کر دیکھ رہی تھی۔ سارا کچھ تھکی ہوئی، مضمحل سی معلوم ہوتی تھی۔ میں چاہتا تھا، وہ گھر چلی جائے یا کہیں اور مصروف ہو جائے تاکہ میں اور جین تنہا رہ جائیں۔ آج رات جین کو کہیں لے جا کر اس کے طوفان حسن میں غرق ہونے کا ارادہ تھا۔ مجھے اب یہ کوئی مشکل کام معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ جین ہر لمحے مجھ سے متاثر ہو رہی تھی اور

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

میں اس سے۔ رات گزر رہی تھی، اس اثنا میں میرے نام جم کا فون آیا۔ وہ مجھ سے ہیڈ کوارٹر آنے کی درخواست کر رہا تھا۔ یہ بات میرے لئے خاصی تشویش ناک تھی لیکن مجھے یہ معاملہ جلد سے جلد ختم کرنے کے لئے فوراً یہاں سے روانہ ہونا چاہئے تھا۔ جین اور سارا کو معاملے کی نوعیت بتا کر ہم نے وہاں سے اٹھنے کا ارادہ کیا۔ ہم فوراً کلب سے اٹھ آئے۔ جین اپنی گاڑی میں مجھے ہیڈ کوارٹر چھوڑتی ہوئی وہاں سے رخصت ہوگئی۔ سارا بھی اس کے ساتھ تھی۔ مجھے ایک سپاہی نے عزت کے ساتھ ایک کمرے میں بٹھا دیا جہاں برطانیہ کے ماہر سراغ رساں اور پولیس افسر موجود تھے۔ جم نے ان سب سے میرا تعارف کرایا۔ ان سب کو میری ظاہری حالت پر یقیناً حیرت ہوئی ہوگی۔ میں پیش ور آرٹسٹوں، میری مراد ہے سادھوؤں اور پنڈتوں جیسا نہیں تھا بلکہ بالکل عام آدمی کی طرح تھا۔ جم نے مجھے تفصیل سے اس مکان کا محل وقوع اور قتل ہونے والے چھ آدمیوں کی زندگی کے متعلق بتایا۔ وہ چھ آدمی پہلے بھی کئی جرائم میں ملوث ہو چکے تھے اور لندن میں شورہ پشت غنڈوں کی حیثیت سے مشہور تھے۔ یہ حادثہ پولیس کے علم میں دیر سے آیا اس لئے کہ اس مکان میں عرصے سے کوئی مقیم نہیں تھا۔ لیکن ہوا یہ کہ ایک اور جرائم پیشہ شخص، ایک لڑکی کو اغوا کر کے اپنی ہوس پوری کرنے کے لئے وہاں لے گیا۔ جب وہ اندر داخل ہوا تو اسے ایک ساتھ چھ لاشیں خون میں لت پت نظر آئیں۔ وہ شخص یہ خونیں منظر دیکھ کر پہلے تو حواس باختہ ہوا پھر اس نے مقتولوں کی جیبوں کی تلاشی لی اور ان کے پستول اپنی جیب میں بھرنے شروع کر دیئے۔ مظلوم لڑکی جو کسی ایسے ہی موقع کی منتظر تھی، وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئی اور اس نے آتے ہی پولیس کو اس دہشت انگیز واردات سے مطلع کیا۔ پولیس جب وہاں پہنچی تو لڑکی کو اغوا کرنے والا مجرم غائب تھا اور وہاں زینے پر چھ لاشیں پڑی ہوئی تھیں ان کے ہاتھ میں کوئی پستول نہیں تھا۔ میں نے یہ تمام واقعات پوری توجہ اور سنجیدگی سے سنے۔ میں فوراً ایڈورڈ کا نام بھی نہیں لے سکتا تھا۔ میں انہیں کیا بتاتا کہ میں خود ہی اس واقعے کا شاہد ہوں اور یہ قتل میری انکا کی طاقت کا کرشمہ ہیں۔ عجیب دلچسپ بات تھی کہ جو شخص اس خونیں واردات کی بنیاد تھا، اس سے رہنمائی اور سچائی کے لئے کہا جا رہا تھا۔ ایڈورڈ سے کوئی سلسلے ملاتا تو خود اپنے ملوث ہونے کا اندیشہ تھا۔ جم نے مجھے الجھن میں مبتلا کر دیا۔ کاش مجھے سیٹ مل جاتی اور آج ہی لندن سے روانہ ہو جاتا۔ افسران میرے چہرے کی طرف مضحکہ خیز انداز میں دیکھ رہے تھے اور جم بار بار مجھ سے کہہ رہا تھا۔ ''دولت علی! لارڈ رالف اسمتھ کے کیس میں تم نے منٹوں میں اصل قاتل کا چہرہ بے نقاب کر دیا تھا۔ اس معاملے میں بھی ہمیں کچھ بتاؤ۔''

''مجھے کچھ غور کرنے وقت دو جم! یہ کیس خاصا پیچیدہ معلوم ہوتا ہے۔''

''مجھے یقین ہے کہ تم کوئی جادو کر دکھاؤ گے۔ میں نے اپنے دوستوں سے تمہارا بڑا تذکرہ کیا ہے۔'' جم جوش میں بولا۔

میں نے اپنی گردن جھکا لی، ایک افسر نے بڑھ کر مجھے سگریٹ پیش کیا اور میرے ہاتھ میں ایک جام تھما دیا۔ میں نے کچھ توجہ دیئے بغیر اسے اپنے حلق میں انڈیل لیا۔ اس وقت میرا ذہن کسی کہانی کا تانا بانا بننے میں مصروف تھا مگر کوئی سرا نہیں مل رہا تھا۔ قتل کے وقت ایڈورڈ کلب میں موجود تھا۔ بدقسمتی سے مقتولوں کے پستول چھن گئے تھے جن سے ان کے اپنے نشانات کا پتہ چلتا۔ مجھے تذبذب میں گھرا ہوا دیکھ کر جم جوشیلے انداز میں اپنے دوست افسران کو اسپارٹا سے میرے مقابلے کا واقعہ سنانے لگا۔ وہ شاید اپنے دوستوں کو یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ اس نے مجھے بلا کر کوئی غلط انتخاب نہیں کیا ہے۔

''خوب......!'' یکا یک میری آواز گونجی۔ ''از راہ کرم مجھے ایک جام اور عطا کیجئے۔ یہ واقعہ خاصا دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔''

''کیا تم نے کوئی نتیجہ اخذ کیا؟'' وہ جلدی سے بولا۔

''کوئی خاص نہیں۔ میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن میرا خیال ہے کہ تمہیں قتل کی اس واردات کی فائل پر ناقابل حل کی پرچی چسپاں کرنی ہوگی۔'' میں نے افسردگی سے کہا۔ ''میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ ان لوگوں نے ایک دوسرے کو قتل کیا ہو؟'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''اس کا کوئی جواز تو ہوگا؟'' ایک افسر بولا۔

''جواز۔ بظاہر صاف ہے، اختلاف کسی بھی مسئلے پر۔ دنیا میں ہر خون خرابے کی وجہ اختلاف ہے۔''

جم بوکھلایا ہوا تھا۔ ادھر میں پریشان تھا کہ کون سا جواب دوں۔ جم کی بوکھلاہٹ کی وجہ یہ ہوگی کہ اسے میری خاموشی پر اپنے دوستوں کے سامنے نادم ہونا پڑتا۔ میں نے ان لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لئے ماحول خوش گوار بنانا چاہا۔ میں اس وقت برطانیہ کی پولیس کے ماہروں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔ میں کون تھا؟ وہ بے چارے نہیں جانتے تھے۔

''ارے مسٹر ہارڈی!'' میں نے اچانک کہا۔ ''کہئے لزی کا کیا بنا ہے، کب واپس آ رہی ہے؟''

''لزی!'' ہارڈی کی آنکھیں پٹ پٹانے لگیں۔ ''تمہیں کب معلوم ہوا کہ وہ باہر گئی ہوئی ہے؟''

''مجھے آپ کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے لیکن چھوڑیئے، مسٹر نارمن کے متعلق سوچتے ہیں ان کی جیب میں قیمتی سگار ہیں جو آج ہی ان کے دوست نے دیئے ہیں۔ مسٹر نارمن! کیا آپ مجھے ایک سگار نہیں دیں گے؟'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اوہ مائی گارڈ!'' نارمن نے اپنی جیب سے سگار نکالتے ہوئے کہا۔ ''آپ تو جیبوں میں گھسے ہوئے ہیں۔''

''اور یہ دیکھئے، یہ ایڈی...... آج کتنے سست نظر آتے ہیں۔ آج تو باقاعدہ لڑائی ہوئی تھی۔

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

کیوں مسٹر ایڈی!'' میں نے شرارت سے کہا۔

''اوہ، اوہ...... مسٹر دولت علی!'' ایڈی نے جھینپ کر بولا۔ ''بس کیجئے۔''

میں نے جم کو مایوس اور ناکام نہیں ہونے دیا۔ میں نے بہر حال یہ بات ثابت کر دی کہ جم نے ان کے سامنے جھوٹ نہیں بولا ہے۔ وہ ایک غیر معمولی آدمی سے بات کر رہے ہیں جو اندر کی باتیں بتا دیتا ہے۔ ہمارے درمیان خاصی بے تکلفی ہو گئی تھی۔ میں چٹکلے چھوڑ رہا تھا، انکا ادھر ادھر پھدک رہی تھی۔ باہر سے ٹیلی فونک پیغامات کا سلسلہ جاری تھا۔ ہر لمحے نئی اطلاعات ان افسران کو پہنچائی جا رہی تھیں۔ پولیس نے سارے مکان کا محاصرہ کر کے ایک ایک چیز کے نشانات لینے شروع کر دئے تھے۔ غنڈوں کے اعزاء سے رابطہ جاری تھا اور ان کی سرگرمیوں کے بارے میں ایک ایک اطلاع دی جا رہی تھی۔ لندن پولیس کی یہ کارکردگی دیکھ کر میں اپنے ہاں کی پولیس سے ان کا موازنہ کرنے لگا۔ خاصا رنگ جمانے کے بعد میں جم کے ہمراہ جائے واردات کا جائزہ لینے کے بہانے اٹھا۔ ہم آدھی رات کے قریب اس ویران مکان تک پہنچے جس مکان میں کل رات میں خود تھا، آج میں اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

''تم کسی مقتول کی روح کو کیوں نہیں بلا لیتے جیسا کہ لارڈ رالف اسمتھ کے کیس میں تم نے کیا تھا؟'' جم نے کہا۔

''آہ پیارے جم! ایک دن کی دیر ہو گئی۔ یہ واقعہ چوبیس گھنٹے پہلے کا نہیں ہے اب روحیں آسانی سے نہیں آئیں گی کیونکہ وہ طویل سفر پر جا چکی ہوں گی اور پھر ہر معاملے میں یکساں برتاؤ نہیں کیا جاتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بدمعاش روحیں آسانی سے قبضے میں نہیں آئیں گی۔'' جم نے میری بات سمجھنے کے انداز میں سر ہلایا۔

''دولت علی! خدا کے لئے کچھ کرو۔'' جم بہت جذباتی ہو رہا تھا۔

''مجھے آج رات آرام کرنے دو۔ میں سوچتا ہوں۔ صبح تم میرے پاس آؤ۔ شاید کوئی اچھی خبر تمہیں سنا سکوں۔'' یہ کہہ کر میں نے بمشکل تمام جم سے اجازت لی۔ اس نے مجھے میرے ہوٹل تک پہنچایا۔ آج کمرا خالی خالی معلوم ہو رہا تھا۔ کل رات یہاں ارما تھی۔ انکا نے مذاق کرنا چاہا تو میں نے اسے جھڑک دیا، بڑی تنہائی سی محسوس ہو رہی تھی۔ انکا میری افسردگی کی وجہ سمجھ کر اور مجھ سے تھوڑی دیر کے لئے اجازت لے کر میرے سر سے اتر گئی۔ میں الجھا ہوا تھا اس لئے میں نے اس سے باز پرس نہیں کی۔ انکا کے جانے کے بعد اور اداسی ہو گئی۔ مجھے افسوس ہوا کہ میں نے اسے خواہ مخواہ جھڑک دیا۔

ایک گھنٹے بعد میرے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازے کے چھوٹے شیشے سے جھانک کر دیکھا۔ وہاں تمارا کھڑی تھی۔ وہ ترکی رقاصہ جو آج اسپارٹا سے مقابلے سے پہلے اسٹیج پر نظر آ رہی تھی۔ میں نے جھٹ دروازہ کھول دیا۔ تمارا اپنی تمام جلوہ سامانیوں کے ساتھ آئی اور آتے ہی میرے گلے سے

Downloaded from Paksociety.com

لپٹ گئی۔ ''دولت علی! میں فن اور فنکاروں کی عزت کرتی ہوں۔ تم نے آج جو مظاہرہ کیا ہے، وہ میری عقل میں نہیں آتا۔ میں شو ختم ہونے کے بعد تم سے ملنے کے لئے تڑپ رہی تھی، تم فوراً چلے گئے۔ اب میں اسپارٹا اور سلیمان بے سے چھپتی چھپاتی تمہارے پاس پہنچی ہوں۔ تم ایک عظیم آدمی ہو۔ میں نے اتنا بڑا فن کار نہیں دیکھا۔'' تمارا نے جذبات میں ڈوب کر کہا۔

میں نے اسے بٹھایا۔ اس کی خدمت میں مشروبات پیش کئے۔ انکا بھی اس کے ساتھ آئی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ وہی میری تنہائی کو محسوس کر کے تمارا کو لائی ہو گی لیکن اس نے یہ بتا کر مجھے حیرت زدہ کر دیا کہ تمارا خود مجھ سے ملنے کے لئے بے چین تھی۔ انکا نے اسے مزید اکسا دیا اور وہ اتنا بڑا قدم اٹھانے پر مجبور ہو گئی۔

وہ رات بھی ان حسین راتوں میں سے ایک ہے جنہیں میں کبھی نہیں بھولا، میرے کمرے میں تمارا نے بیلے رقص کیا۔ وہ تا دیر تھرکتی رہی جب تھک گئی تو میرے بستر پر گر پڑی۔ رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی اور ہم دونوں جاگ رہے تھے، تمارا نہ جانے کہاں کہاں کی، کس کس دیس کی اور کن کن لوگوں کی باتیں کر رہی تھی اور میں اس کی زلفوں سے کھیل رہا تھا۔

اچانک ہوٹل میں ایک زبردست دھماکا ہوا۔ ہوٹل لرزتا ہوا محسوس ہوا، بجلی فوراً بند ہو گئی اور میرا کمرا اندھیرے میں ڈوب گیا۔ میں نے فوراً انکا کی طرف دیکھا۔ وہ مجھ سے کہہ رہی تھی۔ ''جمیل! ایک لمحے کی دیر کئے بغیر اس کمرے سے بھاگ جاؤ، ایڈورڈ کے غنڈوں نے اس کمرے کا محاصرہ کر لیا ہے۔ انہوں نے ایک دستی بم پھینک کر روشنیاں گل کر دی ہیں اور انتظامیہ کی توجہ ہوٹل کی دوسری جانب مبذول کر دی ہے۔ اب وہ تیزی سے تمہارے کمرے کی طرف بڑھ رہے ہیں، لفٹ بند ہے، انہیں یہاں تک پہنچنے میں تھوڑی دیر لگے گی، تم فوراً روانہ ہو جاؤ۔''

میں نے تمارا کو اٹھایا اور اسے پلنگ سے کھینچنے لگا۔ ''تمارا! ہوٹل خطرے میں ہے، فوراً باہر آ جاؤ۔'' وہ نازنین منتشر تھی اور اس حالت میں نہیں تھی کہ فوراً باہر نکل سکے۔ میں نے کمبل سے اسے ڈھانپ دیا اور کھینچتا ہوا کمرے سے باہر آ گیا۔ انکا بار بار عجلت پر اصرار کر رہی تھی۔ ادھر تمارا وحشت میں ان گنت سوالات کئے جا رہی تھی۔ میرے پاس جواب دینے کا وقت نہیں تھا۔ میں اسے تیزی سے لئے ہوئے تین فلور اوپر ہوٹل کی چھت پر چلا گیا اور دوسری طرف کی سیڑھیوں سے نیچے اترنے لگا، انکا میرے ساتھ تھی۔ تمارا کا سانس پھولا ہوا تھا۔ اسے ساتھ لے کر چلنے میں دشواری ہو رہی تھی۔ لمحوں میں ہوٹل میں چیخ پکار مچنے لگی پھر گولیاں چلنے کی آواز گونجنے لگی۔ اب سیڑھیوں پر ہم اکیلے نہیں تھے ہمارے ساتھ دوسرے مسافر بھی تھے جو اندھیرے میں ایک دوسرے کے چہرے دیکھتے اور سوالات کرتے ہوئے دہشت سے اتر رہے تھے۔ اس غتر بود میں تمارا کا ہاتھ مجھ سے چھوٹ گیا کیونکہ وہ بار بار اپنا بدن کمبل سے ڈھانپنے

Downloaded from Paksociety.com

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف
ایڈ فری لنکس
ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ
ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر
کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بُک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

میں مصروف ہو جاتی تھی۔ ادھر نیچے کے فلوروں پر آتے آتے زینے پر خاصی بھیڑ ہو گئی۔ انکا نے مجھے تمارا کو چھوڑ کر آگے چلنے پر مجبور کر دیا۔ جب ایک ہجوم گراؤنڈ فلور پر پہنچا تو نچلی منزل کے ایک حصے پر آگ لگی ہوئی تھی۔ میں لوگوں کی بھیڑ میں خود کو چھپاتا ہوا باہر آ گیا اور میں نے ایک سمت میں تیزی سے دوڑنا شروع کر دیا۔ میرے ساتھ اور بھی بہت سے مسافر تھے۔ میں تمارا کا انتظار کرنا چاہتا تھا لیکن انکا مجھے آگے بھگانے پر مصر تھی۔ آخر میں نے خود کو ایک دوسری قریبی عمارت میں چھپا دیا اور عمارت سے باہر کا واویلا دیکھنے لگا۔ ہوٹل کی آگ نے اس دوران زور پکڑ لیا تھا۔ پھر مجھے وہاں کئی نیم عریاں مرد اور عورتیں بھاگتے ہوئے نظر آئے۔ شاید انہیں لباس پہننے کی فرصت نہ ملی ہو۔ ان میں تمارا بھی تھی جو ایک مرد کا ہاتھ تھامے ہذیانی انداز میں باہر نکل رہی تھی۔ فائر بریگیڈ کا عملہ اور پولیس کی گاڑیاں ہوٹل کے گرد جمع ہونے لگیں۔ ان میں سے ایک پولیس وین سے اعلان ہوا۔ ”مسٹر دولت علی جہاں کہیں ہوں پولیس وین نمبر ۲۴ میں آ جائیں۔“

میں پہلے تو جھجکا مگر جب انکا نے بتایا کہ یہ اعلان جم کی طرف سے ہے تو میں نے سڑک پار کی اور وین نمبر ۲۴ میں جم سے جا ملا۔ وہ گاڑی سے باہر مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔ ”دولت علی! تم خیریت سے تو ہو؟“

”ہاں جم!“ میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ ”میری زندگی بڑی ڈھیٹ ہے۔ موت ہر بار قریب آ آ کے رہ جاتی ہے۔“

جم مجھے اپنے گھر لے گیا۔ میں نے اس کے کپڑے پہنے، صبح قریب تھی۔ مجھے گہری نیند آ گئی، میں کوئی دس بجے سو کر اٹھا، سارا اور جین، جم کے گھر میں میری خیریت پوچھنے کے لئے موجود تھیں، انہوں نے مجھے جگایا نہیں تھا۔ صبح کے اخبارات میں ان چھ غنڈوں کی خبر شہ سرخیوں کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ سارا دن میں جین اور سارا کی معیت میں جم کے گھر رہا۔ وہیں جم میرے ہوٹل سے میرا لباس لے آیا اور اس نے بتایا کہ ہوٹل کا ایک حصہ آگ کی لپیٹ میں ہے لیکن بڑا حصہ محفوظ ہے۔ پولیس اس دوسرے واقعے سے بھی پریشان تھی، کوئی شخص گرفتار نہیں ہوا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ ایڈورڈ جیسے بدمعاش سے نمٹنے کے لئے کوئی موافق صورت حال سامنے نہیں تھی۔ چھ دن بعد مجھے روانہ ہونا تھا۔ ان آخری چھ دنوں میں مزید کوئی ہنگامہ نہیں ہونا چاہئے تھا۔ یہ بہت آسان ترکیب تھی کہ انکا کے ذریعے میں ایڈورڈ کا قلع قمع کرا دیتا جس سے سارا بھی محفوظ ہو جاتی۔ جم کو ابھی تک یہ معلوم نہیں تھا کہ میں چھ دن بعد ہندوستان روانہ ہو رہا ہوں۔ سارا نے اسے بتا کر مجھے روکنے کی سبیل نکال لی۔ ادھر مجھے ایک ایک لمحہ گراں گزر رہا تھا۔ جم کے گھر آ جانے کے بعد جین سے کوئی تعلق بھی نہیں پیدا کیا جا سکتا تھا اور یہ ناممکن تھا کہ جم اب مجھے ہوٹل میں منتقل ہونے دیتا۔ چھ غنڈوں کے قتل کا کیس ابھی تک الجھا ہوا تھا۔ میں نے اپنے طور پر جم کو یہ باور کرانے کی

کوشش کی کہ دو گروہ آپس میں لڑ پڑے ہیں، اس کی سوا اس کیس کی کوئی دوسری نوعیت نہیں ہے۔ جم تو مان گیا کیونکہ اسے میری ہر بات پر یقین تھا لیکن دوسرے افسران یہ حل تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہو رہے تھے۔

شام کو جم نے، جب سارا اور جین کمرے میں موجود تھیں، دروازہ بند کر کے مجھ سے کہا۔ ”دولت علی! جو سوال میں کروں، تم صرف اس کا جواب دے دو۔“

میں نے اطمینان سے کہا۔ ”کہو۔“

”دولت علی! کیا تم ایک شخص، کسی بھی شخص کو اس قدر اپنے حکم کے تابع کر سکتے ہو کہ وہ تمہارے ایما پر جہاں چاہے آ جائے جو کام تم چاہو، اس سے کرا سکو۔ سلیمان بے کے معاملے میں تم نے یہی کیا تھا؟“

میں نے مختصر جواب دیا۔ ”ہاں، یہ میرے لئے آسان کام ہے۔“

”کیا تم ایک شخص کو میرا تابع بنانے میں مدد کر سکتے ہو؟“

میں نے ہنس کو پوچھا۔ ”کوئی لڑکی پسند آ گئی ہے؟“

”نہیں۔“ اس نے کہا۔ ”میں تمہیں جرمنی لے جانا چاہتا ہوں۔ یہ تمہاری صلاحیت پر منحصر ہے کہ تم وہاں کتنے دن میں اپنا اثر رسوخ جما سکتے ہو۔ ہمیں وہاں سے ایک شخص کو لانا ہے۔“

”جرمنی...... جم، کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟“ میں نے کہا۔ ”مجھے ہندوستان جانا ہے۔“

”مجھے معلوم ہے لیکن تم ایک ماہ اور ٹھہر سکتے ہو۔ ممکن ہے تمہارا کام اس سے پہلے نمٹ جائے۔“ جم نے التجا کی۔

”ہندوستان میں مجھے بہت ضروری کام ہیں، تم سمجھتے کیوں نہیں جم! ضرور تمہیں سارا نے ورغلایا ہے۔“ میں نے برہمی سے کہا۔

”نہیں دولت علی! میں تمہیں اتنی جلدی نہیں جانے دوں گا۔ اگر تم تیار ہو تو ہم آج رات ہی جرمنی روانہ ہو جائیں گے اور تم ایک عظیم کام انجام دو گے۔“ جم نے زور دے کر کہا۔

”پیارے! میں اس قسم کا آدمی نہیں ہوں۔ ممکن ہے میری صلاحیتیں وہاں کام ہی نہ کریں، اب دیکھو نا چھ لاشوں کے کیس میں......“ میں نے اسے ٹالنے کے لئے کہا۔

”دولت علی! تم بولڈ، جرأت مند اور بہت زیرک شخص ہو، مجھے تمہاری معاونت کی ضرورت ہے۔ تم اپنے دوست جم پر احسان کرو گے، میں تم سے درخواست کرتا ہوں۔“

کچھ عجیب سی صورت ہو گئی تھی۔ جم مسلسل اصرار کر رہا تھا اور میں انکار۔ وہ یہ طے کر کے آیا تھا کہ مجھے ہر حال میں اس سنگین کام کے لئے آمادہ کرے گا۔ میں نے اس سے لاکھ بہانے کئے، کوئی عذر نہیں چھوڑا لیکن جم اپنی بات پر اڑا رہا۔ اسے میری ذات پر اتنا بھروسہ اور میری شخصیت پر ایسا زبردست اعتماد

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

تھا کہ مجھے انکا پر نہ تھا۔ جرمنی سے واپسی کی مدت کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ اگر مجھے ہندوستان نہ جانا ہوتا تو شاید میں جم کی بات مان لیتا۔ جم میرے انکار سے اداس ہوگیا۔ اس نے کہا۔ ’’دولت علی! تم کام کی اہمیت سے ناواقف ہو۔ کاش میں نے اسی وقت سب کچھ بتا دیا ہوتا۔ یقین کرو اس میں بہت کم خطرہ ہے۔ پروگرام تھا کہ تم جین کے ساتھ اسے اپنی سیکرٹری بنا کر جرمنی جاؤ گے۔ میں ایک خاص طیارے سے جرمنی میں داخل ہوں گا، میرا تمہارا رابطہ قائم رہتا لیکن میں تم سے علیحدہ رہ کر دوسرے کاموں کی نگرانی کرتا۔ جین روانی سے جرمن زبان بول لیتی ہے۔ تم خود کو ہندوستان کا نواب ظاہر کرتے اور اپنی صلاحیتوں کی بنا پر جلد اس گروہ سے قریب ہو جاتے جس سے وہ شخص تعلق رکھتا ہے۔ تم اسے اعتماد میں لیتے، اس قدر اعتماد میں کہ وہ تمہارے ساتھ کہیں بھی آ جا سکتا۔ تم ایسا کر سکتے ہو، مجھے یقین ہے پھر ایک مخصوص مقام پر ہم اسے اپنے خصوصی طیارے میں لے آتے۔ جرمنی میں تمہارے قیام کا تمام تر انتظام سروس کے ذمے ہوتا۔ جین کی موجودگی میں تنہائی بھی محسوس نہیں ہوتی۔ تم یہ کام کر سکتے ہو، دولت علی! پھر سوچ لو۔‘‘

جم نے جین کا نام لیا تو میں نے دلچسپی سے اس کا پروگرام سنا۔ جرمنی میں تنہائی کے ان گنت دن۔ حسین جین کے ساتھ، میرے جسم میں بجلی سی دوڑ گئی۔ ایک نظر میں انکا کی طرف دیکھا تا کہ میں اس کا عندیہ لے سکوں۔ انکا طنزاً مسکرائی۔ مجھے اس سے جھینپ سی آنے لگی۔ میں نے شوخی میں ایک زوردار ہاتھ اپنے سر پر مارا تو انکا میرے بال نوچنے لگی۔ جم سامنے تھے اس لئے میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ جین کا ذکر آ جانے کے بعد جم کے سامنے اتنی جلدی آمادہ نہیں ہونا چاہتا تھا۔ کچھ دیر بعد میں نے دوسری تفصیلات پوچھ کر جم کو منظوری دے دی۔

ایڈورڈ ابھی تک زندہ تھا اور میں اسے کوئی سزا نہیں دے سکا تھا۔ میری عدم موجودگی میں سارا، ایڈورڈ کے کسی ستم کا شکار ہو سکتی تھی۔ ادھر اسے لندن سے جین، جم اور اپنی اچانک غیر حاضری کی وجہ سمجھانے میں دقت ہو رہی تھی۔ میں نے جم سے کہہ کر اس کے گھر پر سیکیورٹی کے چند آدمی تعینات کرا دیئے، جم اس بات پر حیران ہوا تو میں نے اسے خاموش کرنے کے لئے کہا۔ ’’جو میں کہتا ہوں، وہ کرو، چلتے وقت تمہیں سب بتا دیا جائے گا۔‘‘

سارا سے کہا گیا کہ ہم لوگ ایک اہم مشن پر لندن سے کچھ دور ایک دن کے لئے جا رہے ہیں۔ ایک دن کی بات تھی، سارا جز بز ہو کر خاموش ہوگئی۔ شام کو سات بجے جم نے مجھے اور جین کو جرمنی کے لئے رخصت کیا۔ میری ضرورت کا ہر سامان جہاز پر موجود تھا۔ میں جین کو لئے ہوئے جہاز پر سوار ہوگیا۔ راستے میں جین ایک سیکرٹری کی طرح بڑی مستعدی سے میری باتیں سنتی رہی۔ ہمارے پاسپورٹ میں بھی اسی طرح کی ترمیم اسی دن کر دی گئی تھی۔ یہ ایک خطرناک مشن تھا۔ مجھے اس کی خطرناکی کی زیادہ فکر نہیں تھی

مجھے تو جین کی فکر تھی۔ جین میرے ساتھ ہوٹل میں...... خلوت میں مقیم رہے گی۔ جین، جس کے بدن سے خوشبو آتی ہے، جس کی قربت جسم کو لرزا دیتی ہے۔ جس کا جسم کسی خاص سانچے میں قدرت نے ڈھالا ہے۔ اس سفر میں میرے لئے کوئی اور دل کشی نہیں تھی، جین تھی تو ساری دل کشیاں تھیں۔

برلن میں، جین کے ساتھ جب میں نے ایک شاندار ہوٹل میں قدم رکھا تو مجھے خود پر فخر سا ہونے لگا۔ میری آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگا ہوا تھا اور میں نے سفید شیروانی پہن رکھی تھی۔ جین نے مجھے اپنے تصور کے مطابق ایک ہندوستانی نواب بنانے کی تمام ہدایتیں جہاز میں ہی دے دی تھیں۔ ہوٹل میں ایک بڑا کمرا بک کرایا گیا۔ ہوٹل کا عملہ ہندوستان سے ایک نواب کی آمد پر بچھا بچھا جاتا تھا۔ میں بالکل خاموش چھڑی گھماتا ہوا جب خاص دروازے سے گزر کر اوپر کے زینے پر چڑھا تو ایک سیڑھی پر میں نے دانستہ ٹھوکر کھائی۔ ہوٹل کے مستعد ملازمین دوڑ پڑے۔ جین نے مجھے اپنے ہاتھ سے اٹھایا اور میں الٹے سیدھے جملے بکتا ہوا اوپر چلا گیا۔ اس طرح میں پہلے ہی موقع پر ہوٹل کے منتظمین کو اپنی لاابالی طبیعت اور حماقت اور آزادروی کے متعلق ایک تاثر دینا چاہتا تھا۔ ہمارا کمرا واقعی کسی نواب کا کمرا تھا۔ ایک علیحدہ کمرے کا تصور کیجیے۔ جین اس کمرے میں سج رہی تھی اور میں اس کا کوئی غلام معلوم ہو رہا تھا۔ میں اس کا غلام عملاً تھا، پوری ہندوستانی قوم غلام تھی۔ جین مجھ سے بہت شگفتہ انداز میں باتیں کر رہی تھی۔ ہوٹل میں داخل ہو کر اس نے دروازہ بند کر کے پھرتی کے ساتھ در و دیوار، بستر اور کونوں کھدروں کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ جرمنی میں ان دنوں سیاحوں کی آمد و رفت مشکوک تھی۔ کمرے میں جین کو کوئی ٹرانس میٹر یا کسی قسم کا کوئی آلہ دستیاب نہیں ہوا پھر اس نے اپنے سینہ پوش سے ایک ٹرانس میٹر نکالا اور اس پر کوڈ ورڈز میں پیغام کوڈ کرنے لگی۔ اس وقت مجھے جین کچھ خوف ناک سی نظر آئی۔ پیغام بھیجنے کے بعد اس نے مجھے غسل کرنے اور لباس تبدیل کرنے کا حکم دیا۔ میں نے فوراً اس کی تعمیل کی۔

ہم نے کھانا کمرے میں منگوایا۔ میز پر جین نے ایک ماہر سراغ رساں کی طرح میرے سامنے برلن کا نقشہ پھیلا دیا، وہ برلن میں پہلے بھی دو تین بار آ چکی تھی۔ پھر اس نے سائنس داں گلبرٹ کے مکان، اس کی تجربہ گاہ کا محل وقوع، اس کا فوٹو، اس کی شخصیت اور مصروفیت کے بارے میں ایک ایک بات مجھے ذہن نشین کرانی شروع کر دی۔ میں اس کی صورت دیکھ رہا تھا، باتیں کرتے ہوئے اس کے منہ سے پھول جھڑ رہے تھے۔ میں نے ان تفصیلات پر کوئی توجہ نہیں دی اور جین سے رومانی انداز میں کہا۔ ’’جین! برلن میں یہ دن تمہاری رفاقت میں کتنے حسین گزریں گے۔‘‘

’’دولت علی! تم اس اہم کام پر زیادہ توجہ نہیں دے رہے ہو۔‘‘ جین نے سنجیدگی سے کہا۔ ’’یہ اتنا آسان کام نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ ہمیں اس شخص سے رابطہ پیدا کرنے کے لئے فوراً ان تمام مقامات پر جانا ہوگا جہاں اس کے ملنے کا امکان ہو۔‘‘

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

"میں فی الحال تمہیں دیکھ رہا ہوں۔" میں نے نشیلے لہجے میں کہا۔

"یہ ایک بہت خطرناک مشن ہے دولت علی!" جین نے ناراضی سے کہا۔

"مجھے برلن کے متعلق بتاؤ، یہ شہر کیسا ہے؟"

"دولت علی! خدا کے لئے میری بات سنو۔ تفریح کے لئے لندن کیا کم ہے۔ یہاں ہمیں پھونک پھونک کر قدم اٹھانا ہے۔"

میں اسے چھیڑنے کے لئے اس کی تمام باتیں ہنسی میں ٹالتا رہا، ابھی وہ لمحہ دور تھا کہ میں اسے قریب کر لیتا۔ یہ بتدریج قربت بہت لطف دے رہی تھی۔ کوئی گیارہ بجے صبح ہم ہوٹل سے نکلے اور ہوٹل کی گاڑی میں برلن شہر کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے شام تک گھومتے رہے۔

شام کے کوئی سات بجے ہم ایک ایسے ریستوران میں داخل ہوئے جس کا نام اگر کلب رکھا جاتا تو غلط نہ ہوتا۔ ریستوران کیا تھا خلد بریں کا کوئی گوشہ ادھر منتقل تھا۔ وہاں سائنس داں جو ہمیں مطلوب تھا، ایک میز پر تنہا بیٹھا شراب اور سگار سے شغل کر رہا تھا۔ اس کی عمر پچاس سال کے قریب ہوگی۔ میں نے جین کو مطمئن کرنے کے لئے اس کی شخصیت کا باقاعدہ جائزہ لینا شروع کیا۔ ٹھیک آٹھ بجے وہ اٹھ گیا۔

ایک نظر اس کی شخصیت کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات وثوق سے کہہ سکتا تھا کہ وہ ساری دنیا سے بے نیاز جستجوئے علم میں مستغرق ایک شخص ہے۔ اس کی چال ڈھال، اطوار و انداز سے بے ڈھنگا پن جھلکتا تھا، قنوطی فلسفیوں کا جو ایک خاص حلیہ ہوتا ہے جو ہمارے ہاں کے بعض شاعروں کی شناخت بھی ہے، وہی اس دنیا سے بیزار شخص کا حلیہ تھا۔ اس کے جانے کے کوئی ایک گھنٹہ بعد ہم اٹھ کر اپنے ہوٹل میں آ گئے۔

رات کو ہم نے برلن میں ایک اوپیرا شو دیکھا۔ میں اس رات کا منتظر تھا، یہ رات کل لندن میں مجھ سے روٹھ گئی تھی۔ آج نہ سارا کا ڈر تھا اور نہ جم کا۔ برلن کے ایک ہوٹل میں، میں اور جین تنہا تھے۔ کمرے میں دو بڑے پلنگ ایک خاص دوری پر رکھے ہوئے تھے۔ جین رات کا لباس پہن کر ایک پلنگ پر دراز ہو گئی اور مجھ سے اس مشن کے بارے میں گفتگو کرنے لگی جو اس کے ذہن و دل پر مسلط تھا۔

"جین، تم مجھے کیسا شخص سمجھتی ہو؟" اچانک میں نے ایک سوال کر دیا۔

جین اٹھ کر بیٹھ گئی۔ "دولت علی! یہ تم پر کیسا موڈ سوار ہے؟"

"جین، ایک بات کہوں۔" میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"کہو!" وہ کچھ سمجھتے ہوئے بولی۔

"جین! تم نے سلیمان بے کو دیکھا۔ میں نے اس شخص کو ایک لمحے میں اپنے احکام کا تابع کر لیا تھا۔" میں نے سرسری انداز میں کہا۔

"واقعی تم نے کمال کر دیا مگر تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

Downloaded from Paksociety.com

"میں کسی بھی شخص کو بے بس کر سکتا ہوں۔"

"مجھے تمہاری صلاحیتوں کے بارے میں پورا علم ہے اسی لئے سروس نے تمہیں منتخب کیا ہے، یہ ایک انوکھا مشن ہے۔"

"کیا تم ایک خوبصورت لڑکی نہیں ہو۔"

"مجھے اپنے بارے میں کوئی اندازہ نہیں ہے۔" جین کی آنکھوں میں خوف تھا۔

"تم ایک بہت حسین لڑکی ہو، سنو جین! میں اس مشن پر کبھی تیار نہ ہوتا۔ جب میں نے یہ سنا کہ تم ساتھ چل رہی ہو تو میں تیار ہو گیا۔"

"دولت علی۔ یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟"

"یہ جملہ میں نے بہت کم عورتوں سے کہا ہے کیونکہ مجھے اس جملے کی قیمت معلوم ہے، جین! مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے۔" میں نے کہہ ہی دیا۔

جین خاموش ہو گئی اور میری صورت دیکھنے لگی۔

"میں چاہتا تو تمہیں بھی کسی وقت بے بس کر دیتا اور تم مجھ سے بے تحاشا محبت کرنے لگتیں مگر یہ محبت بہت مصنوعی ہوتی۔"

"ایسی باتیں نہ کرو، جن کی بنا پر مجھے تم سے خوف پیدا ہو۔"

"نہیں جین! خوف کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہاری آمادگی کے بغیر تمہارے قریب نہیں آؤں گا لیکن میں جلتا رہوں گا اور مجھ سے کوئی کام نہیں ہو سکے گا۔"

"دیکھو دولت علی! میں اس قسم کی لڑکی نہیں ہوں جیسی لندن میں عام ملتی ہیں۔ میں نے کوئی کام کرنا چاہا ہے اسی لئے سیکرٹ سروس سے وابستہ ہو گئی۔ جم سے میری ملاقات یہیں ہوئی اور ہم دونوں نے کوئی کارنامہ کر کے شادی کرنے کا عہدہ کیا ہے۔"

"جین! مجھے غلط نہ سمجھو، میں اپنے دل کی بات کر رہا ہوں، میں کیا کروں؟ مجھے خود پر اختیار نہیں ہے۔"

"دولت علی! میں تم سے بہت متاثر ہوں مگر میں نے تمہارے متعلق کبھی اس طرح نہیں سوچا۔ تم جلد ہندوستان روانہ ہونا چاہتے ہو پھر تم پر یہ کیسا دورہ پڑا ہے اور اگر یہ آمادگی شرط ہے تو مجھے اس پر سوچنے کا موقع دو۔"

"مفاہمت کے انداز میں سوچو جین، ایک شخص ہندوستان جا کر بہت دور ہو جائے گا، کیا تم اس کا دل توڑ دو گی؟"

"دولت علی! میرے لئے اس وقت یہ مشن اہم ہے۔"

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

''اس کی فکر نہ کرو۔ میں یہ کارنامہ اپنے نام لکھوانا نہیں چاہتا۔ یہ تمہارا اور جم کا کارنامہ ہوگا۔ اس کے سلسلے میں تمہیں برطانیہ کا اعلیٰ اعزاز ملے گا۔ میں نے اس سائنس داں مارک کو دیکھ لیا ہے، یہ کام ہو جائے گا۔''

''کیا تم اتنے وثوق سے کہہ سکتے ہو؟'' جین نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

''میں کوئی غلط بات نہیں کہتا۔ مجھے جھوٹ بولنے کی عادت نہیں ہے۔''

''لیکن، ہماری معلومات ابھی ابتدائی حد تک ہیں، ہم نے اس سے رابطہ قائم کرنے کے لئے ابھی کوئی پروگرام تک نہیں بنایا ہے۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سب مجھ پر چھوڑ دو اور میری باتیں سنو، میں جو کچھ کہتا ہوں، وہ اپنے اندر سے کہتا ہوں۔''

''دولت علی!'' جین کچھ کہنا چاہتی تھی کہ خاموش ہوگئی۔

اسی وقت انکا نے کہا۔'' جمیل یہ کیا لاگ کر رہے ہو؟ مجھے حکم دو۔ یہ کم بخت صرف ایک لمحے کے بعد تمہاری آغوش میں تڑپ رہی ہوگی۔''

نہیں' انکا مجھے اس گفتگو میں لطف آرہا ہے۔ تم درمیان میں دخل مت دو، خاموشی سے دیکھتی رہو۔'' پھر میں جین سے مخاطب ہوا۔

''جین! میری جان، میں تمہیں پریشان نہیں کروں گا۔ تم اطمینان سے سو جاؤ۔ میں صرف تمہاری پیشانی کا بوسہ لینا چاہتا ہوں...... مجھے اس کی اجازت دو تاکہ میں آرام سے سو سکوں۔''

''اوہ......اوہ! دولت علی!'' جین شرما کر بولی۔'' میری پیشانی حاضر ہے۔''

وہ میرے پلنگ پر آگئی۔ سفید گاؤن میں اس کا خوب صورت بدن جھانک رہا تھا۔ میں نے اپنے جذبات پر پوری طرح قابو میں رکھے۔ جین کی پیشانی کا بوسہ لے کر میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ میری اس ادا پر جین بے حد متاثر ہوئی اور اس نے جواباً میری پیشانی چوم لی۔ اس کے بعد وہ فوراً اپنے بستر پر چلی گئی اور میں دیر تک جاگتا رہا۔ نہ جانے کب مجھے نیند آگئی۔

اگلے تین دن تک میں جین کو ساتھ لئے برلن کی تفریح گاہوں میں گھومتا رہا۔ میں نے اسے ساڑھی پہنائی جس میں اس کا سرخ و سفید رنگ ایک عجیب نکھار لے کر ابھرا تھا۔ میں نے اسے غرارہ، چوڑی دار پاجامہ پہنوایا، جمیل احمد خان کے لئے اس قسم کے کام منٹوں میں ہو جاتے تھے۔ میں اسے لئے کہاں کہاں گھومتا رہا۔ میں نے اس پر خوب دولت خرچ کی اور اسے تحائف سے لاد دیا۔ رنگ رنگ کے لباس زیب تن کروائے، انکا اس تمام عرصے میں فعال رہی، جین کے سامنے انکا کے ذریعے ایسے حیرت انگیز اقدام کرتا کہ وہ تعجب سے میری طرف دیکھنے لگتی۔ لوگ میرے اشاروں پر ناچتے تھے اور اس عرصے میں

Downloaded from Paksociety.com

جین ٹوٹنے لگی، جین بڑے مضبوط اعصاب کی مالک تھی، وہ بکھرنے لگی۔ میں نے اس کا خوف دور کیا اور اپنے کردار سے خود کو ہر لمحے کے لئے ایک با اعتماد شخص ثابت کیا۔ اس پر اب بھی اپنا مشن جلد از جلد پایہ تکمیل پہنچانے کا دورہ پڑ جاتا تھا۔ اس دن کے بعد سے ہم سائنس داں سے نہیں ملے تھے اور نہ ہی میں نے اس قسم کی کوئی کوشش کی تھی۔ جم اور سیکرٹ سروس سے جین کا رابطہ قائم تھا۔ چوتھے دن جم بھی جرمنی آگیا مگر وہ ہم لوگوں سے ملا نہیں، صرف ٹرانس میٹر کے ذریعے اس کے اور جین کے درمیان پیغامات کا تبادلہ ہوتا رہا۔ میں یہ مدت بڑھانا چاہتا تھا تاکہ جین کے ساتھ کچھ اور حسین دن گزر سکیں، بات آگے بڑھ گئی تھی۔ جین کے میرے قالب میں تحلیل ہونے کے لئے صرف کچھ دیر باقی تھی۔ پروگرام کے مطابق جم ایک ریستوران میں ہمیں مل گیا۔ ہمارے درمیان اشاروں اشاروں میں باتیں ہوئیں۔ میں نے اور جین نے اس کے سامنے جھوٹ بولا۔ ہم نے اسے بتایا کہ ہم رفتہ رفتہ سائنس داں گلبرٹ کے قریب ہو رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم بہت کچھ کر چکے ہیں۔ اب جلد ہی اسے اطلاع دیں گے کہ وہ کب اپنا جہاز تیار رکھے۔ جم کچھ دیر ہمارے پاس ٹھہر کر چلا گیا۔ جین اداس ہوگئی کیوں کہ میں نے ابھی تک اس سلسلے میں کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا اور جم کے سامنے جھوٹ بولا تھا۔ پھر میں نے ایک دن، رات کو جین سے کہہ دیا۔'' جم کو مطلع کر دو کہ وہ پرسوں رات اپنا طیارہ مقررہ مقام پر تیار رکھے۔ اس کا کام پرسوں ہو جائے گا۔''

''پرسوں؟ دولت علی، کیا تم ہوش میں ہو؟''

''ہاں، تم اس سے جو میں کہہ رہا ہوں، وہ کہہ دو۔''

''تمہیں خبر ہے کہ اگر طیارہ واپس چلا گیا تو اس کا دوبارہ آنا مشکل ہوگا۔''

''کیا تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں ہے؟'' میں نے زچ ہو کر کہا۔

''خیر...... میں کہے دیتی ہوں۔'' جین نے ٹرانس میٹر نکالا۔

''مگر ٹھہرو۔ ایک شرط ہے، تم اس مشن کے بعد جتنے دن میں کہوں گا، جرمنی میں ہی رہو گی؟'' میں نے جذباتی آواز میں کہا۔

''میں تیار ہوں۔'' جین نے فرط مسرت میں جواب دیا۔

ٹرانسمیٹر پر اطلاع دینے کے بعد جین پہلی بار میرے بستر پر بے تابی سے آئی اور آتے ہی مجھ سے بغل گیر ہوگئی۔ اس نے میرے رخساروں اور بالوں کے بوسے لینے شروع کر دیئے۔ میں جین سے قربت کا ذکر اتنی تفصیل سے اس لئے کر رہا ہوں کہ مجھ پر اس زمانے میں ایک پاگل پن سا طاری تھا۔ میں اپنی کیفیت کو کیا نام دوں، جین نے مجھ جیسے ذی ہوش اور ہر اعتبار سے مطمئن شخص کی زندگی میں ہلچل مچا دی تھی، میرا خیال ہے آدمی پر زندگی کے مختلف ادوار میں عشق کے دورے پڑتے ہیں۔ میں جین کو سر

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

کررہا تھا گویا وہ میرے لئے کوئی مہم تھی، جنہیں عشق کے ذکر سے کوئی طمانیت ہوتی ہے ان سے میری شدت چھپی نہ رہے گی، جو اس مرض میں مبتلا ہو چکا ہو وہی میرا دکھ سمجھ سکے گا۔ میں اختصار سے کام لے رہا ہوں حالانکہ جی یہی چاہتا ہے کہ قلم ٹوٹ جائے مگر جین کا ذکر ختم نہ ہو۔ دو دن اس کی قربت میں گزر گئے۔ مجھے معلوم تھا کہ جب میں سائنس داں کو جم کے پاس روانہ کردوں گا تو وہ میرا غلام بے دام ہو جائے گا اور اسے میری کسی جسارت پر اعتراض نہیں ہوگا۔ یہ دو دن میں نے دو صدیوں کی طرح گزارے، جین بار بار مجھے ٹوکتی تھی کہ میں نے جم سے وعدہ کرلیا ہے مگر میں اطمینان سے ہوٹل میں آرام کرتا رہا، رات کو بارہ بجے یہ مہم سرانجام دینی تھی۔ میں اس رات بھی بستر پر آرام سے پڑا رہا۔ جین کا برا حال تھا۔ جم ٹرانس میٹر پر اس سے رابطہ قائم کئے ہوئے تھا اور جین میری ہدایت پر بالکل غلط رپورٹیں دے رہی تھی۔ میں نے مقررہ وقت پر جین کو کچھ بتائے بغیر انکا کو روانہ کردیا۔ اس وقت جین کی حالت ناگفتہ بہ تھی، وہ مجھے برا بھلا کہہ رہی تھی، پھر اس نے مجھ پر پستول تان لیا تاکہ میں اسے صحیح صورت حال بتاؤں، اس وقت مجھے خطرہ لاحق ہوا۔ انکا بھی موجود نہیں تھی، میں نے جین کو طرح طرح سے سمجھایا لیکن وہ بے حد مشتعل نظر آ رہی تھی۔ جب مجھے یقین ہوگیا کہ وہ جذباتی لڑکی کسی وقت بھی مجھے قتل کرسکتی ہے تو میں نے اس سے ایک گھنٹے کی مہلت مانگی۔ وہ ایک گھنٹا جین نے جم سے ٹرانس میٹر پر گفتگو کرکے اور خاموش رہ کر گزارا۔ پھر ایک دم جین پھٹ پڑی۔ "دولت علی!" اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ "دولت علی! تم کوئی آدمی نہیں، تم کوئی بھوت ہو، وہ وہاں خود بخود پہنچ گیا ہے۔ سائنس داں وہاں پہنچ گیا ہے، طیارہ اڑ چکا ہے۔ اوہ...... یہ کیسے ممکن ہے!" وہ ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی۔ اس نے پستول پھینک دیا تھا۔ میں نے اس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ اس وقت وہ بہت پریشان، حواس باختہ اور جھنجلائی ہوئی تھی۔

میری مسلسل خاموشی پر وہ میرے پاس بجلی کی طرح لپکی اور بے اختیار میرے سینے سے چمٹ گئی۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ پھر کیا ہوا۔ دنیا میں چند ہی کاموں کے بعد اتنی خوشی ہوئی ہوگی جتنی اس کام کی تکمیل کے بعد جین کی دیوانگی دیکھ کر ہوئی۔ میں نے اسے اپنی بانہوں میں لے لیا۔ وہ میرے جسم کی حدت سے پگھلنے لگی اور میں نے اصل جین کو دیکھا۔ اس دوشیزہ کو جو سمندر میں اٹھتی ہوئی کوئی طوفانی موج تھی۔ مجھے کچھ یاد نہیں کہ اس رات کیا ہوا۔ میں جس لڑکی کے بارے میں پہلے ہی اتنی باتیں کرچکا ہوں اس کے اتصال سے مجھ پر کیا کیا قیامت نہ گزری ہوگی۔ کم بخت ہوگا جو اس رات سویا ہو اور اس رات کیا، میں اس کے بعد کسی رات نہیں سویا، نہ وہ سوئی۔ ہم ایک دوسرے میں ایسے ضم ہوئے کہ ہمیں کسی بات کا ہوش ہی نہ رہا۔ مجھے اس بات خیال بھی نہ رہا کہ ہندوستان واپس جانا ہے اور اسے لندن واپس ہونے کی سدھ بدھ نہ رہی۔ انکا یہ تماشائے جنوں دیکھتی رہی۔ ہم کوئی ایک ہفتے بعد ہوش میں آئے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ

ہوس کاری ایک نقطے پر پہنچ کر اپنی دلکشی کھو دیتی ہے اور حسن بے مزہ ہو جاتا ہے، میں ان سے عرض کروں گا کہ انہوں نے کسی حسن مجسم، کسی مہ کامل کو برتا ہی نہیں۔ ایک ہفتے تک ہم کمرے میں، ہوٹل کے سوئمنگ پول میں، رقص گاہ میں، بلئیرڈ روم میں، قمار خانے میں رہے گویا ہوٹل کی عمارت سے باہر نہیں نکلے۔ پھر ہم نے باہر قدم نکالا اور پندرہ دن تک جرمنی کے شہروں میں گھومتے رہے۔ جین نے جم سے ٹرانس میٹر کا رابطہ منقطع کرلیا تھا، اسے اس کی کوئی فکر ہی نہیں تھی۔ مجھے بہرحال ہندوستان جانا تھا۔ ان ہنگاموں سے دل نہ بھرتا تھا لیکن کلپنا اور بدری نرائن کا چہرہ بار بار سامنے آ جاتا۔ جرمنی میں تقریباً ایک ماہ کے قیام کے بعد ہم لندن کے لئے روانہ ہوگئے۔ جم نے بے تابانہ اور نیازمندانہ ہمارا استقبال کیا۔ وہ مجھے کوئی بہت بڑا اعزاز دلوانے کے موڈ میں تھا کیونکہ میں نے جرمنی سے ایک اہم سائنس داں کو اغوا کرکے ملک و قوم کی عظیم خدمت کی تھی۔ میں نے سارے اعزازات جین کے لئے وقف کردئے۔ میرے نام کا درمیان میں آنا خود میرے لئے نقصان دہ تھا۔ سارا میری اتنی طویل غیر حاضری پر خاصی مکدر نظر آتی تھی اور مجھے یہ جان کر کچھ سکون سا ہوا کہ سارا اور جم اس عرصے میں ایک دوسرے سے کچھ کھل مل سے گئے ہیں۔ سارا کے گھر ابھی تک گارڈ تعینات تھے۔ لندن میں جین سے ملاقات کم ہوگئی اور میں نے جلد سے جلد خود کو سمیٹنا شروع کردیا۔ وقت کم تھا اس لئے میں نے انکا کے ذریعے ایک دن ایڈورڈ کا کام تمام کرادیا۔ دوسرے دن اخبارات کو ایک سنسنی خیز خبر مل گئی کہ ایڈورڈ نے خودکشی کرلی ہے۔ لندن میں چھ ہلاکتوں کا واقعہ ابھی تک معما بنا ہوا تھا۔ ہم چاروں، کئی بار امرائے لندن کے کلب گئے۔ جہاز میں میری نشست محفوظ ہو چکی تھی اور میں تین دن بعد یہاں سے کوچ کرنے والا تھا۔

چلتے وقت میں نے اپنی خدمات کے عوض جم سے ایک بات کہی۔ میں نے اسے اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ سارا سے شادی کرلے۔ اس نے جین سے اپنے رابطے کا ذکر کیا تو میں نے اپنے روحانی علوم کی مدد سے اسے بتایا کہ جین سے اس کی شادی کامیاب نہیں رہے گی۔ ان لوگوں کو مجھ اتنا اعتماد اور یقین تھا کہ جم، جین کا خیال ترک کرکے سارا سے شادی کرنے کے لئے تیار ہوگیا۔ میں نے اپنے سامنے سارا کو منگنی کی انگوٹھی پہنائی۔ جین کو کوئی خاص غم نہیں تھا۔ اس کی حالت خراب تو میرے جانے کی وجہ سے تھی، میں اس کا محبوب جا رہا تھا۔ اور میری محبوبہ، میری جین مجھ سے چھوٹ رہی تھی۔ وہ بعض اوقات میری رخصت کا اتنا تاثر قبول کرتی کہ اسے سکتہ سا ہو جاتا۔ چنانچہ ہندوستان میں اسے بلانے یا جلد انگلستان آنے کے وعدے وعید کرکے میں جین سے اور لندن میں اپنے مختصر خاندان سارا اور جم سے رخصت ہوگیا۔ میرا ٹوٹا ہوا ہاتھ ویسے کا ویسا رہا۔ ائرپورٹ پر ارما اور تمارا بھی موجود تھیں۔ ان سب کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ جین اپنے جذبات نہ چھپا سکی۔ بھرے مجمع میں بلک بلک کر رو پڑی۔ چلتے وقت کا منظر بڑا دردناک تھا۔ میرا دل جین میں الجھا ہوا تھا۔ میرا بس چلتا تو میں ارما کے آنسو پی جاتا۔ لندن میں وہ

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

ایک ایسی لڑکی مجھے ملی تھی جو شباب کی اس منزل پر پہنچ جانے کے بعد بھی پوری طرح محفوظ اور غیر آلودہ تھی۔ سارا کے بارے میں بھی مجھے یقین تھا حالانکہ اس حسین لڑکی کے لئے اس کے باپ کے انتقال کے بعد میرے احساسات ہی بدل گئے تھے۔

جہاز مقررہ وقت پر روانہ ہوا۔ کئی نشستیں خالی تھیں۔ پرواز شروع ہوئی اور سب میری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اداسی نے مجھ پر غلبہ پالیا۔ لندن کی ایک ایک بات ذہن میں گھومنے لگی۔ انکا میرے سر پر محو خواب تھی۔ میں نے نشست کی پشت پر سر رکھا اور آنکھیں بند کر کے بدری نرائن کے بارے میں سوچنے لگا۔ جہاز میں کبھی کبھی ان شہروں کے ناموں کا اعلان ہو رہا تھا جن پر سے جہاز پرواز کر رہا تھا۔ پھر جب اعلان ہوا کہ جہاز مشرق کی سرحدوں میں داخل ہو چکا ہے اور قاہرہ سے آگے نکل آیا ہے تو مجھے ایک بے چینی سے محسوس ہونے لگی۔ جہاز کی برطانوی ائر ہوسٹس مسافروں کی خدمت کرتی پھر رہی تھی۔ وہ ایک بے باک اور جاذب نظر لڑکی تھی! مجھے بیدار دیکھ کر وہ تیزی سے میرے قریب آئی۔ ''کیا آپ کوئی مشروب پینا پسند کریں گے؟''

''شکریہ خاتون! مجھے ضرورت محسوس ہوئی تو آپ کو یقیناً زحمت دوں گا۔'' میں نے اسے ٹالتے ہوئے کہا۔ پھر اپنے خیالوں میں کھو گیا۔ سفر کا ایک ایک لمحہ بھاری گزر رہا تھا۔ ہندوستان جتنا قریب آتا جا رہا تھا، بدری نرائن کے چہرے کے خدوخال اتنے ہی واضح ہو رہے تھے۔ اب ہندوستان نزدیک آ رہا تھا اور میرا دل دھڑک رہا تھا۔

جہاز تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہا تھا۔ دفعتاً انکا اس طرح ہڑبڑا کر اٹھی جیسے کوئی بھیانک خواب دیکھ کر جاگ پڑی ہو۔ اس کے چہرے سے خوف عیاں تھا۔ وہ سہمی سہمی نگاہوں سے اس طرح ماحول کا جائزہ لے رہی تھی جیسے کوئی بڑا خطرہ سونگھ رہی ہو۔ میں انکا سے اس کی بوکھلاہٹ کی وجہ دریافت کرنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اس نے اچانک جست بھری اور میرے سر سے اتر گئی۔ اس کی یہ بوکھلاہٹ بے وجہ نہیں ہو سکتی تھی۔ یقیناً اس نے غیر معمولی حالات محسوس کرنے کے بعد ہی یہ اقدام کیا ہو گا مگر وہ حالات کیا ہیں؟ اس کے اضطراب کا سبب کیا ہے؟ میں نے نظریں گھما کر جہاز کے مسافروں کو دیکھا۔ بیشتر افراد آنکھیں بند کئے دراز تھے۔ مجھے بہ ظاہر کوئی ایسی وجہ نظر نہیں آئی جس سے میں انکا کا اضطراب سمجھ سکتا۔ آخر وہ میری اجازت کے بغیر میرے سر سے کیوں اتر گئی؟ میں انکا کی اس حرکت پر پیچ و تاب کھا رہا تھا کہ ایک مانوس نسوانی آواز میرے قریب سنائی دی۔ میں نے چونک کر برابر والی نشست پر دیکھا تو خالی نشست پر کلپنا کو بیٹھے دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے جسم پر یخ پانی کا گھڑا انڈیل دیا ہو۔ انکا نے شاید کلپنا کی آمد محسوس کرنے کے بعد ہی میرے سر سے جست لگائی تھی۔ میں نے سہمے سہمے ہوئے لہجے میں کلپنا سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''کلپنا! تم اس جہاز میں؟ مگر تم نے اچھا کیا کہ

تم اس وقت میرے پاس آ گئیں۔ میں بڑا اداس اور بے چین تھا۔''

''جمیل احمد خان!'' کلپنا نے تشویش بھرے انداز میں کہا۔ ''اس وقت جہاز میں میری موجودگی ضروری تھی۔ اس پاجی کو خبر مل گئی ہے کہ اس سے نمٹنے کے لئے تم پہنچ رہے ہو۔ جانتے ہو وہ اپرادھی کیا چاہتا ہے؟ وہ تمہیں اور جہاز کے تمام مسافروں کو زمین پر اترنے سے پہلے ہی نشٹ کر دینے کے سپنے دیکھ رہا ہے۔''

کلپنا نے اپنا جملہ بمشکل ادا ہی کیا تھا کہ جہاز کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ مسافر بوکھلا کر اٹھ بیٹھے۔ وہ اس اچانک جھٹکے کی وجہ جاننے کے لئے پریشان تھے کہ دوسرا دھچکا لگا اور کچھ مسافر اپنی نشستوں سے نیچے آ رہے۔ جہاز میں افراتفری پھیل گئی۔ اسی لمحے اسپیکر پر ائر ہوسٹس کی آواز ابھری ''معزز خواتین و حضرات! ہمارا جہاز اچانک شدید طوفانی جھکڑوں میں گھر گیا ہے۔ آپ حضرت حفاظتی پٹیاں باندھ لیں اور افراتفری میں پڑنے کے بجائے جہاز کی سلامتی کے لئے دعا کریں۔ کیپٹن برنارڈ ایک تجربہ کار پائلٹ ہیں۔ امید ہے کہ وہ جہاز اس خطرے سے باہر نکالنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔''

اس اعلان سے جہاز کے مسافروں کے چہرے ست گئے۔ آنکھوں میں موت نظر آنے لگی۔ مسافروں نے جلد از جلد حفاظتی پٹیاں باندھنے کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ اتنا طویل سفر کاٹنے کے بعد منزل قریب ہی آ گئی تھی کہ جہاز نے لڑکھڑانا شروع کر دیا۔ مسافروں کے ہاتھ لرز رہے تھے میرے برابر بیٹھی ہوئی کلپنا اپنی نشست پر موجود نہیں تھی۔ نشست پھر خالی ہو گئی تھی۔ اس پر تمام سفر میں کوئی نہیں بیٹھا تھا۔ جہاز کو شدید دھچکے لگ رہے تھے، ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی بادبانی کشتی بپھری ہوئی موجوں میں پھنس گئی ہو۔ میرے ذہن میں کلپنا کا کہا ہوا جملہ ابھرا۔ بدری نرائن، ان بے خبر مسافروں نے اس کا کیا بگاڑا ہے؟ میں نے غصے کے عالم میں اپنا سر اگلی نشست کی سیٹ سے مار دیا۔ وہ زمین پر اترنے نہیں دے گا۔ اس نے جہاز برباد کرنے کی ٹھان لی ہے، انکا میرے سر پر نہیں تھی۔ کلپنا اوجھل ہو گئی تھی۔ کلدیپ بھی کوسوں دور تھی۔ جہاز طوفانی ہواؤں سے نبرد آزما تھا اور میں اپنی بدنصیبی کا ماتم کر رہا تھا۔ بدری نرائن کاش مجھے زمین پر اترنے کا موقع مل سکے۔

سب کے چہرے زرد پڑے تھے۔

جہاز کے تمام مسافروں پر موت طاری تھی۔ جہاز کی حالت لحہ بہ لحہ نازک ہوتی جا رہی تھی۔ پندرہ منٹ تمام مسافر موت وزیست کی کشمکش سے دوچار رہے۔ انکا اور کلپنا کی عدم موجودگی کے باعث میں ہر بات سے بے خبر تھا اور میری حالت بھی ان مسافروں سے مختلف نہیں تھی جن کے ہاتھ اٹھے ہوئے تھے۔ عورتیں جو زیر لب دعائیں پڑھ رہی تھیں، بچے جو فریاد کر رہے تھے۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھ کر چیخنے لگے تھے۔ جہاز کے مسافروں کی یہ ابتر حالت دیکھ کر میں کسی حد تک مطمئن ہو گیا۔ اگر بدری نرائن کی طاقت

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

بہت سارے مسافروں کے لئے خطرہ بن سکتی ہے تو اتنے بہت سے بے قصور مردوں، عورتوں اور بچوں کی دعائیں بھی ضائع نہیں جائیں گی۔ میں ان شریف لوگوں کے ساتھ ہوں۔ ان کی اوٹ میں میری جان بچ جائے گی۔ بدری نرائن سے خوف کے بجائے مجھے اس پر غصہ آنے لگا۔ اس مردود پنڈت نے اتنی دور بیٹھ کر مجھے ختم کرنے کی کیسی اوچھی حرکت کی تھی۔ کپتان کی آواز مسافروں کو صبر و ضبط کی تلقین کے لئے بار بار اسپیکر پر ابھر رہی تھی۔ سب لوگ ایک دوسرے کی طرف خوف اور حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے اور بار بار سوال کرتے تھے کہ اب کیا ہوگا؟ جیسے کہ ان کے مخاطب شخص کو جواب معلوم ہے۔ موت کے وقت انسانوں کی کیا کیفیت ہو جاتی ہے۔ لوگ موت سے کتنا ڈرتے ہیں؟ جیسے موت انہیں کبھی نہیں آئے گی۔

اچانک جہاز کے جھٹکوں میں کمی ہونے لگی۔ پھر جہاز نے ہچکولے بند کر دیئے۔ اسی وقت اسپیکر پر ائرہوسٹس کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔ ''معزز خواتین وحضرات! مژدہ ہو کہ ہمارا جہاز طوفانی ہواؤں کے حصار سے نکل گیا ہے۔ کپتان کو آگے مطلع صاف نظر آ رہا ہے۔ کپتان برنارڈ کا کہنا ہے کہ اسے زندگی میں اس سے پہلے اس نوعیت کا کوئی تجربہ نہیں ہوا۔ کپتان کو اپنی آنکھوں کے سامنے ہر طرف گرد دکھائی دیتی تھی۔ جہاز کے تمام آلات ٹھیک کام کر رہے تھے اور موسم کی خرابی کے کوئی آثار جہاز کے حساس آلات پر نمایاں نہیں تھے۔ بہرحال آپ کی دعاؤں اور کپتان کی مہارت اور چابک دستی سے جہاز اب پُرسکون ہے۔ ہمیں اب تہران ائرپورٹ پر اترنا ہوگا، وہاں جہاز کی مکمل جانچ پڑتال کی جائے گی۔ اس کے بعد ہم کراچی کے لئے روانہ ہوں گے۔ کپتان برنارڈ اور جہاز کے عملے کی جانب سے میں ان تمام مسافروں کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے نظم وضبط سے کام لیا۔''

جہاز کے پُرسکون ہوتے ہی مسافروں میں گویا جان پڑ گئی۔ ان کے چہروں پر چھائی ہوئی موت کی پرچھائیاں بتدریج کم ہونے لگیں۔ ان کی سہمی آوازیں جہاز کی موسیقی پر غالب آ گئیں۔ جہاز میں تین بدھ بھکشو بھی اپنے مخصوص لباس میں ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی طرف پہلے کسی نے کوئی توجہ نہیں دی تھی لیکن اب چند افراد اپنی نشستوں سے اٹھ کر ان کے گرد منڈلا رہے تھے۔ میں نے ان کی سرگوشیاں سننے کی کوشش کی۔ بہت سے مسافروں کا خیال تھا کہ جہاز معجزانہ طور پر حادثے کی زد سے بچ نکلنا ان تین بزرگ بھکشوؤں کا کرشمہ ہے۔

میں بھی اٹھ کر ان کی نشستوں کی طرف گیا۔ بھکشوؤں کے چہروں پر بلا کا سکون تھا۔ ان کی آنکھیں بند تھیں۔ سر منڈے ہوئے تھے اور سر سے قدموں تک ایک چادر سے ان کے جسم ڈھکے ہوئے تھے۔ جیسے ہی میں ان کے قریب پہنچا، ایک ضعیف العمر بھکشو نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور مجھے آنکھیں پھاڑے حیران نظروں سے دیکھنے لگا۔ میر [illegible]

Downloaded from Paksociety.com

سے کہ میں جہاز کے مسافروں کی تقلید کر رہا تھا۔ میرے سامنے آتے ہی اس کے ہونٹ ہلے۔ چہرے پر بے چینی کے اثرات نمایاں ہوئے اور اس نے نہایت سرد لہجے میں مجھ سے کہا۔ ''شاکیہ منی تجھ پر رحم کرے۔''

اس کی آنکھوں میں بڑی گہرائیاں تھیں۔ جیسے وہ ایک سمندر ہوں، میں اپنی نشست پر چلا آیا۔ اس بدھ بھکشو نے صرف ایک ہی جملہ ادا کر کے مجھے مضطرب کر دیا تھا۔ میں اس کے پاس دوبارہ جانا اور اس سے باتیں کرنا چاہتا تھا لیکن اس کے قریب کوئی نشست خالی نہیں تھی اس لئے مجبوراً اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ مجھے یقین تھا کہ میرے کمینہ خصلت دشمن بدری نرائن کی تمام تدبیریں کلپنا کی وجہ سے ناکام ہو گئی ہوں گی۔

متعدد سوال اور کئی وسوسے میرے ذہن میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔ اگر کلپنا نے بدری نرائن کے خطرناک ارادے ناکام بنا دیئے تھے تو جہاز کو اپنا رخ بدل کر تہران کیوں اترنا پڑ رہا تھا؟ کلپنا اب تک کہاں ہے اور انکا میرے پاس واپس کیوں نہیں آئی؟

اعلان کے مطابق جہاز بہت خوش ادائی کے ساتھ تہران کی ہوائی اڈے پر اترا۔ ائرپورٹ سے ہمیں سیدھے ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل میں پہنچا دیا گیا۔ بدھ بھکشو بھی ایک بڑے کمرے میں ٹھہرا دیئے گئے۔ مسافروں کے ذہنوں پر ابھی تک جہاز کے متوقع حادثے کا تکدر طاری تھا۔ کھلی فضا میں آنے کے بعد وہ حادثے کی ممکنہ تباہیوں کے متعلق اپنے اندازے قائم کر رہے تھے میں ان سب سے الگ تھلگ بدستور اپنے خیالوں میں غرق تھا اور دیگر سب مسافر ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے۔ میری پریشانیاں ہر لمحے بڑھ رہی تھیں۔ اس وقت نہ مجھے یہ خوب صورت ہوٹل اچھا لگ رہا تھا، نہ ہوٹل کے سوئمنگ پول پر شوخیاں کرتے ہوئے حسین، نیم عریاں جسم۔ مجھے کبھی لندن میں گزارے ہوئے دن یاد آ جاتے اور کبھی ہندوستان کی یاد کے ساتھ ...... کلدیپ اور تزئین کا خیال آ جاتا۔ میں اس وقت ایک ایسے کرب سے دوچار تھا جس میں ذہن معطل ہو جاتا ہے اور ہر چیز بے رنگ لگنے لگتی ہے۔ ایران کے قصے بچپن میں سنے تھے۔ ایران کا دارالحکومت تہران دیکھنے کی ایک مدت سے تمنا تھی لیکن میں اپنے کمرے میں جا کر بے سدھ لیٹ گیا تھا۔ مجھے شدت سے انکا کا انتظار تھا۔ جب ڈائننگ ہال میں تمام مسافروں کو کھانے کے لئے بلایا گیا تو میں نے انکار کر دیا۔ اس وقت ایک ائرہوسٹس میرے پاس آئی اور کہنے لگی۔ ''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟ شاید آپ نے کچھ زیادہ ہی اثر لیا ہے؟''

میں نے اس فرض شناس اور مستعد ائرہوسٹس کو ٹالنے کی کوشش کی اور پوچھا۔ ''ہم یہاں سے کب روانہ ہوں گے؟''

''کپتان برنارڈ کی پوری کوشش ہے کہ ہم کل ہی یہاں سے روانہ ہو جائیں لیکن روانگی میں چار

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

روز بھی لگ سکتے ہیں۔ ارے جناب!'' وہ ہنس کر بولی۔ ''یہ بہت دلچسپ موقع ہے۔ آپ ایران کا دارالسلطنت تہران دیکھیے۔ مشرق کا یہ شہر خوب صورتی میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔''

''لیکن خاتون! مجھے اس کی کوئی بات اچھی نہیں لگی۔'' میں نے کہا۔ ''کل کس نے دیکھا ہے۔ ممکن ہے جہاز کل پھر کسی حادثے سے دوچار ہو جائے۔'' میرے منہ سے بے تکا جملہ نکل گیا۔

ائر ہوسٹس نے مجھے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے اسے میری صحیح الدماغی پر شبہ ہو۔

''نہیں نہیں جناب! یہ محض اتفاق تھا اور یوں بھی انسان کو ہمیشہ روشن پہلو بھی نظر میں رکھنا چاہئے۔''

''میں معذرت خواہ ہوں خاتون، واقعی اس حادثے کا میرا دل نے گہرا اثر لیا ہے۔ خدا کرے ہم بخیر و عافیت اپنی اپنی منزل تک پہنچ جائیں۔''

ائر ہوسٹس اصرار کر کے مجھے میرے کمرے سے ڈائننگ ہال میں لے گئی۔ ایک وسیع ہال میں تمام مسافر قہقہے لگاتے، خوش و خرم کھانے میں مصروف تھے۔ جب میں وہاں داخل ہوا تو میری نظر سب سے پہلے ان بدھ بھکشوؤں پر پڑی جو ہال میں اپنی وضع قطع کے باعث سب سے ممتاز نظر آ رہے تھے۔ میں نے دانستہ ان کے قریب بیٹھنا چاہا۔ ان کی میز پر ان کے سامنے صرف سوپ رکھا تھا۔ نوجوان بھکشو نے سب سے بڑے بھکشو کی توجہ میری جانب مبذول کرائی۔ مجھے دیکھ کر ضعیف العمر بھکشو کے منہ میں چمچہ جاتے جاتے رہ گیا اور اس نے مجھے بڑی نرم آواز میں اپنے پاس بلایا۔ میں ان کی طرف یوں بھی کھنچا جا رہا تھا۔ اس کی دعوت ملتے ہی میں ان کی میز پر جا کے بیٹھ گیا۔ اس نے سوپ لینا چھوڑ دیا۔ وہ بہت ٹھنڈی آواز میں بولا۔ ''ہوا موافق نہیں ہے۔''

''میں سمجھا نہیں بزرگ! کیا آپ مجھ سے مخاطب ہیں؟'' میں نے آنکھیں پٹ پٹاتے ہوئے کہا۔ ''یقیناً آپ مجھ سے مخاطب ہیں۔''

''اب دیر ہو گئی۔ آکاش تاریک ہے، جوار بھاٹا آیا ہوا ہے مگر یہ سب کیوں ہوا؟'' وہ سر جھٹک کر بولا۔ ''آہ تو بھی اسی کا شکار ہوا۔''

میں اس کے مبہم جملوں سے کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ خود کہنے لگا۔ ''زندگی...... زندگی صرف جسم کے لئے نہیں، تیاگ اور تپسیا۔ جسم تو ایک فنا پذیر شے ہے۔ اصل شے آتما ہے۔ تو اپنے آپ کو کب تک دھوکا دے گا۔''

''میرے بزرگ!'' میں نے اس کی باتوں سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ صاحب عرفان ہے۔ اس ذہنی کشمکش اور مصائب کے دوران ایک ایسے شخص سے ملاقات بہت بڑا سہارا بن سکتی تھی۔ چنانچہ میں نے عجز و نیاز سے کہا۔ ''یہ جسم عذا [illegible]

Downloaded from Paksociety.com

''یہ گھوڑے قابو میں کر۔ کیا تجھے کوئی اور زندگی نہیں گزارنی؟'' اس کے لہجے میں تناؤ آ گیا۔

''میری مدد کیجئے محترم بھکشو! آپ نے میری جانب ہمدردی کی نظر سے دیکھا ہے تو مجھ سے پوری ہمدردی کیجئے۔'' میں عاجزی کے ساتھ اسے اپنی مصیبت کے بارے میں بتانے لگا۔

وہ بولا۔ ''بس بس، میرے کانوں میں زہر مت گھول۔ ابھی تو نے دیکھا ہی کیا ہے۔ اپنے من کو سکون دے۔ اسے معاف کر دے جو تجھے معاف کرنا نہیں چاہتا۔'' اس نے بے پروائی سے کہا۔

اس کا اشارہ بدری نرائن کے سوا کسی اور کی طرف نہیں ہو سکتا تھا۔ میں اس سے کہنا چاہتا تھا کہ بدری نرائن ہی میرے تمام دکھوں کا سبب ہے لیکن اسی لمحے انکا میرے سر پر آ گئی۔ میں نے چونک کر عالم تصور میں اس کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ اس طرح زرد تھا جیسے اس کے بدن سے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیا گیا ہو۔ اس کی نظریں ویران اور غور و فکر میں ڈوبی دکھائی دے رہی تھیں۔ انکا کو اس قدر اجاڑ اور مایوس دیکھ کر میری الجھن بڑھ گئی۔ انکا بڑے بھکشو کو گھور رہی تھی اور وہ متجسس نظروں سے میرے سر کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے اسے انکا نظر آ رہی ہو۔ میں انکا سے گفتگو کرنے کے لئے بے چین تھا لیکن ان بھکشوؤں کے سامنے میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی اور بڑے بھکشو کی طرف نظریں جما کر بولا۔

''آپ سے کوئی بات چھپی معلوم نہیں ہوتی۔ میں اب بہت تھک گیا ہوں اور باقی زندگی سکون سے گزارنا چاہتا ہوں لیکن جب تک وہ زندہ ہے، مجھے چین سے نہیں رہنے دے گا اور جب تک میں زندہ ہوں، اسے ختم کرنے کی کوشش کرتا رہوں گا۔ وہ ہر بار بچ جاتا ہے۔''

''تیرے پاس خود کیا ہے تو تو دوسروں پر اتراتا ہے۔ یہ چھوکری جو تیرے سر پر بیٹھی ہے بڑی فتنہ ہے۔ بات اب اس کے بس کی نہیں رہی۔ میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تو خود اپنے آپ کو اتنا مضبوط بنا کہ وہ تیری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکے یا پھر کہیں دور رہ۔ لندن میں رنگ رلیاں منا۔ ناریوں کے ساتھ کھیل۔ شراب پی، جوا کھیل اور پریشان ہو...... اور پریشان ہو۔'' وہ مجھ پر طنز کرتا رہا۔

مجھے حیرت ہوئی کہ وہ انکا کو دیکھ رہا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے چند بڑے پجاریوں اور پنڈتوں کے سوا کوئی بھی انکا کو دیکھنے کی مقدرت نہیں رکھتا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں اس وقت مہاتما بدھ کے کسی بڑے پجاری کے سامنے موجود تھا۔ وہ عجیب انداز میں باتیں کر رہا تھا۔ اس کا لہجہ اتنا سرد، ملائم اور پُر وقار تھا کہ میں، جس کی زندگی ہی ایسے لوگوں اور ہنگاموں میں گزر رہی تھی، اس سے خاصا متاثر ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ میں انکا کی موجودگی سے بھی بے خبر رہا۔ میں اسے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ انکا بھی انہماک سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ اس نے اشاروں اشاروں میں مجھے سمجھایا کہ میرے لئے ہندوستان جانے میں خطرہ ہے۔ اس نے مجھے بہت ڈانٹا پھٹکارا لیکن میں اس کی باتیں بڑے تحمل سے برداشت کرتا رہا۔ اسے کلی طور پر اپنی طرف مائل کرنے کے لئے صرف ایک ملاقات ناکافی تھی۔ میں،

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

مسلسل اس سے منت کر رہا تھا مگر اس کا ایک ہی جواب تھا۔ "ارے بے وقوف! اپنی آتما کو بالغ کر۔"

ڈائننگ ہال میں بیٹھے ہوئے چند سیاح کھانا کھا کر بھکشوؤں کی طرف آ گئے اور انہوں نے ان سے مہاتما گوتم بدھ کی تعلیمات پر سوالات کرنے شروع کر دیئے۔ بدھ بھکشو مسکراہٹ اور نرمی، حلاوت اور پیار سے انہیں گوتم کا فلسفہ سمجھانے لگے۔ اسی کام کے لئے وہ دنیا کا دورہ کر رہے تھے۔ میں اجازت لے کر وہاں سے اٹھ آیا۔ میں نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ سیڑھیاں چڑھ کر میں اپنے کمرے میں پہنچا اور تشویش ناک انداز میں انکا سے پوچھا۔ "کہاں مر گئی تھیں؟"

"جمیل!" وہ تنک کر بولی۔ "تم ہوش و حواس میں نہیں ہو۔"

"بڑی جلدی واپسی کا خیال آ گیا تمہیں؟" میں نے برہمی سے کہا۔

"تمہیں معلوم ہے میں کس مصیبت میں گرفتار ہو گئی تھی؟"

"وہ تو تمہارے ستے ہوئے چہرے سے نظر آ رہا ہے۔ جیسے ہی ہندوستان قریب آیا تمہاری نازک مزاجیاں شروع ہو گئیں۔"

میں نے دیکھا کہ انکا میرے سر پر پہلو بدل رہی ہے۔ "تم ہر کام بگاڑ دیتے ہو۔ من مانیاں کرتے ہو اور الزام مجھے دیتے ہو۔ کلپنا نے تم سے کہا تھا کہ تمہیں فوراً واپسی اختیار کرنی چاہئے۔ میں نے بھی تم سے بارہا اصرار کیا تھا مگر تم جین میں ایسے کھوئے کہ تمہیں کسی بات کا ہوش نہ رہا اور وقت گزر گیا۔" انکا نے ناراضی سے کہا۔ "اب جلی کٹی باتیں کر رہے ہو جیسے میں ہی اس کی ذمے دار ہوں۔"

"ساری ذمے داری تو میری ہے، یہ سارے کھیل تماشے میں اپنی طاقت سے کرتا ہوں۔ تمہارا اس میں کیا دخل ہے۔ تم تو بہت معصوم خاتون ہو۔" میں نے چڑ کر کہا۔

"تمہیں حالات کا اندازہ نہیں ہے جمیل! میری مانو تو لندن واپس چلو یا یہاں تہران میں ٹکے رہو، اسی میں تمہارا بھلا ہے۔"

"تم جو کہنا چاہتی ہو، وہ میں سمجھ رہا ہوں۔"

"کیا سمجھ رہے ہو؟ بعض اوقات بالکل بچے بن جاتے ہو تم۔"

"کہنا کیا چاہتی ہو؟" میں نے طیش میں آ کر کہا۔

"تم سننا ہی نہیں چاہتے۔ نہیں سننا چاہتے تو مت سنو۔ میری بلا سے۔"

"بکو۔ اب منہ مت بسورو، کہہ دو کہ کلپنا مر گئی، کلدیپ مر گئی۔ جگدیو تباہ ہو گیا۔ بدری نرائن کو کالی نے پھر تحفظ دے دیا۔ کہہ دو کہ تم مجبور ہو، کہو کہ تمہارے لئے پھر کسی نے جاپ شروع کر دیا ہے اور تم دفعان ہو رہی ہو۔" میں نے شدید غصے میں کہا۔

"تم نے کچھ باتیں صحیح کہی ہیں۔" انکا نے اداسی سے کہا۔

Downloaded from Paksociety.com

"کیا.....؟ ان میں کون سی بات صحیح ہے؟" میں نے بے قرار ہو کر پوچھا۔ "تمہارا منہ کیوں نہیں پھوٹتا۔"

"جمیل! تمہاری اتنی عمر ہو گئی ہے۔ تم نے اتنے زخم کھائے پر تم نے تجربوں سے کچھ نہیں سیکھا۔ سنو! کلدیپ تنہا رہ گئی ہے، جگدیو پرلوک سدھار گیا ہے۔ جگدیو کے مرنے کے بعد بدری نرائن نے کالی کے دوسرے پجاریوں سے گٹھ جوڑ کر کے تمہیں اس بار بالکل ختم کرنے کی ٹھان لی ہے۔ وہ اب اکیلا نہیں ہے، کئی مہاپرش، پنڈت، پجاری اس کے ساتھ ہیں۔ اتنے بہت سے لوگوں کے سامنے کلدیپ کب تک مقابلہ کرے گی؟ جگدیو کے مر جانے سے اس کی کمر ٹوٹ گئی ہے، ادھر تزئین بھی تمہاری امانت کے طور پر اس کے پاس محفوظ ہے۔ اس نے تمہیں بروقت متنبہ کیا تھا لیکن تم بھول گئے کہ گیا وقت ہاتھ نہیں آتا۔ تم نے وقت کی قدر نہیں کی۔" انکا نے افسردگی سے کہا۔

"انکا.....!" میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "تم نے ایک ہی سانس میں کتنی باتیں کہہ دیں۔ وہ میرا مہربان بوڑھا، میرا شفیق، میرا محسن جگدیو مر گیا۔ اس نے تمہیں فراخ دلی سے میری جھولی میں ڈال دیا تھا۔" میں رقت آمیز لہجے میں بولا۔ "اس نے میرا انتظار بھی نہیں کیا؟ وہ مجھ کس پر چھوڑ گیا؟" میری آواز بھرا گئی۔

"جمیل! میں نے تم سے ایک بار کہا تھا کہ ماورائی طاقتوں کے کچھ اصول، کچھ قوانین ہوتے ہیں اور اتنے سخت ہوتے ہیں کہ دنیوی قانون ان کے آگے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ ہر طاقت کی اپنی ایک حد ہوتی ہے۔ لامحدود طاقت کسی کے پاس نہیں ہے۔ بدری نرائن نے بہت سے پجاریوں کے سنگ مل کر اسے ایک مذہبی معاملہ قرار دیا ہے کیونکہ تمہارا نام جمیل احمد خان ہے۔ تم نے کالی کے مندر میں ایک پجاری کو مار دیا تھا۔ تم وہاں گھس گئے تھے۔ تم نے ایک ہندو عورت کو اپنے گھر میں رکھا اور اسے مسلمان بنا دیا۔ تم ایک بڑے پجاری بدری نرائن کی زندگی کے پیچھے پڑے ہوئے ہو۔ کلدیپ ایک ہندو ناری تمہارے چکر میں ہے۔ بدری نرائن نے یہ تمام باتیں کچھ اس انداز سے اپنے ساتھیوں کو بتائی ہیں کہ وہ اس کی مدد کرنے پر کمربستہ ہو چکے ہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنے بیروں کی مدد سے تمہارے جہاز پر حملہ کرا دیا۔ تمہیں معلوم ہے، جہاز ہندوستان سے کتنی دور تھا؟ صرف چند لمحوں بعد جہاز ہندوستان میں داخل ہونے والا تھا۔ انہوں نے متعدد اور بے گناہ مسافروں کی بھی پروا نہیں کی۔ وہ تم سے اتنے مشتعل ہیں کہ اب انہیں ہندوستان میں تمہارا قدم رکھنا بھی گوارا نہیں ہے۔"

انکا کی یہ زبانی افسوس ناک باتیں سن کر میرے جسم پر غصے سے رعشہ طاری ہو گیا۔ ساتھ ہی مجھے اپنی بے بسی، محرومی، بے بضاعتی اور کمزوری کا شدت سے احساس ہوا۔ میں انکا سے کچھ نہیں کہہ سکا، وہ میری حالت دیکھ کر پریشان سی ہو رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہ میرے سر پر بیٹھی میرے بالوں میں انگلی

Downloaded from Paksociety.com